

حیادات میت پر حیات

اور سنتِ نبوی سے ان کا راز

ترجمہ و تحقیق
حافظ اذہر علی زئی حفظہ اللہ

تالیف :
عمر بن عبد المنعم بن سلیم حفظہ اللہ

مکتبہ قدوسیہ



عبادات میں پرہیزات

اور سنت نبوی سے ان کا رد

تالیف :

عمر بن عبد المنعم بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تحقیق :

حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ

شوروم۔ والی کتاب گھر
چوک اردو بازار نزد جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ 14-13-44416

مکتبہ قدوسیہ

فہرست مضامین

بیت الخلا جانا اور قضائے حاجت

- ۲۳ رفع حاجت کی بدعات اور سنت سے ان کا رد
- ۲۴ ہوا نکلنے کے بعد شرمگاہ کا دھونا
- ۲۴ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ کہ (مجبوری میں بھی) کھڑے ہو کر پیشاپ کرنا مکروہ (یعنی حرام) ہے۔
- ۲۷ یہ عقیدہ کہ صرف مٹی کے ساتھ استبراء کرنا کافی نہیں ہے

طہارت اور حیض

- طہارت اور حیض کی بدعات اور ان کا سنت نبوی ﷺ سے رد یہ عقیدہ
- ۳۳ رکھنا کہ وضو ٹوٹنے کے بعد بغیر کسی وجہ کے دوبارہ وضو کرنا فرض ہے
- ۳۴ بعض عورتوں کا حالت حیض و نفاس میں نماز روزہ کی پابندی کرنا
- ۳۷ بعض عورتوں کی جہالتیں اور خرافات

مستحاضہ کا نماز کو کلیتاً ترک کر دینا

- ۴۴ نفاس والی عورت اگر چالیس دنوں سے
- ۴۴ پہلے پاک ہو جائے تو اس کا نماز نہ پڑھنا
- وضو اور اس کے اذکار کی بدعات اور سنت سے ان کا رد
- ۴۶ زبان کے ساتھ وضو کی نیت
- ۵۰ دوران وضو لمبی دعائیں پڑھنا
- ۵۳ وضو کی بدعات میں سے بعض لوگوں کا قول ”زمزم“ بھی ہے
- ۵۳ ان بدعات سے گردن کا مسح کرنا بھی ہے
- ۵۸ وضو کی خبیث ترین بدعات میں جرابوں پر مسح میں تنگی اور انکار ہے

- ۵۹ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ❀
- ۵۹ البراء بن عازب ❀
- ۵۹ انس بن مالک رضی اللہ عنہ ❀
- ۵۹ ابو مسعود رضی اللہ عنہ ❀
- ۶۰ ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ ❀

جرابوں اور موزوں پر مسح کی دوسری بدعات

- ۶۱ (۱) ظاہر اور باطن (اوپر اور نیچے) مسح کرنا ❀
- ۶۳ (۲) موزوں یا جرابوں پر ایک سے زیادہ بار مسح کرنا ❀
- ۶۳ (۳) موزے یا جرابیں اتار کر (خواہ مخواہ) پاؤں کا دھونا۔ ❀
- ۶۵ (۴) پھٹی ہوئی جراب یا موزے پر مسح نہ کرنا ❀
- ۶۶ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو ❀
- ۶۶ خشک نہ کرنا مسنون ہے ❀
- ۶۸ وضو کے پانی میں اسراف۔ ❀
- ۶۹ بغیر کسی ضرورت کے دوبارہ وضو کرنا ❀
- ۷۱ جاہل عورتوں کی بدعات اعضاء وضو کا مکمل دھونا ❀
- ۷۲ پاؤں دھونے میں بہت سے لوگوں کی غفلت اور تساہل پسندی ❀

دور حاضر میں عوام الناس کی ایک بہت بڑی مخالفت

- ۷۳ بلی کے جوٹھے پانی سے وضو نہ کرنا ❀
- ۷۴ ایک بڑی قبیح اور کافرانہ بدعت کا مشاہدہ کہ ❀
- ۷۴ بعض لوگوں کا بغیر وضو کے نماز پڑھنا ❀

غسل کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

- ۷۶ غسل کی بدعات میں سے زبان کے ساتھ نیت کرنا بھی ہے۔ ❀

- ۷۶ بعض لوگوں کا یہ گمان کہ جنسی دوسروں کو بھی نجس کر دیتا ہے
- ۷۷ شرمگاہ کے اندر پانی پہنچا کر دھونا دوسرے کے مریض مردوں اور عورتوں کی
- ۷۸ یہ پرانی بدعت ہے۔
- ۷۹ غسل خانہ میں پیشاب
- ۷۹ جمعہ کے دن غسل جنابت کے بعد غسل جمعہ کا تکرار
- ۷۹ عورتوں کا غسل جنابت میں بالوں کا صحیح نہ دھونا
- ۸۰ نہانے کے دوران بے پردگی
- ۸۱ مشترکہ حماموں میں عورتوں کا اپنے جسم یا اس کا کچھ حصہ ننگا کرنا
- ۸۲ غسل میت میں کتاب و سنت کی مخالفتیں

تیمم

تیمم کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

- ۸۷ تیمم کا صحیح طریقہ
- ۸۷ تیمم کے لیے زمین پر دو دفعہ ہاتھ مارنا
- ۸۸ تیمم کے لیے زمین پر دو دفعہ ہاتھ مارنا
- ۸۸ ہر نماز کے لیے تیمم
- ۸۹ پیوں پر مسح

مساجد

مساجد کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

- ۹۲ انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنانا
- ۹۷ مساجد کے ساتھ برکت کے حصول کی فضیلت
- لوگوں کا بعض مقامات، درختوں اور کنوؤں سے اس عقیدہ کے ساتھ تبرک

- ۹۹ پکڑنا کہ یہاں کوئی نبی یا نیک بندہ آیا تھا
- ۱۰۱ غصب شدہ زمینوں پر مسجدیں بنا کر یہ سمجھنا کہ اب گناہ دھل چکا ہے
- ۱۰۱ فخر و تکبر کی بنا پر مسجدیں تعمیر کرنا اور ان کی نقش و نگاری
- ۱۰۵ مسجد میں تھوکنے اور اسے صاف کرنے اور مٹانے کے بغیر چھوڑ دینا
- ۱۰۷ لہسن، پیاز، وغیرہ بدبودار چیزیں کھا کر مسجد پہنچنا
- ۱۰۹ مسجد میں گم شدہ جانور تلاش کرنا
- ۱۱۰ مسجد میں خرید و فروخت اور اشعار پڑھنا
- عورتوں کا دعوت یا طلب علم کے بہانے، مردوں کو مسجدوں سے روک دینا
- ۱۱۳ مسجد میں آوازیں بلند کرنا
- مساجد میں بعض خاص راتوں میں، حد سے زیادہ خوبصورتی کا اہتمام اور چراغاں کرنا
- ۱۱۳ قبروں اور قبروں پر مساجد میں چراغ جلانے اور چادریں چڑھانے کی نذریں
- ۱۱۵ خانہ کعبہ کے پتھروں، غلاف اور مسجد نبوی کے ٹکڑوں سے تبرک
- ۱۱۶ جمعہ، عید اور خاص دنوں وغیرہ میں، مسجد میں بھکاریوں کا خیرات مانگنا
- ۱۲۰ مسجد میں ایک خاص مقام مقرر کرنے کی کراہت کا عقیدہ
- ۱۲۱ بچوں کو مسجدوں سے روکنا
- ۱۲۲ اذان، نماز اور جمعہ
- اذان، نماز اور جمعہ کی بدعات اور ان کا سنت سے رد اذان کے درمیان
- ۱۲۲ جی علی خیر العمل کا اضافہ
- ۱۲۳ کلمہ شہادت میں ”سیدنا“ کا اضافہ
- ۱۲۴ اذان کے (فوراً) بعد (خود ساختہ) درود و سلام کا اضافہ
- ۱۲۵ اذان سے پہلے دعا کرنا یا قرآن کی کوئی آیت (یا آیتیں) پڑھنا
- ۱۲۶ نماز کی زبانی نیت

- ۱۲۷ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا
- ۱۲۷ جو شخص (نماز میں) ناف سے نیچے ہاتھ باندھے، اس پر انکار کرنا
- ۱۳۰ حرکات نماز میں امام سے پہلے یا برابری کرنا
- ۱۳۲ سستی کی وجہ سے نماز جمعہ کا ترک کر دینا
- ۱۳۲ نماز جمعہ نہ پڑھنے کا کفارہ
- ۱۳۳ دین سمجھ کر جمعہ کے دن سفر نہ کرنا
- ۱۳۴ جمعہ کی رات، مغرب یا عشاء میں خاص اور مقررہ قرأت کرنا
- ۱۳۴ جمعہ کے فرضوں سے پہلے سنتیں
- ۱۳۴ جمعہ کی تیسری اذان (یعنی اذان عثمانی) پر بدعت کا حکم لگانا
- ۱۳۶ جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر خطبہ جمعہ کی اذان دینا
- ۱۳۷ طویل خطبہ اور مختصر نماز
- ۱۳۷ عید کے دن اگر جمعہ ہو تو جمعہ کی نماز ترک کر دینا
- ۱۳۸ نماز جمعہ کے بعد (بغیر سلام و کلام کے) سنتیں اور نوافل پڑھنا
- ۱۳۸ جمعہ کے دن قبولیت دعا والی گھڑی کا تعین کہ وہ (خطبہ کے لیے) امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز کے اختتام تک کا وقت ہے
- ۱۳۹ جمعہ کی رات کو خاص طور پر قیام کرنا
- ۱۳۹ جمعہ کے دن احتیاء کی ممانعت
- ۱۴۰ جمعہ کے دن پہلے خطبہ کے بعد دو رکعتیں پڑھنا
- دونوں خطبوں کے دوران اذان دینے والوں کا گمشدہ چیزوں کا اعلان یا بلند آواز سے دعا کرنا
- ۱۴۱ نماز جمعہ کے بعد غیر شرعی اذکار
- ۱۴۲ سورہ کہف پڑھنے کے لیے جمعہ کے دن اکٹھا ہونا
- ۱۴۲ نماز سے فراغت کے بعد ذکر اور دعا پر اجتماع کرنا
- ۱۴۲ بھکاریوں کا مسجدوں کے دروازوں پر بیٹھ جانا

عیدیں

- ۱۴۴ عیدین کی بدعات اور سنت نبوی سے ان کا رد ❀
- ۱۴۵ معراج کی عید یعنی شب برأت ❀
- ۱۴۶ پندرہ شعبان کی رات ❀

عید میلاد النبی ﷺ

- ۱۵۹ عاشوراء کی بدعات اور باطل رسوم ❀
- ۱۶۲ ماہ رجب ❀

الجنازے

- ۱۶۵ جنازے کی بدعات اور ان کا رد ❀
- ۱۶۵ مرنے والے کے پاس شیاطین کا حاضر ہونا ❀
- ۱۶۵ میت کے پاس قرآن رکھنا اور سورہ یاسین پڑھنا ❀
- ۱۶۶ مرنے والے کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دینا ❀
- ۱۶۸ میت کے پیٹ پر تلواریں رکھنا ❀
- ۱۶۸ حائضہ، جنبی اور بچوں کو میت کے پاس آنے سے منع کرنا ❀
- ۱۶۸ میت کے پاس جان کنی لے کر دفن تک قرآن کی تلاوت کرنا ❀
- میت پر بین کرنا، باواز بلند رونا اور میت کی خوبیاں بیان کرنا، کپڑے پھاڑنا
اور سر منڈانا وغیرہ ❀
- ۱۶۹ اور سر منڈانا وغیرہ ❀
- ۱۷۲ مصیبت کے وقت سنت طریقہ ❀
- ۱۷۳ میت کی شرمگاہ، ناک، کان اور حلق یعنی (منہ) میں روئی رکھنا ❀
- ۱۷۵ میت کے ناخن تراشنا اور شرمگاہ کے بال موٹنا ❀
- ۱۷۶ داڑھی منڈوں کا میت پر غم کی وجہ سے (عارضی طور پر) داڑھیاں بڑھانا ❀
- ۱۷۷ خاوند کی وفات اور ایام غم میں بیوی کا سیاہ لباس پہننا ❀
- ۱۷۸ میت پر شرعی حد سے زیادہ سوگ منانا ❀

- ایام مصیبت میں ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ رنہ سننا اور ٹی وی نہ دیکھنا ۱۷۹ ❀
- مرنے والے کی اطلاع منبر، لاؤڈ سپیکر اور گاڑیوں پر دینا ۱۷۹ ❀
- پہلی قسم (شرعی) ۱۸۰ ❀
- پہلی حدیث ۱۸۰ ❀
- دوسری حدیث ۱۸۰ ❀
- دوسری قسم (بدعت) ۱۸۰ ❀
- وفات یا تعزیت کے وقت لوگوں کا ”البقیۃ فی حیاتکم“ کہنا یعنی اللہ تمہیں ۱۸۰ ❀
- زندہ رکھے ۱۸۳ ❀
- وفات کی اطلاع کے وقت کہنا کہ فلاں پر فاتحہ پڑھو ۱۸۳ ❀
- میت کے دفن میں کئی دنوں تک تاخیر کرنا ۱۸۴ ❀
- جنازہ پر زینت کے لیے پھول پھینکنا اور تصاویر بنانا ۱۸۴ ❀
- میت کے آگے اس کے لیے استغفار اور دعا کی منادی کرنا ۱۸۵ ❀
- جنازہ لے جاتے ہوئے فضول باتیں کرنا اور لہو و لعب کا ارتکاب ۱۸۵ ❀
- جنازہ بہت آہستہ لے جانا؟ ۱۸۶ ❀
- قبروں پر اور خاص مقامات پر جنازہ پھرانا ۱۸۶ ❀
- قبرستان پر جنازہ پہنچنے کے وقت جانور ذبح کرنا ۱۸۷ ❀
- قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا ۱۸۸ ❀
- قبر کے پاس جنازہ پہنچنے کے وقت ۱۸۸ ❀
- بین کرنے والوں کا رونے پٹنے کے لیے لکلنا ۱۸۸ ❀
- میت کے سر کے پاس سورۃ البقرہ کا ابتدائی حصہ پڑھنا اور اس سورۃ بقرہ کا ۱۸۸ ❀
- آخری حصہ اس کے قدموں کے پاس پڑھنا ۱۸۸ ❀
- میت کو قبر میں رکھتے وقت آیت ﴿منہا خلقنا کم و فیہا نعید کم ۱۸۹ ❀
- و منہا نخرجکم تارۃً آخری﴾ پڑھنا ۱۸۹ ❀
- میت کے دفن کے بعد اسے تلقین کرنا ۱۸۹ ❀

- ۱۹۰ دفن کے وقت خطبہ دینا ❀
- ۱۹۱ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا کرنا ❀
- ۱۹۱ دفن کے بعد تعزیت کے لیے اکٹھا ہونا، شامیانے نصب کرنا، تعزیت کرنے والوں کے لیے کھانا تیار کرنا، تین دن مسلسل تعزیت کرنا ❀
- ۱۹۳ میت پر قرآن پڑھنا اس کی دو صورتیں ہیں: ❀
- ۱۹۶ مختلف مناسبتوں پر میت کا ذکر خیر ❀
- ۱۹۶ ہر جمعہ کو والدین کی قبر کی زیارت کرنا اور وہاں سورہ یاسین پڑھنا ❀
- ۱۹۶ عورتوں کا عیدوں، خاص اوقات اور جمعرات کے دن جماعتوں کی شکل میں قبروں کی زیارت کرنا ❀
- ۱۹۸ نامعلوم فوجی (شہید) کی قبر کی زیارت اور ❀
- ۱۹۸ نیک و صالح لوگوں کی قبروں کی طرف سفر ❀
- ۱۹۸ جھوٹی قبروں کی طرف سفر ❀
- ۱۹۸ نبی ﷺ کی قبر کی طرف سفر ❀
- ۱۹۹ نبی ﷺ کی قبر کو چھونا ❀

روزے

- ۲۰۲ روزوں کی بدعات اور سنت سے ان کا رد ❀
- ۲۰۲ رمضان کے روزے کی معرفت میں حساب اور فلکیات سے مدد لینا ❀
- ۲۰۲ اپنے رہائشی علاقے، شہر یا ملک کے علاوہ ❀
- ۲۰۲ دوسرے علاقے کی رویت پر روزہ رکھنا یا عید کرنا ❀
- ۲۰۲ احتیاط اور ورع کے طور پر شک کے دن روزہ رکھنا ❀
- ۲۰۶ رمضان کے ہمیشہ تیس روزے رکھنا ❀
- ۲۰۶ مؤذن کی اذان سنتے وقت کھانا لگھنایا پانی پینا ❀
- ۲۰۸ اعتکاف کے لیے تین مسجدوں کی شرط لگانا ❀

۲۰۸ رجب اور پندرہ رمضان کا روزہ

زکوٰۃ

۲۰۹ زکوٰۃ کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

۲۱۱ نقدی یعنی رقم سے صدقہ فطر نکالنا

۲۱۲ آٹھ قسم کے مستحقین میں صدقہ فطر تقسیم کرنا

۲۱۲ رجب کے مہینے میں زکوٰۃ نکالنا

حج اور عمرہ

حج اور عمرے کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

۲۱۳ زبانی نیت کرنا

گھر سے حج کے لیے نکلنے وقت دو رکعتیں پڑھنا، پہلی رکعت میں

۲۱۵ سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھنا

۲۱۶ حاجیوں کی گاڑیوں پر سفید جھنڈے لہرانا

۲۱۶ اجتماعی طور پر لبیک کے ساتھ آوازیں بلند کرنا

۲۱۷ مکہ اور مدینہ میں اولیاء کی قبروں اور تبرک مقامات پر جانا

۲۱۷ مکہ اور مدینہ کے درختوں اور پتھروں سے تبرک حاصل کرنا

عمرہ کرنے والے کا برکت اور عبادت کے لیے حج کے مقامات کی زیارت

۲۱۷ کرنا

۲۱۸ طواف کے وقت بیت اللہ کے چاروں ارکان کا چومنا یا چھونا

۲۱۸ کعبہ کی دیواروں، غلاف اور حلقات کو تبرک کے لیے چھونا

۲۱۹ زمزم کے پانی سے نہانا

۲۱۹ خاص طور پر ستائیس رمضان کو عمرہ کرنا

۲۱۹ جس عمرہ کرنے والے کا اپنا احرام نہ کھلا ہو اس کا

۲۱۹ دوسروں کے بال بطور اجرت یا خدمت کا شایا موٹنا

- ۲۲۰ سر کے بال موٹتے یا کٹاتے وقت قبلہ رخ ہونا ❀
- ۲۲۰ سر موٹنے کے وقت دعا ❀
- ۲۲۰ عورت کا نقاب اور دستانوں کے ساتھ طواف کرنا ❀
- ۲۲۱ حاجی کے لوٹنے کے وقت اور استقبال کے لیے ❀
- ۲۲۱ اس کے گھر کا چونا اور صفائی کرنا ❀
- ۲۲۱ مسجد نبوی کے بجائے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی نیت کرنا ❀
- ۲۲۳ دعا کی قبولیت کی امید سے انبیاء کی قبروں یا دوسری قبروں کی طرف جانا ❀
- ۲۲۵ نبی ﷺ کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا اور رونا ❀
- ۲۲۵ نبی ﷺ کی قبر (یا حجرے) کا چھونا اور چومنا ❀
- ۲۲۵ نبی ﷺ کی قبر کا طواف اور محراب، منبر اور دیواروں کا چھونا ❀

القرآن

قرآن اور قراءت قرآن کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

- ۲۲۷ گانوں کی طرح قرآن پڑھنا ❀
- ۲۲۸ نماز وغیرہ میں شاذ قراءتیں کرنا ❀
- ۲۲۸ نماز وغیرہ میں فخر و برتری کے لیے مختلف قراءتیں کرنا ❀
- ۲۲۹ مخارج حروف کی ادائیگی میں تکلف اور قراءت کا غیر ضروری لمبا کرنا ❀
- منگنی، خطبہ، نکاح، مجالس اور تجارتی معاہدوں وغیرہ کے شروع میں سورہ
- ۲۲۹ فاتحہ یا کسی دوسری صورت کی تلاوت ❀
- ۲۳۲ لوگوں کا ایک آواز ہو کر قرآن پڑھنا ❀
- ۲۳۲ جمعہ کے دن لاؤڈ سپیکر پر قرآن پڑھنا ❀
- ۲۳۳ تلاوت قرآن کے اختتام پر ”صدق اللہ العظیم“ کہنا ❀
- ۲۳۳ قرآن کا گاڑیوں میں اور سینوں پر زینت وغیرہ کے لیے لٹکانا؟ ❀
- ۲۳۳ قبلہ کی طرف قرآن رکھنے سے منع کرنا؟ ❀

سر پر قرآن رکھنا، چومنا یا قسم کے وقت اس پر ہاتھ رکھنا یا قسم کی شدت کے لیے اپنی دونوں آنکھوں پر رکھنا ۲۳۵

الایمان والنذور

قسموں اور نذروں کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

غیر اللہ کی نذر ۲۳۷

غیر اللہ کی قسم اٹھانا ۲۳۸

اس چیز کی نذر کی بدعت جس کی طاقت نہ ہو ۲۳۹

طلاق کی قسم کھانا اور طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرنا ۲۴۰

مصافحہ، سلام اور ملنا

مصافحہ، سلام اور ملنے جلنے کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا ۲۴۱

نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا ۲۴۲

نمازی کا اپنے ساتھ والے شخص سے کہنا ”تقبل اللہ“ اللہ قبول کرے ... ۲۴۲

مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا اور سینے پر رکھنا ۲۴۳

آنے والے کا تمام مجلس والوں سے مصافحہ کرنا ۲۴۳

ملاقات کے وقت مصافحہ کے بجائے معانقہ کرنا ۲۴۳

سلام کے وقت جھکنا ۲۴۴

مشائخ وغیرہ کے پاس جاتے وقت سجدہ یا رکوع کرنا ۲۴۴

ہنسی مذاق اور مزاح کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مار کر مصافحہ کرنا ۲۴۵

دنیا یا تعظیم کے لیے ہاتھ چومنا ۲۴۵

اہل کتاب کی طرح سلام کہنا یا وداع کرنا ۲۴۶

سفر میں جانے اور واپس آنے کے وقت اجنبی عورتوں کا بوسہ لینا ۲۴۶

دعا

دعا کے متعلق بدعات اور سنت سے ان کا رد

- ۲۴۹ غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے دعا مانگنا ❀
- ۲۵۷ دعا میں وسیلہ پکڑنا، اس کی بدعات اور سنتیں ❀
- ۲۵۹ پہلی قسم نیک اعمال کے ذریعے توسل پکڑنا ❀
- ۲۶۰ دوسری قسم زندہ نیک لوگوں کی دعا سے توسل پکڑنا ❀
- ۲۶۵ پہلی حدیث ❀
- ۲۶۷ دوسری حدیث ❀
- ۲۶۸ تیسری قسم اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ ❀
- ۲۷۵ دعا کے لیے اکٹھا ہونا ❀
- ۲۷۶ دعا سے فراغت کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا ❀
- ۲۷۸ دعا کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا اور اسے مردوں کو بخش دینا ❀
- ۲۸۰ صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت کا التزام ❀
- ۲۸۲ دعائے قنوت میں سنت ❀
- ۲۸۳ بعض ایام کو قنوت وتر کے ساتھ خاص کرنا ❀
- ۲۸۶ وتر میں رکوع کے بعد قنوت کرنا ❀
- ۲۸۷ قنوت کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھنا ❀
- ۲۸۸ قنوت کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا ❀

جمعہ کے دن دعا کی بدعتیں

- ۲۹۰ جمعہ کے دن منبر پر خطیب کی دعا پر آمین کہنا ❀
- ۲۹۱ دو خطبوں کے دوران خطیب کے بیٹھنے کے بعد مؤذن کا دعا کرنا! ❀
- منبر پر چڑھنے کے بعد اور لوگوں کی طرف رخ کرنے اور سلام کہنے ❀
- ۲۹۲ سے پہلے خطیب کا دعا میں مشغول ہو جانا ❀

- ۲۹۳ امام کا تکبیر تحریمہ سے پہلے دعا میں مشغول ہو جانا ❀
- ۲۹۳ امام کی قراءت سورہ فاتحہ کے وقت آمین سے پہلے مقتدیوں کی دعا ❀
- ۲۹۶ حی علی الفلاح کے بعد خصوصی دعا ❀
- ۲۹۶ بارش کے نزول کی دعا ❀
- ۲۹۷ سفر کے وقت کی دعا ❀
- ۲۹۷ فرض نمازوں کے بعد دعا کا التزام ❀
- ۲۹۹ مریض سے دعا کروانا ❀
- ۲۹۹ بدھ کے دن زوال کے بعد کی دعا ❀
- ۳۰۰ پہلی رات کا چاند دیکھنے کے وقت کی دعا ❀
- ۳۰۱ تعریف: یعنی عرفات کی ریس ❀
- ۳۰۶ دعا میں آواز بلند کرنا ❀
- ۳۰۷ شاعروں کی طرح مقفی و مسجی دعائیں کرنا ❀

ذکر

- ۳۰۹ ذکر کی بدعات اور سنت سے ان کا رد ❀
- ۳۰۹ ذکر پر اجتماع ❀
- ۳۱۲ ذکر بالجہر اور آوازیں بلند کرنا ❀
- ۳۱۳ تالیاں بجانا اور ناچنا ❀
- ۳۱۶ دینی نظمیں ❀
- ۳۱۷ اسم مفرد (یعنی صرف اللہ اللہ) یا سریانی الفاظ ”ھوھو“ کے ساتھ ذکر ❀



عرض مترجم

ان الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له و من يضل
فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان
محمداً عبده ورسوله اما بعد: فان خير الحديث كتاب الله وخير
الهدى هدى محمد (صلى الله عليه وسلم) وشر الامور محدثاتها
وكل بدعة ضلالة (وكل ضلالة في النار)
قارئین کرام!

رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

((كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) ”ہر بدعت گمراہی ہے۔“

(صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلوة والخطبة: (ح ۸۶۷)

اور فرمایا کہ ((مَنْ عَمَلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

”جو شخص کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم (اور دلیل) نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

ان وعیدوں کے باوجود ایسا ہوا ہے کہ اسلام کے دعویداروں میں سے بہت سے
لوگوں نے بدعات کو سینے سے لگا لیا ہے۔ حکومت مجرموں کی سرکوبی کیلئے قوانین نافذ کرتی
ہے مگر ان قوانین کے باوجود بے شمار لوگ دن رات جرائم میں مصروف رہتے ہیں۔
بدعت ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو

(جامع العلوم والحکم لابن رجب: ص ۲۵۲، ح ۲۸)

یعنی ہر ایسا عمل یا عقیدہ جس پر قرآن، حدیث اور اجماع سے دلیل نہ ہو چونکہ
اسلام کا بہترین اور سنہری دور خیر القرون کا دور ہے لہذا بعض علماء نے یہ بھی صراحت کی
ہے کہ ”خیر القرون میں اس کا وجود نہ ہو اور اسے دین و ثواب سمجھ کر اپنایا جائے۔“

ل [صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور:
(۱۷۱۸) واللفظ له. صحیح البخاری کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علی صلح

جو (فالصلح مردود: (۲۶۹۷)]

نافع مولیٰ ابن عمر سے روایت ہے کہ ”ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک ماری اور کہا ”الحمد لله والسلام على رسول الله“

تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں کہ الحمد لله والسلام على رسول الله (یعنی میں اس کا انکار نہیں کرتا) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ طریقہ نہیں سکھایا، آپ نے تو ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہر حال میں الحمد لله کہیں۔^۱

اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے کئی شواہد بھی ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان بدعتی لوگوں کو مسجد سے نکال دیا تھا جو اجتماعی شکل میں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ کہہ رہے تھے۔^۲

مشہور محقق اور فاضل مصنف عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم حفظہ اللہ نے بہت سی مفید کتابیں لکھی ہیں جن میں سے یہ کتاب ”السنن والامتدعات فی العبادات“ بھی ہے۔

راقم الحروف نے قدوسی برادران محترم ابو بکر اور عمر فاروق بن عبدالخالق القدوسی نور اللہ مرقدہ کی ترغیب پر اس جلیل القدر کتاب کا ترجمہ کیا ہے جو کہ اس باب میں مفید ترین کتاب ہے۔

احادیث کی باحوالہ تخریج بھی کی ہے اور ان پر صحت و ضعف کے لحاظ سے حکم بھی لگادیا ہے تاکہ عام قارئین کو آسانی رہے۔ ضعیف روایات کے ضعف بھی مختصراً عرض کردیے ہیں اور بعض مقامات پر فاضل مصنف سے اختلاف کی صورت میں حواشی بھی لکھے ہیں اور بعض مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ واللہ!

زہیر علی زئی

حضر۔ الہک

۱ [سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ما یقول العاطس اذا عطس: (۲۷۳۸) وقال

”غریب“ وصححه الحاكم: ۳/۲۶۵، ۲۶۶ ووافقه الذہبی.]

۲ [سنن الدارمی: (۱/۶۸، ۶۹ ح ۲۱۰) باب فی کراهیة اخذ الراي وسنده حسن فیہ عمر بن

یحییٰ صوابہ عمرو بن یحییٰ کما فی المخطوطة وغیرها]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرٍ
اَنْفَسْنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مَضْلَ لَهُ وَمَنْ يَضِلْ فَلَا
هَادِيَ لَهُ وَاشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ
اٰمَابَعْدُ!

عبادات میں اصل حرمت ہے یعنی کوئی بھی عبادت بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے
جائز نہیں ہے اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے ہر قسم کی
عبادت بدعت منکرہ اور مردود ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
(مَنْ اَحَدَثَ فِيْ اَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)۔
”جس نے ہمارے دین میں ایسی بات نکالی جو دین میں شامل نہیں ہے تو وہ
مردود ہے۔“

اور ایسا کرنے والے پر قیامت کے دن حسرت و ندامت اور گناہ کا باعث ہوگا،
جیسا کہ نبی ﷺ کی حدیث میں آیا ہے:

(مَنْ دَعَا اِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرٍ مَنْ تَبِعَهُ
لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا اِلَى ضَلٰلَةٍ كَانَ

۱ [صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحو اعلیٰ صلح جور فالصلح مردود

۲ (۲۶۹۷) صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة (۱۷۱۸)]

عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلَ آثَامٍ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ
شَيْئًا))^۱

”جس نے (کتاب و سنت سے ثابت شدہ) کسی اچھے کام کی طرف بلایا تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا اور ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دی تو اسے اتنا گناہ ملے گا جتنا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ہوگا لیکن ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔“

اللہ تعالیٰ کا قانون اس کی مخلوق میں جاری ہو کر رہا، اس کی قدرت ظاہر ہوئی اور وہ پیشین گوئی رونما ہو کر رہی جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی تھی کہ ”دینی علم اٹھ جائے گا، جہالت پھیل جائے گی، سنتیں مردہ ہوں گی اور بدعات کا دور دورہ ہوگا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ يُرْفَعُ الْعِلْمُ وَيَثْبُتُ الْجَهْلُ وَيُشْرَبُ
الْخَمْرُ وَيُظْهَرُ الزُّنَا))^۲

”قیامت کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ (صحیح) علم اٹھ جائے گا (ہر طرف) جہالت چھا جائے گی، شراب پی جائے گی اور زنا کا غلبہ ہو جائے گا۔“
اس سے مصیبتیں زیادہ ہو گئیں اور صحیح العقیدہ لوگ آزمائشوں میں پڑ گئے، آج سنت اجنبی اور اوپری سمجھی جا رہی ہے اور اس پر عمل کرنے والے عجیب تر، جیسا کہ صادق و صدوق ﷺ نے فرمایا تھا:

((بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ))^۳

۱۔ [مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة (۲۶۶۴)]

۲۔ [صحيح البخارى، كتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل (۸۰) صحيح مسلم،

كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه (۲۶۶۱)]

۳۔ [مسلم، كتاب الايمان، باب بيان ان الاسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا (۴۴۵)]

”اسلام اجنبیوں میں آیا اور اجنبی بن جائے گا“ پس خوشخبری ہے ان اجنبیوں کے لیے۔“

اسی طرح آپ کے جلیل القدر صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:
 ((كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبَسْتُمْ فِتْنَةً، يُهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ، وَيُرَبُّ فِيهَا الصَّغِيرُ
 وَيَتَّخِذُهَا النَّاسُ سُنَّةً، فَإِذَا غُيِّرَتْ قَالُوا غُيِّرَتِ السُّنَّةُ))^۱
 ”اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب فتنے تمہیں ڈھانپ لیں گے، بچوں پر
 جوانی اور جوانوں پر بڑھاپا طاری ہو جائے گا؟

لوگ اپنے خود ساختہ طریقوں کو سنت بنا لیں گے، پھر جب اسے بدلنے کی
 کوشش کی جائے گی تو لوگ یہ پکاریں گے کہ سنت بدل گئی ہے۔“
 لوگوں کے دل دو طرح کے ہو جائیں گے۔

۱۔ پاک و صاف جسے فتنہ یا بدعات کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گی، جس طرح کہ محمد بن
 مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((لَا تَضُرُّهُ الْفِتْنَةُ))^۲

”اسے فتنہ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔“

انہیں یہ شرف اس لیے حاصل ہوا کہ وہ سنت کی اتباع کرنے والے، حصول علم
 کے شیدائی اور فتنوں سے دور رہنے والے تھے۔

۲۔ پستی میں گرا ہوا کالا کلونا دل، فتنے اسے اڑا رہے ہیں اور بدعات اس کی رگ و
 پے میں جاری و ساری ہیں، نہ وہ برائی کا انکار کرتا ہے اور نہ ہی اسے نیکی کی
 پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ زمانے نے اپنی کروٹیں لیں تو

[”ضعیف“ الدارمی (۱/ ۶۳ ح ۱۹۱) المستدرک (۳/ ۵۱۳) عمش مدلس ہے اور عن سے روایت

کر رہا ہے]

[حسن البغوی فی الصحابة (الاصابة: ۹/ ۱۳۲) ابوداؤد (۳۶۶۳) یہ روایت اپنے شواہد کے

ساتھ حسن بخیرہ ہے]

لوگوں میں عبادات، عقائد اور معاملات کے بارے میں وہ بدعات ظاہر ہو گئیں جن کی خبر نبی ﷺ نے دی تھی۔ آج جاہل شرک کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کر رہا ہے اور علم کا نام نہاد مدعی ایسی خود ساختہ عبادات میں سرگرم ہے جو نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں۔ جب صحیح سنتیں مننے لگیں تو علماء اور صالحین پر ضروری ہے کہ ان بدعات اور برائیوں کا علانیہ انکار کریں تاکہ اصلاح، نصیحت، حق گوئی اور تبلیغ کا عظیم الشان وعدہ پورا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبَسَّ مَا يَشْتَرُونَ ۝﴾ (آل عمران : ۱۸۷)

”اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا کہ تم کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اسے چھپاؤ گے نہیں، تو انہوں نے اس وعدے کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس (کتاب) کے بدلے (دنیا کی) تھوڑی سی قیمت خریدنے لگے، اور ان کا یہ سودا بہت برا ہے۔“

میں نے اللہ تعالیٰ جو قادر سب سے اعلیٰ، زبردست اور رحیم ہے سے استخارہ کرتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے تاکہ لوگوں کے اندر مشہور بدعات کی نشاندہی کر دوں اور ان کا رد کتاب و سنت سے واضح کر دوں۔ میرا مقصد ثواب کا حصول ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ عذر پیش کرنا ہے کہ میں ان برائیوں اور بدعات پر خاموش نہیں رہا بلکہ حق بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کتاب و سنت پڑھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کو بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے اس عمل کو نفسانی خواہشات کے شائبہ تک سے بچائے۔ (آمین!) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
ابو عبد الرحمن عمرو بن عبد المنعم بن سلیم



بیت الخلا جانا اور قضائے حاجت

رفع حاجت کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

طہارت کے بارے میں ابلیس نے عوام اور جاہلوں کو عجیب و غریب طور پر بدحواس کر رکھا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں اس کا گمان کہ لوگوں کی اکثریت صراط مستقیم کو چھوڑ کر اس کی پیروی کرے گی سچا ثابت ہوا ابلیس لعین نے ان لوگوں کے لیے جو اس کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہے ہیں طرح طرح کی بدعات کے دروازے کھول رکھے ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ اس کے جگری یار اور اندھا دھند فرمانبردار بن چکے ہیں (والعیاذ باللہ!) اور وہ قیامت کے دن ان سے براءت کا اعلان کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ

﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ
وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ
فَأَسْتَجِبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَوْلَا أَنْفُسُكُمْ مَا آتَانَا بِمُصْرِحِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ
بِمُصْرِحِي إِنْ كَفَرْتُمْ بِمَا أَشْرَكْتُمُونَ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾﴾ (ابراہیم: ۲۲)

”اور (قیامت کے دن) جب تمام فیصلے کر دیے جائیں گے (تو) شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تو اسے پورا نہ کیا، میری تمہارے اوپر کوئی حکومت نہ تھی سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (برائی کی) دعوت دی جسے تم نے قبول کر لیا، پس تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو (ہی) ملامت کرو (آج) نہ میں تمہیں بچا سکتا ہوں اور نہ تم مجھے بچا سکتے ہو، تم نے مجھے اس سے پہلے (دنیا میں) اللہ تعالیٰ کا شریک جو بنالیا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں، بے شک

ظالموں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔“
اب طہارت کی ان چند بدعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں ابلیس نے لوگوں کو
بتلا کر رکھا ہے۔

ہوا نکلنے کے بعد شرمگاہ کا دھونا

عوام الناس میں یہ عجیب اور زالی بدعت مشہور ہو گئی ہے جس کی شریعت مطہرہ
میں کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ اس عمل کے وجوب استحباب یا مباح ہونے پر نہ تو کوئی صحیح
حدیث ہے اور نہ ہی کوئی ضعیف۔

جسے سنت راس نہ آئے اسے بدعت گھیر لیتی ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر
گمراہی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔ اللہ نے ہمارے اوپر وہی عبادت لازم کی
ہے جس کی دلیل کتاب و سنت میں موجود ہے۔

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ کہ (مجبوری میں بھی) کھڑے ہو کر پیشاب
کرنا مکروہ (یعنی حرام) ہے۔

یہ عقیدہ جناب حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں آیا
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کسی مجبوری کی وجہ سے) ایک قبیلہ کے کوزا کرکٹ کے ڈھیر پر گئے تو
وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ میں آپ کے لیے وضو کا پانی لایا میں دور جانا چاہتا تھا
مگر آپ نے مجھے بلایا حتیٰ کہ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو آپ نے فارغ ہونے
کے بعد وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔^۱

اور میرے خیال میں لوگوں کو اس صحیح حدیث سے غلط فہمی ہوئی ہے جو ام المومنین

عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے:

((مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَبُولُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوهُ

۱ [صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب البول قائما وقاعدا (۲۲۳) صحیح مسلم، کتاب

الطہارة، باب المسح علی الخفين (۲۶۳) مسند احمد (۵/۳۸۲، ۳۰۱) المسند المنسوب

الی ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ؛ ص ۲۳]

مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا قَاعًا ۱

”تمہیں جو شخص یہ بتائے کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اسے سچا نہ سمجھو! آپ صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔“
یہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اجتہاد ہی ہے۔ ۱

انہیں نبی ﷺ کی سنت میں سے جو معلوم تھا اسے بیان کر دیا اور صریح تعارض کی صورت میں نفی پر مثبت مقدم ہوتا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو (جواز کی دلیل کے طور پر) لازم پکڑا جائے کیونکہ اس کی بنیاد دیکھنے پر ہے جس کا تعلق حس بصارت سے ہے اور جبکہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا تعلق علم کے ساتھ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بسا اوقات بعض چیزیں چھپی رہ جاتی ہیں اور ان کا علم نہیں ہو پاتا۔
ام المومنین کا یہ اجتہاد ان کی اس تحقیق جیسا ہے جس میں انہوں نے دنیا میں نبی ﷺ کے اپنے رب کو دیکھنے کی نفی کی ہے جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا اثبات کیا ہے۔ ۲

۱ [حسن سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی انھی عن البول قائما ۱۲]

۲ [یہ اجتہاد نہیں ہے بلکہ ام المومنین کی روایت اور گواہی ہے یاد رہے کہ ام المومنین کی حدیث اور حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہما میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے اور صرف ایک دفعہ کسی عذر کی وجہ سے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا لہذا حق یہی ہے کہ بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی مسنون ہے تاہم کسی عذر و مجبوری کی وجہ سے پردہ اور ضروری شرائط کے ساتھ کھڑے ہو کر پیشاب کر لینا بھی جائز ہے۔]

۳ [ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے (دنیاوی زندگی میں) اپنے رب کو دیکھا ہے تو یہ بہت بڑا افتراء ہے۔ (صحیح بخاری کتاب بدأ الخلق باب اذا قال احدکم آمین..... الخ (۳۲۳۳) صحیح مسلم کتاب الایمان باب فی قول اللہ عزوجل ولقد راہ نزلة اخری.... الخ (۱۷۷) جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دل (کی آنکھوں) سے (دو دفعہ) دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب فی قول اللہ عزوجل ولقد راہ نزلة اخری (۱۷۷) یعنی خواب یا عالم مثال میں روحانی طور پر دیکھا ہے۔ حدیث عائشہ میں دنیاوی روایت کی نفی ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں روحانی روایت کا اثبات ہے لہذا دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔]

اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں جن کے ذکر سے یہ بحث طول پکڑ سکتی ہے۔
اس لیے امام ترمذی نے اپنی کتاب السنن (۱۸/۱) میں کہا ہے کہ ”کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے ممانعت کا تعلق آداب و اخلاق سے ہے، حرمت سے نہیں۔“
اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت والی موضوع حدیث جو کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، میں کھڑا ہو کر پیشاب کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا عُمَرُ، لَا تَبَلُّ قَائِمًا))^۱

”اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو“ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

اس حدیث کا دارومدار عبدالکریم بن ابی الخارق پر ہے جو کہ سخت ضعیف ہے۔ نسائی اور دارقطنی نے اسے متروک کہا۔ السعدی (الجوز جانی) اور نسائی نے ایک دوسرے مقام پر کہا وہ ثقہ نہیں تھا۔ اسماء الرجال کے ماہر علماء اس کو ضعیف اور کمزور قرار دیتے ہیں۔

اور مستحب یہی ہے کہ آدمی بیٹھ کر پیشاب کرے، اس میں انسانی وقار بھی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت بھی ہوتی ہے، انسان پیشاب کے چھینٹوں سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اگر (کسی عذر و مجبوری کی وجہ سے) کھڑا ہو کر پیشاب کر لے تو جائز ہے لیکن اس پر یہ لازم ہے کہ پیشاب کے لیے نرم (پانی جذب کرنے والی) زمین تلاش کرے تاکہ اس

۱ [ضعیف جداً] سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و سننہا، باب فی البول قاعداً (۳۰۸) اس کی سند عبدالکریم بن ابی امیہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، تاہم جناب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے کہ وہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے (مسند بزار بحوالہ کشف الاستار للصبغی رحمۃ اللہ علیہ ج ۱/۳۰، ح ۲۳۳ و اسناد صحیح مسند بزار (کشف: ۱/۲۶۶ ج ۵۳۷) اور طبرانی (اوسط ۶/۳۷۰، ۳۷۱ ج ۵۹۹۵) کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کھڑے ہو کر (بغیر کسی عذر کے) پیشاب کرنا بد اخلاقی اور ظلم ہے۔ اس کی سند حسن ہے، مولف کتاب کا جرح کرنا صحیح نہیں ہے۔ ۲

پر پیشاب کے چھینٹے نہ پڑیں، اپنی شرمگاہ کی لوگوں سے حفاظت کرے اور قضائے حاجت اور بیت الخلاء جانے کے آداب کا خاص خیال رکھے۔

یہاں اس بات پر تشبیہ بھی ضروری ہے کہ لوگ ایسی لیٹرینوں میں جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے یا ساتھ ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں، کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں شرمگاہوں کی بے پردگی اور دوسرے لوگوں کی نظر پڑنے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ ایسی لیٹرینوں میں بسا اوقات پانی بھی نہیں ہوتا جس سے طہارت کرنا مشکل اور ناممکن ہو جاتا ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ نبی ﷺ سے (بحالت عذرو مجبوری) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہے، لہذا اسے (مطلقاً) مکروہ کہنا غلط ہے، ہاں اگر وہ حالتیں پائی جائیں جن کا ابھی تذکرہ ہوا ہے، مثلاً شرمگاہ کی بے پردگی اور عدم طہارت تو پھر یہ مکروہ یعنی حرام ہے اور اس سے بھی مطلقاً حرمت والا قول ساقط ہو جاتا ہے اور فتویٰ جواز پر ہی رہتا ہے۔ امام مجتہد ابن الہمذ رانیسا بوری نے کہا ہے:

”نبی ﷺ کے صحابہ مثلاً عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، ابن عمر اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے اور یہی فعل علی، انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور کبار تابعین محمد بن سیرین اور عروہ بن زبیر نے بھی کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے۔“

یہ عقیدہ کہ صرف مٹی کے ساتھ استنجاء کرنا کافی نہیں ہے

بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ عام لوگ پیشاب و دفع حاجت سے طہارت کے لیے صرف مٹی سے استنجاء کرنا کافی نہیں سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات غلط ہے اور اس کے غلط ہونے پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

انہوں نے کہا: ایک دفعہ نبی ﷺ نے قضائے حاجت کا ارادہ کیا تو مجھے حکم دیا کہ میں مٹی کے تین ڈھیلے لاؤں تو مجھے دو ڈھیلے ملے اور تیسرا نہ مل سکا، لہذا میں نے ایک لید اٹھالی اور آپ کے پاس لے آیا اور آپ ﷺ نے ڈھیلے تو لے لیے اور لید کو پھینک دیا

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((هَذَا رُكْسٌ)) ”یہ پلید ہے۔“^۱

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”نبی ﷺ قضائے حاجت کے لیے جارہے تھے اور میں آپ کے پیچھے چلا“ آپ ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے جب میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میرے لیے ڈھیلے لاؤ جن سے میں استنجاء کروں گا یا اس طرح کی کوئی بات فرمائی اور فرمایا کہ ہڈی اور لید نہ لانا چنانچہ میں اپنے کپڑے کے ایک کنارے میں تین ڈھیلے لے آیا، انہیں آپ کے پاس رکھا اور دور چلا گیا۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے ساتھ چلا۔“^۲

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ صرف ڈھیلوں کے ساتھ بھی استنجاء جائز ہے اور ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی کا استعمال فرض نہیں ہے، تاہم پانی کا استعمال ڈھیلوں سے بہتر ہے، اگر ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کریں تو بھی بہتر ہے مگر یاد رکھیں کہ صرف مٹی کے ڈھیلوں کے ساتھ صحیح طریقے پر استنجاء کرنا بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم!

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”صحابہ کرام اور بعد کے اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ صرف ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے بعد پانی استعمال نہ کرے بشرطیکہ پیشاب اور پاخانے کا اثر خوب زائل ہو جائے اور یہی قول سفیان ثوری، عبداللہ بن المبارک، شافعی، احمد ابن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔“^۳

امام ترمذی نے یہ بھی فرمایا ہے:

”اگرچہ ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کرنا جائز ہے تاہم علماء کے نزدیک پانی سے استنجاء مستحب اور افضل ہے۔“^۴

۱ [صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا یستنجی بروث (۱۵۶)]

۲ [صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارة (۱۵۵)]

۳ [جامع ترمذی، ۱/۲۳]

۴ [جامع ترمذی، ۱/۳۱]

اس سلسلہ میں وسوسہ کے مریضوں کی اور بھی کئی بدعات ہیں مثلاً:
السلت: آلہ تناسل کو اس کی جڑ سے اس کے سر کی طرف دبا کر کھینچا جائے تاکہ اس میں رکا ہوا پیشاب باہر نکل آئے۔

النترا اور النحنحة: بہت زیادہ زور لگا کر پاخانہ نکالنے کو کہتے ہیں۔
المشی: پیشاب کے بعد (کافی دیر) چلنے کو کہتے ہیں تاکہ آلہ تناسل سے پیشاب کے قطرے باہر نکل جائیں۔

القفز: زمین سے چھلانگ لگانے کا نام ہے تاکہ پیشاب کے قطرے ٹپک پڑیں۔
الحبل: رسی کو کہتے ہیں، وسوسہ کے مریض بعض اوقات رسی سے لٹک کر اپنے آپ کو زمین پر گراتے ہیں۔

التفقد: آلہ تناسل میں سے اس کا منہ کھول کر پیشاب نکالنے کا نام ہے، اگر ایسا کر کے اس میں اسی حالت میں پانی ڈالا جائے تو یہ الوجور کہلاتا ہے۔

الحشو: کائٹن وغیرہ رکھنے اور العصابة کپڑے کی پٹی باندھنے کو کہتے ہیں۔
الدرجة: آہستہ آہستہ سیڑھی پر چڑھا جائے پھر تیزی کے ساتھ نیچے اتر جائے۔
یہ تمام باتیں وسوسہ اور وہم کے مریضوں کی بدعات ہیں جن کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

میں نے کئی دیوبندی تبلیغی جماعت والوں اور دوسرے لوگوں کو کھلے راستوں پر لوگوں کے سامنے پیشاب کرنے کے بعد عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ اپنے خیال میں پیشاب کے قطرے باہر نکالنا چاہتے ہیں اور یہ تمام حرکتیں وسوسہ کے مریضوں کی خاص علامات ہیں۔ البتہ "السلت" کے بارہ میں ایک منکر حدیث مروی ہے جسے عیسیٰ بن یزید نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
(إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَنْتَرُ ذَكَرَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) ۱

۱ [ضعیف، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و سننہا، باب الاستبراء بعد البول (۳۲۶) اس کا راوی زعمہ ضعیف ہے اور عیسیٰ بن یزید مجہول الحال راوی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام ابو حاتم الرازی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے]

”جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرے تو اپنے ذکر کو تین دفعہ جھاڑے۔“

یہ ضعیف روایت نبی ﷺ کی سنت کے مخالف ہے۔

امام ابن القیم ”زاد المعاد“ میں کہتے ہیں:

”وہم اور وسوسہ والے حضرات ذکر کا جھاڑنا بہت زیادہ زور لگا کر پاخانہ کرنا، چھلانگ لگانا، رسی کو پکڑنا، سیڑھیاں چڑھنا، ذکر میں روئی رکھنا اور اندر پانی پہنچانا، وقتاً فوقتاً اسے اچھی طرح دیکھنا کہ کہیں کوئی پیشاب کا قطرہ نہ ہو اور اس قسم کی دیگر جتنی بدعات پر گامزن ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت نبی ﷺ سے نہیں ملتا ہے۔“^۱

حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین سے وسوسہ والے ان حضرات کے سراسر خلاف ثابت ہے۔ مثلاً ابراہیم الخلیفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”جس انسان نے (استنجاء کے بعد) اپنے آلہ تناسل کے ارد گرد تری تلاش

کرنے کی کوشش کی تو وہ ایسی چیز دیکھ لے گا جو اسے بری محسوس ہوگی۔“^۲

یہ ابلیس ہے جو اپنے دوستوں کو ایسی چالیں سکھاتا ہے جو انہیں دین قیم، صراط مستقیم اور سنت نبوی سے دور کر کے فتنے میں مبتلا کر دیتی ہیں، ابلیس وہ اپنے دوست کے آلہ تناسل کو چھوتا ہے یا اسے بھگونے کی کوشش کرتا ہے جس سے ابلیس کا دوست یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے۔

ایک آدمی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے شکایت کی کہ میں جب نماز میں ہوتا ہوں تو مجھے یہ خیال آتا ہے کہ میرے ذکر پر پیشاب کی تری ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ شیطان کو غارت کرے کہ وہ نماز میں انسان کے ذکر کو اس لیے

چھوتا ہے تاکہ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ اس کا وضو ٹوٹ چکا ہے پس اگر تو وضو

۱ [زاد المعاد: ۱/ ۱۷۳]

۲ [مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۷۸۔ وفی نسخة: ص ۱۹۶ ح ۲۰۵۱۔ اس کی سند صحیح ہے]

کرے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لیا کر پھر اگر تجھے تری کا خیال آئے تو یہ سمجھ لینا کہ یہ چھڑکا ہوا پانی ہے۔^۱

اس آدمی نے اس پر عمل کیا تو وسوسہ کی بیماری ختم ہو گئی۔

اسی طرح کی بات منصور بن المعتمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے کہ شیطان ذکر کو بھگونے کی کوشش کرتا ہے۔^۲

اس کا علاج اور دوا اسی میں ہے کہ وضو کے بعد شرمگاہ پر یعنی ازار کے اندر اور باہر پانی چھڑک لے پھر اگر اسے تری کا اثر محسوس ہو تو یہ سمجھے کہ یہ میرے چھڑکے ہوئے پانی سے ہے۔

اسی طرح سلف صالحین کا عمل تھا اور اسی طریقے سے وہ اپنے آپ کو ان بدعات اور وسوسوں سے بچاتے تھے۔ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکتے تھے۔^۳

محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب وضو سے فارغ ہوتے تو ہتھیلی میں پانی لے کر اپنے ازار پر ڈال دیتے۔^۴

داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن کعب القرظی سے پوچھا کہ میں وضو کرتا ہوں اور وضو کے بعد تری محسوس کرتا ہوں؟ تو انہوں نے کہا:

”جب تو وضو کرے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لیا کر پھر اگر تجھے ایسا محسوس ہو تو یہ سمجھ کہ یہ میرے چھڑکے ہوئے پانی میں سے ہے کیونکہ شیطان تجھے (سکون سے نماز پڑھنے کے لیے) نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ وہ تجھے تکلیف میں مبتلا کر دے اور مسجد سے نکال دے۔“^۵

[مصنف عبدالرزاق: ۱/۱۵۱ ح ۵۸۳]

[صحیح مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۹۲ ح ۲۰۵۲ اس کی سند صحیح ہے]

[صحیح مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۶۷ ح ۱۷۷۵ اس کی سند صحیح ہے]

[صحیح مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۶۸ ح ۱۷۸۰ اس کی سند صحیح ہے]

[صحیح مصنف عبدالرزاق: ۱/۱۵۲ ح ۵۸۵ اس کی سند صحیح ہے]

اللہ کے بندو! اللہ کے لیے ان بدعات سے بچ جاؤ! ابلیس لعین لوگوں کو نام نہاد
”احتیاط“ کے بہانے سے ان بدعات میں مبتلا کرتا ہے اور اگر شیطان کا دل و دماغ پر
قبضہ ہو جائے تو انہیں خراب کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ والعیاذ باللہ!



طہارت اور حیض

طہارت اور حیض کی بدعات اور ان کا سنت نبوی ﷺ سے رد یہ عقیدہ رکھنا کہ وضو ٹوٹنے کے بعد بغیر کسی وجہ کے دوبارہ وضو کرنا فرض ہے جاہل عوام اور غیر شرعی عبادت کرنے والوں کا یہ انتہائی برا عقیدہ ہے وہ اپنے اس عقیدہ اور عمل پر ایک موضوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

((مَنْ أَحَدَّثَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ فَقَدْ جَفَّانِي، وَمَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ وَلَمْ يُصَلِّ فَقَدْ جَفَّانِي))

”جس نے وضو ٹوٹنے کے (فورا) بعد دوبارہ وضو نہ کیا اس نے میرے ساتھ ظلم کیا اور جس نے وضو کے بعد (کوئی) نماز نہ پڑھی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔“

اس حدیث کو محدث الصاغانی نے کتاب ”الموضوعات (۵۳)“ میں ذکر کیا ہے اور شیخ العجلونی اپنی کتاب ”كشف الخفاء (۳۱۰/۲)“ میں اسے موضوع قرار دینے میں امام الصاغانی کے موافق ہیں۔

نبی ﷺ سے وضو ٹوٹنے کے بعد دوبارہ وضو کا وجوب قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ آپ جماع کے بعد وضو کر کے حالت جنابت میں ہی سو جاتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ جنابت کبریٰ (بعد از جماع) جنابت صغریٰ (احتمام) سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔

آپ اس حالت میں (جماع کے بعد) وضو کر کے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے اس سے بھی اس موضوع حدیث کے متن کا صحیح حدیث کے مخالف اور منکر ہونا واضح ہوتا ہے

اور اس سے زیادہ شدید وہ بدعات ہیں جن کا ارتکاب بعض قابل نفرت عورتیں حالت حیض و نفاس میں کرتی ہیں ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بعض عورتوں کا حالت حیض و نفاس میں نماز روزہ کی پابندی کرنا

ان عورتوں کا یہ عمل دین حنیف کے سراسر خلاف ہے بلکہ ایسا کرنے والی عورتیں بہت بڑے حرام اور ناجائز عمل کی مرتکب ہیں۔ معاذۃ اللہ وہ فرماتی ہیں:

”ایک عورت نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا ہمیں حیض کے دنوں کی نہ

پڑھی ہوئی نمازیں حیض کے بعد بطریقہ قضاء پڑھنا پڑیں گی؟

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً انکار کرتے ہوئے فرمایا: کیا تیرا تعلق خارجی گمراہ فرقہ سے ہے؟ ہمیں نبی ﷺ کے زمانے میں حالت حیض والی نمازوں کی قضا کا کوئی حکم نہیں دیا جاتا تھا۔“^۱

اس حدیث کا تعلق نماز کی قضاء سے ہے۔ آپ خود سوچیں کہ ایام حیض و نفاس میں ان عبادات (نماز روزہ) کا قائم کرنا کیسا برا فعل ہے؟

ابن المنذر النیشابوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”بغیر کسی اختلاف کے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حیض کے دنوں میں حائضہ پر فرض نماز ساقط ہو جاتی ہے۔“^۲

امام نووی رضی اللہ عنہ نے کہا:

”مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حیض اور نفاس والی عورتوں پر نہ نماز فرض

ہے اور نہ روزہ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ان پر نماز کی قضاء بھی واجب نہیں

ہے۔“^۳

۱ [بچے کی پیدائش کے بعد اگلی ماں کو جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں۔]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الحيض، باب لانقضی الحائض الصلوٰۃ (۲۳۱) صحیح مسلم،

کتاب الحيض، باب وجوب قضاء ایضا علی الحائض دون الصلوٰۃ (۳۳۵)]

۳ [الاوسط: ۲/۲۰۲]

۴ [شرح صحیح مسلم: ۱/۶۳۷]

اس کی تائید ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أَرَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ))
 ”اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ (بہت زیادہ کیا) کرو کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں عورتوں کی اکثریت ہے۔“

عورتیں کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیوں ہے؟ فرمایا:
 ((تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينٍ أَذْهَبُ لِلْبَّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ أَحَدَاكُنَّ))
 ”تم لَعْن طعن زیادہ کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی ناشکری بھی کرتی ہو تمہارے سوا میں نے کوئی نہیں دیکھا جو ناقص عقل اور ناقص دین ہونے کے باوجود ہوشیار اور مضبوط ارادے والے مرد کی عقل زائل کر دے۔“

عورتوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری عقل اور دین کے ناقص ہونے سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: کیا (اللہ کے دین میں) مرد کی گواہی کے مقابلے میں عورت کی گواہی آدھی نہیں ہے (یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر نہیں)؟ عورتوں نے (بالاتفاق) کہا جی ہاں! (رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا یہ دلیل ہے اس کی عقل کا (عام طور پر مرد کے مقابلے میں) ناقص ہونا (بعض استثنائی صورتیں اس عموم سے خارج و مستثنیٰ ہیں)۔ پھر فرمایا:

((الْأَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟))

”کیا یہ بات نہیں ہے کہ اسے جب حیض آتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے؟“

کہنے لگیں جی ہاں! تو آپ نے فرمایا:

((فَذَلِكَ مِنْ نَقْصَانِ دِينِهَا))^۱

یہ اس کے دین کے نقصان کی (بمقابلہ مرد)۔“

جس عورت نے حالت حیض و نفاس میں نماز اور روزہ کی ممانعت کے ان احکام کی مخالفت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں بدعت ایجاد کی اور اپنی خواہش نفسانی کو حاکم بنایا۔

حیض و نفاس کی اس حالت میں نماز کا ترک اور حالت طہر میں اس کی قضاء نہ دینا اور روزے کا ترک اور حالت طہر میں اس کی قضاء دینا عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رخصتوں میں سے ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس نماز کی قضاء تو نہیں کر سکتیں مگر روزہ رکھ سکتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتِيَ رُخْصَتَهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتِيَ مَعْصِيَتَهُ))^۲

”بے شک اللہ تعالیٰ یہ (اسی طرح) پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح کہ وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَمَنْ رَغِبَ عَنِ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))^۳

”پس جس نے (جان بوجھ کر) میری سنت سے (مخالفت کرتے ہوئے)

۱ [صحیح بخاری، کتاب الحائض، باب ترك الحائض الصوم (۳۰۳) صحیح مسلم،

کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات (۷۹)]

۲ [صحیح، مسند احمد (۲/۱۰۸) صحیح ابن خزیمہ (۹۵۰) صحیح ابن حبان، موارد

(۵۳۵) وسندہ حسن وله شواهد کثیره]

۳ [صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح (۵۰۱۳) صحیح مسلم،

کتاب النکاح، باب (۱۳۰۱)]

منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں ہے۔“

اور فرمایا:

((مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ فِي الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ؟ فَوَاللَّهِ إِنِّي
أَعْلَمُهُمْ بِاللَّهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشِيَةً))^۱

”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ان کاموں سے پرہیز کرتے ہیں جو میں کرتا ہوں؟ اللہ کی قسم میں ان سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جانتا ہوں اور ان کی نسبت اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا ہوں۔“

اب آپ غور کریں اللہ آپ پر رحم کرے، ام المومنین نے نماز کی قضاء کے بارے میں سوال کرنے والی عورت کو کس طرح جواب دیا تھا کہ

”کیا تو حرو یہ فرقہ سے تعلق رکھتی ہے؟“ یعنی کیا تو خارجیوں میں سے ہے؟ اور یہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا اس عورت پر شدید انکار تھا، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا سوال بہت زیادہ غلط تھا۔ گویا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ یہ عورت اس ناجائز بات کی اجازت چاہتی ہے، اس لیے کہ قرآن میں بغیر کسی تخصیص و استثناء کے نماز کے قائم کرنے کا عمومی حکم موجود ہے، جس میں خارجیوں اور منکرین سنت کے نزدیک حائضہ اور نفاس والی بھی داخل ہے، لہذا اس طریقے سے قرآن پر عمل کا دعویٰ کرتے ہوئے سنت رسول کو چھوڑ دینا دین اسلام سے خارج خارجیوں کا ہی شیوہ ہے۔ اس بنا پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت پر انکار کیا اور پھر اسے سنت صحیحہ سے مسئلہ سمجھا دیا۔

بعض عورتوں کی جہالتیں اور خرافات

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حائضہ کو دودھ پلانے والی کے پاس جانے، اناج وغیرہ کی کاشت والے کھیتوں اور جس کی آنکھوں میں تکلیف ہو اس کے پاس

۱ [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم (۷۳۰۱) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب علمہ رضی اللہ عنہ باللہ تعالیٰ وشدۃ خشیتہ (۲۳۵۶)]

جانے سے منع کرتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ اس طرح سے ان لوگوں اور کھیتوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا اور فساد ہوگا۔

اس طرز عمل کے قریب قریب وہ طرز عمل ہے جو یہودیوں نے اپنی حائضہ عورتوں کے ساتھ روا رکھا تھا، وہ ان سے جماع نہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے قریب نہ جاتے، ان کے ساتھ سکونت نہ کرتے اور نہ ہی انہیں اپنے پاس کھانا کھانے کی اجازت دیتے تھے۔ دین فطرت اور آسان دین اسلام نے یہود کے اس طرز عمل پر سخت انکار کیا اور اس جاہلانہ تشدد اور بال کی کھال نکالنے کو باطل قرار دیا۔

اسلام نے حالت حیض میں عورتوں سے وطی اور جماع کو حرام قرار دیا تاکہ انسان گندگی اور نقصان سے بچ جائے اور جماع کے علاوہ باقی تمام افعال کو بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اگر (یہودیوں کی) کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو یہودی اسے اپنے ساتھ نہ کھانا کھانے دیتے اور نہ اپنے گھروں میں اکٹھا بیٹھنے دیتے تھے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ إِلَىٰ آخِرِ الْآيَةِ ۗ﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ﴾

”جماع کے علاوہ تمام (جائز) کام کر سکتے ہو۔“

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”ہم (امہات المؤمنین) میں سے اگر کوئی حائضہ ہو جاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مباشرت کرنا چاہتے تو حکم دیتے کہ حیض کے شروع میں (مضبوط) ازار

ل [البقرہ آیت نمبر ۲۲۲]

ح [صحیح مسلم کتاب: الحيض باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (۳۰۲)]

باندھ لو پھر آپ (جماع کے بغیر صرف) مباشرت فرماتے تھے۔^۱
 بلکہ نبی ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ عورتوں کو عیدین کی نماز کے لیے عید گاہ
 کی طرف نکلنے کا حکم دیتے تھے اور حائضہ عورتوں کو نماز کی جگہ سے دور رہنے، خطبہ سننے،
 تکبیر کہنے اور دعائے خیر میں شامل ہونے کا حکم دیتے تھے۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
 ”ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اپنے ساتھ نوجوان پردہ نشین اور
 حائضہ عورتوں کو بھی عیدین کے دن عید گاہ میں لے جائیں لیکن حائضہ عورتیں
 نماز سے دور رہیں گی اور دعائے خیر و تکبیرات اور خطبہ سننے میں ضرور شامل
 ہوں گی۔“^۲

اگر ان خرافات اور جہالتوں میں سے (نعوذ باللہ) کوئی چیز بھی صحیح ہوتی تو
 نبی ﷺ اس کے بیان سے کبھی خاموش نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک آپ کی
 روح قبض نہ کی جب تک آپ نے لوگوں تک مکمل رسالت پہنچا نہ دی اور آپ نے وحی
 کی امانت کا پورا پورا حق ادا کیا، اپنی امت کو روشن اور سیدھے راستے پر چھوڑ کر گئے، اس
 راستے (اسلام) کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے اور اس سے وہی منہ موڑتا ہے جو
 اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہے۔

یاد رہے کہ سابق احادیث سے ثابت شدہ مسئلہ ”حائضہ کے ساتھ کھانا پینا، ٹھنڈا
 بیٹھنا وغیرہ جائز ہے“ سے بھی ان خرافات اور جہالتوں کا باطل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔
 (والحمد للہ!)

بلکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ بغیر جماع کرنے

۱ [صحیح البخاری، کتاب الحيض، باب مباشرة الحائض (۳۰۲) صحیح مسلم، کتاب
 الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الازار (۲۹۳)]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الحيض، باب: شهود الحائض العیدین (۳۲۳) صحیح مسلم،
 صلاة العیدین، باب ذکر اباحة خروج النساء فی العیدین الی المصلی (۸۹۰)]

کے بھی لیٹ جاتے تھے۔ آپ کی پیاری بیوی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا حالت حیض میں ہونے کے باوجود آپ کی کنگھی کرتی تھیں اور اس حالت میں بھی آپ ان کا جوٹھا وہیں سے پیتے جہاں وہ اپنا منہ رکھتیں اور ان کا بچا ہوا کھانا کھا لیتے تھے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

”ایک دفعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک (رنگدار لحاف نما) چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے حیض کا احساس ہوا تو میں وہاں سے اٹھی اور حیض کے (ضروری) کپڑے لے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

((انفست؟))

”کیا تجھے حیض آنا شروع ہو گیا ہے؟“

میں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا میں آپ کے ساتھ (اس لحاف نما) چادر میں دوبارہ لیٹ گئی۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”میں حالت حیض میں ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی کنگھی کرتی تھی۔“

نیز (یہ بھی) فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھتے تھے حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری روایت میں ہے:

۱ [صحیح بخاری، کتاب الحيض، باب من ستمى النفاس حیضاً (۲۹۸) صحیح مسلم،

کتاب الحيض باب الاضطجاع مع الحائض فی لحاف واحد (۲۹۲)]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الحيض، باب غسل الحائض رأس زوجها وترجله

(۲۹۵) مؤطا امام مالك (۱/۶۰)]

۳ [صحیح بخاری، کتاب الحيض، باب قراءة الرجل فی حجر امراته وهي حائض

(۲۹۷) صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (۳۰۱)]

”میں حالت حیض میں پانی پیتی پھر اسے (یعنی پانی کا برتن) نبی ﷺ کو دے دیتی اور میں نے جہاں اپنا منہ رکھا ہوتا تو آپ بھی وہاں اپنا منہ رکھ کر پانی پیتے اور میں اسی حالت میں اپنے دانتوں سے گوشت (کا ٹکڑا) کاٹ کر کھاتی پھر باقی ماندہ گوشت آپ کو دے دیتی تو آپ ﷺ اپنا منہ مبارک بھی وہیں رکھتے جہاں میں نے منہ رکھا ہوتا۔“

لوگو! نبی ﷺ کا یہ طرز عمل سب سے عظیم طرز عمل ہے اور جو شخص اس طریقے کا مخالف ہے تو وہ راندہ درگاہ یہود کا پیروکار ہے اور اس حق کے مخالف کا طرز عمل انتہائی برا اور شرانگیز ہے۔

تم اچھے طریقے سے نبی ﷺ کی سنت کی طرف کیوں نہیں لوٹ جاتے اور ان خرافات، جہالات اور بدعات کو دور کیوں نہیں پھینک دیتے؟

مستحاضہ کا نماز کو کلیتاً ترک کر دینا

اس کا سبب جہالت، ناجائز سستی یا فرض کا انکار ہے، نماز دین کا ستون اور اسلام کا دوسرا بنیادی رکن ہے، اس کا ترک کرنا حیض اور نفاس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ جس نے بھی بغیر کسی شرعی عذر کے نماز کو ترک کیا تو اس نے یقیناً کفر کیا، جیسا کہ سنت سے ثابت ہے۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ ”بے شک انسان اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کا ترک کر دینا ہے۔“

یہی قول علیہ السلام کی ایک بڑی جماعت کا ہے جس میں عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد ابن حنبل وغیرہما بھی شامل ہیں۔ سنت یعنی احادیث میں آیا ہے کہ مستحاضہ کا خون

۱ [صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (۳۰۰)]

۲ [مستحاضہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو حیض کا خون ایام حیض کے بعد بھی جاری رہے]

۳ [صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلوة (۸۲)]

۴ [دیکھئے امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب ”تعظیم قدر الصلوة“ ۳/۹۲۵]

دراصل بیماری کی وجہ سے ایک رگ کا خون ہوتا ہے نہ کہ حیض کا لہذا اس حالت میں نہ نماز ترک کی جائے گی نہ روزہ اور نہ دیگر عبادات اور نہ ہی اس خون کی وجہ سے خاوند کا اپنی بیوی سے جماع ممنوع ہوگا۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

فاطمہ بنت ابی حیثم رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں مستحاضہ عورت ہوں، میرا خون بہنا بند نہیں ہوتا اور کیا میں اس حالت میں نماز چھوڑ دوں؟ تو آپ نے فرمایا:

((لَا اِنَّمَا ذَلِكَ دَمٌ عَرِقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ، فَاِذَا اَقْبَلْتِ الْحَيْضُ

فَدَعِي الصَّلَاةَ وَاِذَا اَذْبَرْتِ فَاغْسِلِي عَنكَ الدَّمَ وَصَلِّي))^۱

”نہیں یہ رگ کا (جاری) خون ہے حیض نہیں ہے اور جب تمہارے حیض کے

(معلوم) دن آجائیں (جن دنوں میں پہلے حیض آتا تھا) تو نماز چھوڑ دو اور

جب حیض والے دن گزر جائیں تو خون دھو کر (نہا کر) نماز پڑھو۔“

نبی ﷺ نے اسے استحاضہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا بلکہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ حیض کے دنوں کا اندازہ لگا کر صرف ان دنوں میں ہی نماز چھوڑے چنانچہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عورت (مستحاضہ) اس بیماری کے ایام میں پاک رہتی ہے، جس طرح عام عورتیں حیض کے علاوہ دنوں میں تمام عبادات قائم رکھتی ہیں اسے بھی یہ عبادات قائم رکھنے کا حکم ہے۔

بلکہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا خاوند اس سے جماع کر سکتا ہے اور

یہی قول سلف صالحین کے ایک گروہ کا ہے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول محدث عبدالرزاق نے اپنی کتاب ”المصنف (۱۱۸۹)“

میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔^۲

۱ [صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الدم (۲۲۸) صحیح مسلم، کتاب

الحیض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها (۳۳۳)]

۲ [اسکا راوی اعلیٰ بن عبداللہ جمہور کے نزدیک ثقہ اور صدوق ہے۔ لہذا حسن الحدیث ہے۔ زبیر علی زئی]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا خاوند اپنی مستحاضہ بیوی سے جماع کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الام (۵۰/۱)“ میں اسے جائز قرار دیا ہے۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”ہمارے نزدیک فیصلہ اسی پر ہے کہ اگر مستحاضہ نماز پڑھ سکتی ہے تو اس کا خاوند اس سے جماع بھی کر سکتا ہے“

فقہ مالکی کی (غیر مستند) کتاب ”المدونۃ الکبریٰ (۱۵۱/۱)“ میں مستحاضہ کے بارے میں امام مالک کا یہ قول مذکور ہے کہ ”وہ نمازیں پڑھنا روزے رکھنا جاری رکھے گی اس کا خاوند بغیر کسی روک ٹوک کے اس سے جماع کرے گا مگر یہ کہ خون اتنی کثرت سے نہ ہے کہ جس کی بنا پر یہ یقین ہو جائے کہ یہ حیض کا خون ہے استحاضہ کا نہیں۔“

یہی مذہب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا (ایک راوی) المیمونی کی روایت میں ہے۔
اس طرح کی ایک اور بدعت بھی ہے جس میں وہ عورت جس کا بچہ حمل کے بعد اسی (۸۰) دنوں سے پہلے گر جائے وہ نماز اور ضروری عبادات ترک کر دیتی ہے اس کا یہ گمان ہوتا ہے کہ اسے آنے والا خون نفاس کا خون ہے حالانکہ حقیقت میں یہ رگ والا خون ہوتا ہے نفاس والا نہیں اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ عَلَقَةٌ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ))

۱ [الموطا: ۱/ ۶۳]

۲ [ریکھے ”الروایتین والوجهین“ لابی یعلیٰ (۱/ ۱۰۳) اور ”الکافی“ لابن قدامة المقدسی (۱/ ۸۳)]

۳ [صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة صلوات اللہ علیہم (۳۲۰۸) صحیح مسلم، کتاب القدر، باب کیفیة خلق آدمی الخ (۲۶۴۳)]

”تم میں سے ہر آدمی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن (بطور نطفہ) رہتا ہے پھر اتنے دن ہی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اتنے ہی دنوں تک گوشت (پوست) بن جاتا ہے۔“

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر اسی (۸۰) دن سے پہلے اسے اسقاط حمل ہو جائے تو چونکہ ان دنوں میں آدمی کی خلقت واضح نہیں ہوتی لہذا یہ رگ کا (بہتا ہوا) خون ہے نفاس والا خون نہیں پس اس کا حکم استحاضہ کا حکم ہے۔ شیخ ابن عثیمین نے یہی بات کہی ہے:

”نفاس کا خون صرف اس حالت میں ثابت ہوگا جب اسقاط شدہ بچے میں انسانی خلقت واضح ہو چکی ہو اگر اس کا ایسا بچہ بطور اسقاط پیدا ہوا جس میں انسانی خلقت واضح نہیں ہے تو یہ دم نفاس نہیں ہے بلکہ رگ کا خون ہے۔ پس اس کا حکم مستحاضہ کا حکم ہوگا اور وہ مدت جس میں انسانی خلقت واضح ہو جاتی ہے اس کی کم از کم مقدار ابتدائے حمل کے بعد اسی (۸۰) دن اور زیادہ سے زیادہ نوے (۹۰) دن ہے۔“

اسی سلسلہ کی ایک اور بدعت بھی ہے۔

نفاس والی عورت اگر چالیس دنوں سے

پہلے پاک ہو جائے تو اس کا نماز نہ پڑھنا

یہ صحیح ہے کہ بعض احادیث میں نفاس کا وقت چالیس دن مقرر کیا گیا ہے مگر ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح یا حسن نہیں ہے۔^۱

نفاس کا وقت عورتوں کے تجربہ اور عرف عام کی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے۔ عورتوں

۱ [فقہ الدعاء الطبیعیۃ لابن عثیمین ۳۷۰]

۲ [چالیس دن اور رات انتظار والی روایت لمحاظ سند حسن ہے اسے نووی نے حسن حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے دیکھئے سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی وقت النفساء

[۳۱۱] لونیل المقصود (۱/۱۱۰، ۱۱۱)

کے عرف عام میں یہ بھی ہوتا ہے کہ چالیس دنوں سے پہلے نفاس کا خون بند ہو جائے جس سے عورت پاک ہو جاتی ہے۔ پس جو عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس پر یہ ضروری ہے کہ فرض عبادات انجام دے اور اس کے لیے وہ سب کچھ جائز ہے جو پاک عورت کے لیے جائز ہوتا ہے، بلکہ اس بارے میں علماء کے دو متضاد اقوال میں اور صحیح ترین قول یہی ہے کہ ایسی عورت کے خاوند کے لیے ان دنوں میں اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے۔ اور دوسرا قول جس میں چالیس دنوں سے پہلے جماع سے منع کیا گیا ہے تو اس میں صرف احتیاط کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور جبکہ اس مسئلہ میں دلیل کے بغیر احتیاط جائز نہیں، کیونکہ خاوند کے لیے اصل یہ ہے کہ اپنی بیوی سے جماع جائز ہے، اس جائز کام کو حیض اور نفاس کے علاوہ جو شخص منع کرتا ہے تو اس پر یہ لازم ہے کہ دلیل پیش کرے۔ واللہ اعلم!



وضو اور اس کے اذکار کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

وضو کے سلسلے میں عوام الناس کی بدعات سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ کا رحم ہوا ہے اور وہ ان بدعات سے بچے ہوئے ہیں۔

زبان کے ساتھ وضو کی نیت

بدعتی کہتا ہے ”میں فلاں نماز کے لیے وضو کی نیت کرتا ہوں۔“ یہ ایسی منکر بدعت ہے جس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں اور نہ یہ عقل مند لوگوں کا کام ہے بلکہ اس فعل کا مرتکب صرف دوسرے پرست بیمار ذہن اور پاگل شخص ہی ہوتا ہے۔

میں اللہ کی قسم دیتے ہوئے آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ جب کھانے کا ارادہ کرتے ہیں تو کیا زبان سے نیت کرتے ہیں کہ میں فلاں فلاں قسم کے صبح کے کھانے کی نیت کرتا ہوں!؟

یا جب آپ قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہیں تو کیا یہ کہتے ہیں کہ میں پیشاب یا پاخانہ کرنے کی نیت کرتا ہوں؟

یا جب آپ اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کرتے ہیں تو کیا یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی بیوی فلاں بنت فلاں سے نکاح کے بعد جائز شرعی جماع کی نیت کرتا ہوں؟

ایسا کرنے والا شخص یقیناً پاگل اور مجنون ہی ہو سکتا ہے۔

تمام عقل مند انسانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نیت کا مقام دل ہے زبان نہیں کسی چیز کے بارے میں آپ کے ارادہ کو نیت کہتے ہیں جس کے لیے آپ کو زبان کے ساتھ نیت کے تکلف کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ایسے الفاظ کہنے کی ضرورت ہے جو آپ کے ہونے والے عمل کو واضح کریں۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((انَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ))^۱
 ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو (مثلاً ثواب و عذاب) اس کی نیت کے مطابق ہی ملے گا۔“

یعنی اعمال وہی معتبر ہیں جن کی دل میں نیت اور عمل کے ساتھ تصدیق کی جائے۔ حدیث بالا کے باقی الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ زبان کے ساتھ (رٹے رٹائے) الفاظ کہنے کو نیت نہیں کہتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى الدُّنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةً يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ))^۲

”پس جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے ہوگی (نہ کہ اللہ و رسول کے لیے)۔“

کسی شخص نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ جو شخص نکاح یا حصول دنیا مثلاً خرید و فروخت یا تجارت کے لیے اپنا گھر بار چھوڑے تو اس پر زبان سے نیت کرنا لازم ہے بلکہ ایسے شخص کی نیت اس کے طرز عمل سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہ شخص ان چیزوں میں زبان سے نیت کرنا شروع کر دے تو عقل مند لوگ اسے پاگل اور مجنون ہی قرار دیں گے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عبادات میں اصل حرمت ہے یعنی کوئی عبادت بغیر شرعی دلیل

۱ [صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیة والحسبة (۵۴) صحیح

مسلم، کتاب الامارة، باب: قوله ﷺ انما الاعمال بالنیات (۱۹۰۷)]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیة والحسبة (۵۴)]

کے جائز نہیں بلکہ حرام ہے اللہ آپ کو اور مجھے اتباع سنت پر قائم رکھے۔ عبادات میں یہ حرمت بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے جواز نہیں بن جاتی۔ زبان سے نیت کرنے والا شخص اگر اسے عبادت نہیں سمجھتا تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے عبادت سے منسلک کر دے اور اگر وہ یہ رٹائے الفاظ بطور عبادت کہتا ہے تو اس پر یہ لازم ہے کہ اس فعل کے جواز پر شرعی دلیل پیش کرے اور حالانکہ اس کے پاس اس فعل پر سرے سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے شروع میں ”میں نیت کرتا ہوں رفع حدث کے لیے یا نماز پڑھنے کے لیے“ وغیرہ الفاظ قطعاً نہیں کہتے تھے اور نہ آپ کے صحابہ کرام سے یہ بات ثابت ہے اور اس سلسلہ میں ایک حرف بھی آپ سے مروی نہیں نہ صحیح سند سے اور نہ ضعیف سند سے۔“ (زاد المعاد: ۱/ ۱۹۶)

اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کے اقوال تفصیل سے ذکر کیے ہیں، علم کے ساتھ نیت انتہائی آسان ہے، یہ وسوسوں، خود ساختہ بندشوں اور نام نہاد زنجیروں کی محتاج نہیں ہے اور اسی لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ آدمی کو وسوسہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ فاتر العقل یا شریعت کے بارے میں جاہل ہوتا ہے۔

لوگوں نے اس بات کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا زبان سے نیت کرنا

مستحب ہے؟

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے ساتھیوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مستحب ہے کیونکہ اس طرح بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

امام مالک اور امام احمد کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ ایسا کرنا مستحب نہیں بلکہ نیت کے لیے زبان سے الفاظ ادا کرنا بدعت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

[اس سے مراد جناب مقلد ہونا نہیں ہے بلکہ یہ طریقہ استدلال اور شاگردی کی نسبتیں ہیں اور کئی شافعی

کہلانے والے علماء نے اس کی وضاحت کی ہے کہ ”لنا مقلدین للشافعی“]

آپ کے صحابہ کرام اور تابعین سے نماز وضو یا روزوں میں یہ چیز قطعاً ثابت نہیں ہے۔ علماء یہ کہتے ہیں کہ کسی فعل کے بارے میں علم کے ساتھ ہی نیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہذا زبان کے ساتھ رٹے رٹائے الفاظ پڑھنا ہوس پرستی، فضول اور ہڈیان ہے۔

نیت انسان کے دل میں ہوتی ہے اور زبان کے ساتھ نیت کرنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نیت کا تعلق دل سے نہیں اسی لیے وہ اپنی زبان سے نیت حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حاصل شدہ چیز کے حصول کی ہوس تحصیل حاصل کے زمرہ میں آتی ہے۔ اس مذکورہ غلط عقیدہ کی وجہ سے بہت سے لوگ ان وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ امام ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”جامع العلوم (ص ۴۰)“ میں فرماتے ہیں کہ ”ان مسائل میں کوئی خاص حوالہ ہم نہ سلف صالحین سے پاتے ہیں اور نہ کسی اور امام سے۔“

ان سطور کے تحریر کرنے کے بعد مجھے گمراہ بدعتوں کے ایک سردار اور سقاف اردن کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ خبیث شخص ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے نیت کے تلفظ پر استدلال کرتا ہے جس میں آیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کھانے کے بارے میں پوچھا اور انہوں نے کہا کہ کھانا موجود نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا میں روزہ رکھتا ہوں۔^۱

سقاف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام حج میں اس قول سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

((لَبَيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجٍّ))^۲

”اے اللہ! میں حج اور عمرہ کے ساتھ لہیک کہہ رہا ہوں۔“

۱ [مجموع الفتاویٰ: ۱۸ / ۲۶۳، ۲۶۴]

۲ [صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز صوم النافلة بنية من النهار قبل الزوال (۱۱۵۴)]

۳ [صحیح مسلم، کتاب الحج، باب احلال النبي صلی اللہ علیہ وسلم وهدیه (۱۲۵۱)]

اور حالانکہ اس کا یہ استدلال مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔
 اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نیت کے تلفظ پر استدلال غلط ہے
 کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حال اور کیفیت کی خبر دی ہے نہ کہ نیت کی، اگر
 آپ لفظی نیت کرتے تو اس طرح کہتے کہ ”میں روزے کی نیت کرتا ہوں“ یا اس کے
 مشابہ کوئی بات فرماتے۔ تلبیہ کے وقت آپ کا ((لبیک بعمرہ و حج)) کہنا بھی لفظی
 نیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، ورنہ آپ یوں کہتے کہ ”میں عمرہ اور حج کا ارادہ کرتا ہوں“ یا
 ”میں حج اور عمرہ کی نیت کرتا ہوں۔“ ان الفاظ کا تعلق اس سنت نبوی سے ہے جو تلبیہ
 (لبیک کہنے) سے ہے نہ کہ لفظی نیت سے۔ حج اور عمرہ میں لفظی نیت کے بری اور مذموم
 بدعت ہونے پر دلیل حافظ ابن رجب کا وہ قول بھی ہے جو انہوں نے ”جامع
 العلوم (ص ۲۰)“ پر لکھا ہے:

”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو احرام
 کے وقت یہ کہتے سنا کہ میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں تو انہوں نے
 (ناراض ہو کر) اسے کہا کہ کیا تو لوگوں کو (اپنی نیت و ارادہ کے بارے میں)
 بتانا چاہتا ہے (کہ تو نیکی کا بڑا کام کر رہا ہے)؟ کیا اللہ تعالیٰ تیرے دل کے
 بھیدوں سے (بھی) واقف نہیں ہے؟“

تو ابن عمری یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ زبان کے ساتھ نیت کرنا مطلقاً
 مستحب نہیں ہے بلکہ یہ اصلاً جائز بھی نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

دوران وضو لمبی دعائیں پڑھنا

بعض لوگ ہر عضو کے دھونے پر لمبی لمبی دعائیں پڑھتے ہیں، تو لوگوں کو اس عمل
 سے ڈرانے، اس کے انتہائی کمزور اور من گھڑت ہونے کو ثابت کرنے کے لیے میں اس
 روایت کے الفاظ بھی ذکر کر رہا ہوں جو من گھڑت سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے
 مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی
 کا برتن تھا تو آپ نے فرمایا:

((يَا اَنَسُ اُدُنْ مِنِّي اَعْلَمُكَ مَقَادِيرَ الوُضُوءِ))

”اے انس! میرے قریب ہو جاؤ میں تمہیں وضو کی دعائیں سکھاؤں۔“

میں آپ ﷺ کے قریب ہو گیا، آپ ﷺ نے جب ہاتھ دھوئے فرمایا:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ))

جب استنجا کیا فرمایا:

((اللّٰهُمَّ حَصِّنْ لِيْ فَرْجِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ))

جب کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا تو کہا:

((اللّٰهُمَّ لَقِّنِيْ حُجَّتِيْ وَلَا تَحْرِمْنِيْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))

جب اپنا چہرہ دھویا تو فرمایا:

((اللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَبْيَضُّ الْوُجُوهُ))

جب کہنیوں تک ہاتھ دھولے تو کہا:

((اللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ يَمِيْنِيْ))

جب سر کا مسح کیا تو فرمایا:

((اللّٰهُمَّ تَغَشِّنَا بِرَحْمَتِكَ وَجَنِّبْنَا عَذَابَكَ))

جب اپنے دونوں پاؤں دھوئے تو کہا:

((اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِيْ يَوْمَ تَزْوُلُ فِيْهِ الْاَقْدَامُ))

پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

”اے انس! اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے جو آدمی

بھی وضو کے دوران یہ دعائیں پڑھتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں

سے جتنے قطرے گرتے ہیں ان کے بدلے اللہ تعالیٰ اتنے فرشتے پیدا کر دیتا

ہے کہ ہر فرشتہ ستر زبانوں کے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتا رہتا ہے اور اسے

اس بے شمار تسبیح کا ثواب قیامت کے دن ملے گا۔“

یہ حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے جسے رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیا گیا

ہے۔ فن حدیث کے ماہر علماء نے اس حدیث کا انکار کیا ہے۔
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس بارے میں
کوئی حدیث بھی ثابت نہیں ہے۔ (التلخیص الحبیر: ۱/۱۱۰)
امام نووی نے کہا: ”اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“ (المجموع شرح المہذب
۱/۲۸۹)

اور انہوں نے اپنی دوسری کتاب میں فرمایا کہ
”اعضائے وضو پر دعا کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی (باسند) حدیث
نہیں آئی ہے۔“ (الاذکار: ص ۵۷)
شیخ الاسلام ابن القیم نے اپنی کتاب میں کہا:
”اعضائے وضو پر ذکر (اور دعاؤں) والی تمام احادیث باطل ہیں ان میں
سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے۔“ (المنار المنیف: ص ۱۲۰)
اور مزید کہا:

”وضو کے دوران اذکار (اور دعاؤں) والی ہر حدیث جھوٹی اور من گھڑت
ہے ان میں سے کوئی بات بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی اور نہ اپنی
امت کو اس کی تعلیم دی ہے۔“ (زاد المعاد: ۱/۱۹۵)
اور جبکہ وضو کے بارے میں سنت یہ ہے کہ شروع میں ”بسم اللہ“ پڑھی جائے۔^۱
اور اس کے اختتام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ ذکر پڑھیں:
(أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)^۲

۱ [صحیح سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب التسمیۃ عند الوضوء (۷۸) جس حدیث میں
ہے بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا وہ بھی بلحاظ سند حسن لذات ہے۔ دیکھئے تسہیل الحاجز فی تخریج

سنن ابن ماجہ (۳۹۷)

۲ [صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الذکر المستحب عقب الوضوء (۲۳۳)]

وضو کی بدعات میں سے بعض لوگوں کا قول ”زمزم“ بھی ہے

بعض لوگ لفظ ”زمزم“ وضو کے شروع میں یا آخر میں پڑھتے ہیں یہ عوام کی ان بدعات سے ہے جس کے بارے میں نہ کوئی صحیح حدیث مروی ہے اور نہ کوئی ضعیف نہ کسی صحابی کے فعل سے اس کی تائید ہوتی ہے نہ کسی تابعی کے قول سے اور نہ ہی کسی قابل ذکر عالم یا مستند امام نے اس کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔

ان بدعات سے گردن کا مسح کرنا بھی ہے

بہت سے لوگ اس کام پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اسے فرض یا سنت مؤکدہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صرف ایک بری اور خود ساختہ بدعت ہے۔ نبی ﷺ سے وضو میں گردن کا لٹے ہاتھوں سے مسح قطعاً ثابت نہیں ہے اور نہ آپ کے کسی صحابی سے یہ عمل ثابت ہے اور نہ کسی قابل اعتماد عالم سے یہ بات ثابت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”نبی ﷺ سے وضو میں گردن کا مسح ثابت نہیں ہے اور نہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی ہے بلکہ وضو کی صحیح احادیث میں گردن کے مسح کا کوئی ذکر نہیں اسی لیے اسے جمہور علماء نے (مثلاً امام مالک، شافعی اور احمد نے اپنے ظاہر مذہب میں) مستحب نہیں کہا اور جس نے اسے مستحب کہا ہے اس کی دلیل وہ اثر ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یا وہ ضعیف حدیث ہے جس میں سر کے مسح کے ساتھ گردن تک کے مسح کا ذکر ہے تو ایسی روایات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ جو عمل صحیح احادیث سے ثابت ہے اس کا معارضہ ایسی روایات سے کرنا صحیح نہیں ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے وضو میں گردن کا مسح نہ کیا تو اس کا وضو بالاتفاق صحیح ہے۔“ (الفناوی الکبریٰ: ۱/ ۵۶)

ابن القیم میں لکھتے ہیں کہ

”گردن کے مسح کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔“

اور ”المنار المنيف (ص ۱۲۰)“ میں فرماتے ہیں:

”اور اسی طرح دوران وضو گردن کے مسح کی حدیث باطل ہے۔“

امام نووی وغیرہ نے گردن کے مسح کو بدعت اور مسح والی حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ جو لوگ گردن کے مسح کے جواز کے قائل ہیں ان کا اعتماد ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث پر ہے جس میں آیا ہے کہ انہوں نے وضو کے دوران گردن پر مسح کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَّحَ عُنُقَهُ لَمْ يُغَلِّ بِالْأَعْنَاقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

”جس نے وضو کیا اور گردن کا مسح کیا اسے قیامت کے دن طوق نہیں پہنایا

جائے گا۔“

اسے ابو نعیم اصبہانی نے اپنی کتاب ”اخبار اصبہان (۲/ ۱۱۵)“ میں درج

ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حدثنا محمد بن احمد بن محمد حدثنا عبدالرحمن بن داؤد حدثنا عثمان بن خرازاد حدثنا عمرو بن محمد بن الحسن المكتب حدثنا محمد بن عمرو بن عبيد الانصاري عن انس بن سيرين عن ابن عمر به۔

ابن عراق نے اپنی کتاب ”تنزيه الشريعة (۲/ ۷۵)“ میں کہا ہے کہ

”اس حدیث کا ایک راوی ابو نعیم کا استاد ابو بکر المفید ہے اور اس کا وجود ہی

اس روایت کے مردود ہونے کے لیے کافی ہے۔“

میں کہتا ہوں کہ ابو بکر المفید وضع حدیث کے ساتھ متہم ہے جیسا کہ میزان

الاعتدال لذہبی (۳/ ۳۶۰، ۳۶۱) اور لسان المیزان لابن حجر (۵/ ۵۳) میں لکھا

ہوا ہے۔

اس کا دوسرا راوی محمد بن عمرو بن عبيد الانصاري ہے کہ جسے یحییٰ القطان اور یحییٰ

بن معین نے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن نمیر نے کہا ہے وہ کسی چیز کے برابر نہیں

ہے۔

اور المکتب غالباً وہ راوی ہے جس کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں
 ”منکر الحدیث“ یعنی وہ منکر احادیث بیان کرتا تھا۔ (تاریخ بغداد للخطیب : ۱۲ / ۲۰۴)
 اس روایت کی ایک دوسری سند فلیح بن سلیمان عن نافع عن ابن عمر مروی ہے کہ
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ بِيَدَيْهِ عَلَىٰ عُنُقِهِ وَقِيَ الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))
 ”جس نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن کا مسح کیا تو قیامت
 کے دن طوق (اور زنجیریں) پہنائے جانے سے بچ جائے گا۔“

اسے الرویانی نے ”البحر“ میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ”التلخیص الحبیر (۱ / ۱۰۴)“
 میں لکھا ہوا ہے۔ الرویانی نے ابوالحسین بن فارس کے (منسوب) جزء میں پڑھا ہے اور
 ابن فارس نے اپنی (نامعلوم) سند سے یہ حدیث فلیح سے بیان کی ہے۔
 حافظ ابن حجر نے کہا: ابن فارس اور فلیح کے درمیان سند موجود نہیں ہے جس کی
 تحقیق کی جائے، یعنی یہ روایت بلا سند ہے لہذا مردود ہے۔
 میں کہتا ہوں کہ فلیح کے حافظہ میں کمزوری ہے۔

اس روایت کو شوکانی نے ”ذیل الاوطار (۱ / ۲۳۶)“ میں احمد بن عیسیٰ کی ”امالی“
 اور ”شرح التجرید“ سے منسوب کیا ہے لیکن ان کی سند کا دارومدار الحسین بن علوان عن
 ابی خالد الواسطی پر ہے اور اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

((مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ سَائِلَفْتَيْهِ وَقَفَّاهُ آمِنَ مِنَ الْغُلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))
 ”جس نے وضو کیا اور اپنی گردن کے دونوں طرف اور گدی کا مسح کیا تو وہ
 قیامت کے دن طوق سے بچ جائے گا۔“

اس کا راوی الحسین بن علوان کذاب اور احادیث گھڑنے والا ہے۔ ابن معین اور

۱ [راجح یہی ہے کہ فلیح بن سلیمان حسن الحدیث ہے یاد رہے کہ وہ روایت مذکورہ سے روایت نہیں کرتا۔]

نسائی نے اسے ”کذاب“ کہا۔ صالح جزره نے کہا وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔

ابو خالد الواسطی عمرو بن خالد القرشی ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ ”یہ متروک ہے اسے وکیع نے کذاب کہا ہے۔“ (تقریب التہذیب: ۲/۶۹) ایک اور روایت میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ گردن کا مسخ طوق سے امان ہے۔ امام نووی نے کہا کہ

”یہ موضوع ہے اور نبی ﷺ کا کلام نہیں ہے۔“ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

”التلخیص الحبیبر (۱/۱۰۳ ح ۹۷) میں لکھتے ہیں کہ

”اس حدیث کو ابو محمد الجوبینی (امام الحرمین) نے ذکر کر کے کہا ہے کہ محدثین کرام اس روایت کی سند سے راضی نہیں ہیں لہذا اس فعل کے بارے میں یہ تردد ہے کہ یہ سنت ہے یا ادب؟

اس بات پر تعاقب کرتے ہوئے امام نے کہا اس روایت کے حکم کے بارے میں کوئی تردد نہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ قاضی ابوالطیب نے کہا اس بارے میں کوئی سنت ثابت نہیں ہے اور تقریباً یہی بات قاضی حسین اور الفورانی نے کہی ہے۔ اور جب یہ حدیث غزالی نے ”الوسیط“ میں ذکر کی تو ابن الصلاح نے رد کرتے ہوئے کہا کہ ”یہ حدیث نبی ﷺ سے (باسند صحیح یا حسن) معلوم نہیں ہے بلکہ یہ بعض علمائے سلف کا قول ہے۔“

بعض علمائے سلف کے قول سے ابن الصلاح کی مراد غالباً اس روایت سے ہے جسے ابو عبید القاسم بن سلام نے کتاب ”الطھور“ میں عبدالرحمن بن مہدی عن المسعودی عن القاسم بن عبدالرحمن عن موسیٰ بن طلحہ سے روایت کیا ہے:

((مَنْ مَسَحَ قَفَاهُ مَعَ رَأْسِهِ وَقَبَى الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

”جس نے سر کے ساتھ اپنی گدی کا مسح کیا تو وہ قیامت کے دن طوق پہنائے جانے سے بچ جائے گا۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا احتمال ہے کہ اگرچہ یہ موقوف (بلکہ مقطوع) ہے لیکن اس کا حکم مرفوع حدیث کا حکم ہے کیونکہ ایسی بات کا تعلق رائے سے نہیں ہے لہذا یہ روایت مرسل ہے۔“

میں کہتا ہوں کہ یہ مقطوع روایت ابو عبید نے ”الطہور (۳۸۶)“ نقل کی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے کیونکہ المسعودی کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا ابن مہدی کا اس سے سماع آخری زمانے کا ہے اور اس روایت میں اضطراب بھی ہے۔ ابو عبید نے حجاج سے اس نے قاسم بن عبد الرحمن سے اس کا قول بیان کیا ہے کہ حجاج نے کہا: ”مجھے اس روایت میں موسیٰ بن طلحہ کا نام یاد نہیں ہے۔“ لہذا اس قول کی سلف صالحین سے نسبت صحیح نہیں ہے۔

امام بیہقی نے ”السنن الکبریٰ (۱/۶۰)“ میں نقل کیا ہے کہ جو روایت ”ابو اسرائیل عن فضیل بن عمرو عن مجاہد عن ابن عمر کی سند سے ہے کہ عبد اللہ بن عمر سر کے مسح کے ساتھ گدی کا مسح بھی کرتے تھے وہ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کا راوی ابو اسرائیل اسماعیل بن خلیفہ الملائئ ضعیف الحدیث ہے یہ صحابہ کو گالیاں دیتا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کرے جو صحابہ کو گالیاں دیتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب ہے لیکن ابن الرافعہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس اس کے مستحب ہونے پر کوئی حدیث یا کسی صحابی کا قول تک بھی نہیں ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ جس میں قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

ابن الرافعہ پر تعاقب کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ہوسکتا ہے گردن کے مسح کو مستحب کہنے میں بغوی کی دلیل وہ حدیث ہو جسے احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے لیث بن ابن سلیم عن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح کیا حتیٰ کہ آپ گدی اور گردن تک جا پہنچے لیکن یاد رہے کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔“

اس کا راوی مصرف بن کعب بن عمرو جو کہ ابن عمرو بن کعب کے نام سے پہچانا جاتا ہے وہ مجہول ہے۔ (تقریب: ۵۲۱/۲) اور لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شوکانی کا ”نیل الاوطار (۱/۲۳۶)“ میں یہ قول کہ ”اس سے معلوم ہوا کہ نووی کا قول ‘گردن کا مسح بدعت ہے اور اس کی

حدیث موضوع اور باطل ہے۔“

یہ قول بذات خود باطل ہے کیونکہ اس سلسلہ کی تمام روایات جو کہ ذکر کی جا چکی ہیں وہ باطل یا مردود ہیں۔ واللہ اعلم!

وضو کی خبیث ترین بدعات میں جرابوں پر مسح میں تنگی اور انکار ہے

بہت سے لوگ طہارت اور وضو کے بعد پہنی ہوئی جرابوں پر مسح کرنے میں سخت حرج محسوس کرتے ہیں حالانکہ بعض سلف صالحین کے نزدیک جرابیں موزوں کے قائم مقام ہیں۔

ہم نے اسے اس لیے خبیث ترین بدعت کہا ہے کیونکہ اس سے رسول اللہ ﷺ سے مروی اُس صحیح حدیث کی مخالفت ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے جرابوں پر مسح کیا تھا۔ اسی طرح اس بدعت سے جماعت صحابہ سے ثابت شدہ اس بات کی بھی مخالفت ہوتی ہے کہ وہ جرابوں کو موزوں کے قائم مقام سمجھتے اور ان پر مسح کرتے تھے۔ اب اس بات کی تفصیل سنیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ ”نبی ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔“

۱ [یاد رہے کہ ان ضعیف روایات کا تعلق سر اور کانوں کے مسح کے ساتھ گردن پر مسح کرنے سے ہے رہا بعض لوگوں کا سر اور کانوں کے مسح کے بعد اٹنے ہاتھوں سے گردن کا مسح کرنا تو اس پر کوئی ضعیف روایت بھی موجود نہیں ہے۔]

۲ [صحیح ابو داؤد، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الجوربین (۱۵۹) اس میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور عن سے بیان کر رہے ہیں لیکن یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے خاص طور پر جب اجماع صحابہ بھی اس کا مؤید ہے تو صحیح ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟]

یہ حدیث صحیح و ثابت ہے اسے ابن حزم نے صحیح کہا۔ حافظ اسماعیلی نے فرمایا کہ اس کی سند بخاری کی شرط پر صحیح ہے لہذا امام بخاری کو یہ چاہیے تھا کہ صحیح بخاری میں درج کرتے۔ (النکت الظرف لابن حجر ۸ / ۴۹۳)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ”زاد المعاد (۱ / ۱۹۹)“ میں کہا:

”اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا ہے۔“ یہ قول اس کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک مغیرة بن شعبہ کی حدیث صحیح ہے۔ صحابہ کے اس مسئلہ میں بے شمار آثار ہیں۔

ابن المنذر النیسابوری نے ”الاوسط (۱ / ۴۶۳)“ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ”سات یا آٹھ صحابہ کرام نے جرابوں پر مسح کیا ہے۔“ ان جلیل القدر صحابہ کرام میں سے بعض کی روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

عمر و بن حریث نے کہا میں نے دیکھا علی نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اسے ابن ابی شیبہ (۱ / ۱۸۹) اور ابن المنذر (الاوسط: ۱ / ۴۶۲) نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

۲۔ البراء بن عازب

مصنف عبدالرزاق (۷۷۸) مصنف ابن ابی شیبہ (۱ / ۱۸۹) الاوسط لابن المنذر (۱ / ۴۶۳) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۱ / ۲۸۵) میں ”الاعمش عن اسماعیل بن رجاء عن رجاء بن ربيعة الزبیدی“ کی سند سے مروی ہے کہ میں (رجاء) نے دیکھا براء رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اس کی سند حسن ہے۔

۳۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک انس جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (ابن ابی

شبیہ: ۱/۱۸۸ - الاوسط: ۱/۳۶۳ - المعجم الكبير للطبرانی: ۱/۲۳۳ اس کی سند صحیح ہے۔ (قائد مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔)

◆ ابو مسعود رضی اللہ عنہ

عبدالرزاق (۷۷۷) اور ابن المنذر نے الاعمش عن ابراهيم عن همام بن الحارث عن ابن مسعود کی سند سے روایت کیا ہے کہ ابو مسعود جرابوں پر مسح کرتے تھے اس کی سند صحیح ہے۔

◆ ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ

ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر (۳۶۳/۱) نے حماد بن سلمہ عن ابی غالب والی حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ میں (ابو غالب) نے ابو امامہ کو جرابوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ابن ابی شیبہ (۱۹۰/۱) نے حسن سند کے ساتھ نافع مولیٰ ابن عمر سے اور صحیح سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے نقل کیا کہ جرابیں موزوں کے حکم میں ہیں اور یہی قول احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور اسے ہی ابن المنذر نے عطاء سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، الاعمش، سفیان ثوری، حسن بن صالح، ابن المبارک، زفر بن الہذیل اور اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے۔ (۳۶۵/۱)



جرابوں اور موزوں پر مسح کی دوسری بدعات

(۱) ظاہر اور باطن (اوپر اور نیچے) مسح کرنا

یہ بات نبی ﷺ سے ثابت شدہ سنت کے خلاف ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”آپ ﷺ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔ آپ سے صحیح سند کے ساتھ موزوں کے نیچے مسح کرنا ثابت نہیں ہے اور اس بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کی سند منقطع ہے اور یہ روایت صحیح احادیث کے مخالف بھی ہے۔“ (ازاد

المعاد: ۱/۱۹۹)

یہی بات مغیرہ کی جرابوں پر مسح والی حدیث میں آئی ہے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ

((رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ
وَمَسَحَ عَلَى خُفَيْهِ))

”میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور اپنے موزوں کے اوپر مسح کیا۔“

”علی“ کا ظاہر مفہوم ”اوپر“ ہے لہذا اس حدیث سے جراب یا موزہ کے اوپر مسح کرنے کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔ البتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ وہ اپنے موزوں یا جرابوں پر اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اوپر نیچے صرف ایک دفعہ مسح کرتے تھے۔ (الاوسط لابن المنذر: ۱/۳۵۲۔ اس کی سند صحیح ہے)

یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد ہے جو کہ نبی ﷺ کی صحیح و ثابت سنت کے مخالف

ل [صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی الخفاف (۳۷۸) صحیح مسلم

کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین (۲۷۲)]

ہے اور غالباً یہ اسی پر ہی محمول ہے کہ انہیں درج بالا حدیث نہیں پہنچی تھی اور یہ مسئلہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ بعض ایسی احادیث ہیں جو بعض صحابہ کو اگر معلوم تھیں تو دوسروں کو ان کا علم ہی نہیں تھا اس لیے اس بات کو اچھی طرح ذن نشین کر لینا چاہیے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ بعض روایات میں یہ صراحت بھی آئی ہے کہ نبی ﷺ موزوں پر نیچے کے بجائے صرف اوپر ہی مسح کرتے تھے لیکن یہ تمام روایات بلحاظ سند ضعیف ہیں۔ اور ہم انہیں یہاں دو وجہ سے ذکر کر رہے ہیں:-

① ان کا ضعیف ہونا واضح کر دیں۔

② کوئی یہ نہ کہہ دے کہ جناب آپ سے اس مقام پر ایسی صحیح احادیث رہ گئی ہیں جو آپ کے قول کی واضح دلیل ہیں۔ توفیق دینا اللہ ہی کا فضل و کرم ہے۔ موزوں پر مسح کی احادیث بلحاظ مسح عام ہیں نیچے یا اوپر مسح کی صراحت کے ساتھ صرف تین احادیث مروی ہیں۔

❶ الفضل بن مبشر نے کہا میں نے دیکھا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے وضو کیا آپ نے صرف ایک دفعہ ہی موزوں کے اوپر مسح کیا پھر اس وضو کی حالت میں جتنی نمازیں آئیں ساری نمازیں نئے وضو کے بغیر پڑھیں اور فرمایا کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور میں اسی طرح کر رہا ہوں جیسا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا۔“

(اللاوسط لابن المنذر: ۱/ ۴۵۴)

یہ روایت مسح کے ذکر کے بغیر سنن ابن ماجہ (۵۱۱) میں بھی موجود ہے۔

اس روایت کا راوی فضل بن مبشر محمد شین کے نزدیک ضعیف ہے۔

❷ عبد الرحمن بن ابی الزناد نے اپنے والد سے اس نے عروہ بن الزبیر سے اور اس نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ موزوں کے ظاہر پر (یعنی اوپر) مسح کر رہے تھے۔

امام ترمذی نے کہا یہ روایت عبد الرحمن کے علاوہ کسی اور نے بیان نہیں کی ہے۔

یعنی اس کلام سے امام ترمذی نے عبدالرحمن کی زیادت کے منکر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بات وہی ہے جو امام ترمذی نے کہی ہے کیونکہ ابن ابی الزناد کے حافظہ میں (محدثین کا) کلام ہے۔ لہذا ایسے راوی کی زیادت مذکورہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ محفوظ یہی ہے، مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ظاہر اور اوپر کے الفاظ نہیں ہیں۔

● علی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ موزوں کے اوپر مسح کر رہے تھے۔ (سنن ابی داؤد: ۱۶۲، ۱۶۳)

اس کا راوی ابو اسحاق السہمی مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ”نبی ﷺ نے موزے کے نیچے اور اوپر (دونوں جگہوں پر) مسح کیا ہے۔“ (سنن ابی داؤد: ۱۶۵۔ سنن ترمذی: ۹۷۔ سنن ابن ماجہ: ۵۵۰۔ الاوسط لابن المنذر: ۱/۳۵۳، ۳۵۴)

امام ترمذی نے کہا:

”یہ حدیث معلول (یعنی ضعیف) ہے، اسے ولید بن مسلم کے علاوہ کسی دوسرے نے ثور بن یزید سے مسنداً روایت نہیں کیا۔ ابوزرعہ اور امام بخاری دونوں کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یہی روایت عبداللہ بن المبارک نے ثور بن رجاء بن حیوہ قال حدثت عن کاتب المغیرہ رضی اللہ عنہ مرسلًا بیان کی ہے اور اس میں مغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔“

امام ابو داؤد نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی ایک اور علت (دلیل) بھی بیان کی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ثور نے یہ روایت رجاء بن حیوہ سے نہیں سنی تھی۔

ابن المنذر نے امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

۱۔ عبدالرحمان بن ابی الزناد کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ سلیمان بن داؤد الهاشمی کی روایت میں صحیح الحدیث اور دوسرے شاگردوں کی روایت میں حسن الحدیث ہے۔ دیکھئے میری کتاب نور العین: ۸۳، ۸۴۔ زبیر علی زئی۔ لہذا اس کی سند پر جرح صحیح نہیں ہے۔

(۲) موزوں یا جرابوں پر ایک سے زیادہ بار مسح کرنا

مسنون یہی ہے کہ موزوں پر ایک ہی دفعہ مسح کیا جائے اور آپ ﷺ سے ایک سے زیادہ مرتبہ مسح کرنا ثابت نہیں ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ وہ ایک دفعہ ہی مسح کرتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مسح دھونے کے خلاف عمل ہے کیونکہ دھونے میں خوب صفائی مقصود ہوتی ہے جو کہ مسح میں مطلوب نہیں اس لیے بار بار دھونے کی طرح بار بار مسح صحیح نہیں ہے۔

(۳) موزے یا جرابیں اتار کر (خواہ مخواہ) پاؤں کا دھونا۔

بعض لوگ اپنے آپ کو خود ساختہ مشقت میں مبتلا کر کے جہل مرکب کے مرتکب بن جاتے ہیں۔ پہلے یہ صحیح حدیث گزر چکی ہے کہ

”بے شک اللہ تعالیٰ یہ (اسی طرح) پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا

جائے جس طرح کہ وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔“

وہ عبادات جن میں دونوں صورتیں جائز ہوں ان میں بے جا تکلفات سے منع کیا

گیا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((نُهَيْنَا عَنِ التَّكْلُفِ))^۱

”ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔“

ابن القیم نے ”زاد المعاد (۱/۱۹۹)“ میں کہا کہ

”نبی ﷺ (جرابوں اور موزوں وغیرہ میں) اپنے حال کے خلاف بے جا تکلف

نہیں کرتے تھے بلکہ اگر آپ کے پاؤں میں موزے ہوتے تو اتارنے کے بغیر ہی ان پر

مسح کر لیتے اور اگر آپ کے پاؤں ننگے ہوتے تو انہیں دھو لیتے۔ اس مسئلہ میں کہ مسح

افضل ہے یا دھونا تو اس میں یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے کہ اگر پاؤں ننگے ہوں تو

۱ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما بکره من كثرة السؤال

دھولے اور اگر موزے یا جرابیں ہوں تو مسح کر لے اور یہی بات ہمارے استاد (امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمائی ہے۔“

میرے ساتھ طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں ایک عجیب حادثہ رونما ہوا۔ میں بری (خشکی کے) راستے سے اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ کویت سے عمرہ ادا کرنے کے لیے چلا اور سردی اتنی شدید تھی کہ درجہ حرارت صفر سنٹی گریڈ تک گر جاتا تھا، میں نے ایک اعلان کرنے والے کو یہ اعلان کرتے سنا کہ ”اپنی جرابیں اتار دو اور عزیمت پر عمل کرتے ہوئے اپنے پاؤں دھولو۔“ مجھے تعجب ہوا کہ شیطان نے کس طرح اس کمزور اور فاسد ارادے کو اس شخص کے دل میں ڈال رکھا ہے، جس کی بنا پر وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر بھی مقدم کر رہا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ وہ دوسروں کو اس کی دعوت بھی دے رہا ہے جن بے چاروں کو ان مسائل کا کوئی علم نہیں اور ان کے نزدیک رخصت اور عزیمت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم لوگوں کے اس طرز عمل کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتے ہیں۔

(۴) پھٹی ہوئی جراب یا موزے پر مسح نہ کرنا

لوگوں کا یہ طرز عمل سلف صالحین اور محقق علماء کے خلاف ہے۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں ”اس وقت تک مسح کرتے رہو جب تک وہ (موزے) تیرے پاؤں سے لٹکے رہیں، کیا تجھے معلوم نہیں کہ مہاجرین اور انصار کے موزے پھٹے ہوئے ہی ہوتے تھے۔“ (مصنف عبدالرزاق: ۱/۱۹۴۔ اس کی سند صحیح ہے)

اسی بات کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ”دو احوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ لفافوں پر مسح جائز ہے، اسے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور پھٹے ہوئے موزے پر اس وقت تک مسح جائز ہے جب تک کہ اسے موزہ کہا جائے اور اس میں چلنا ممکن ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قدیم فتویٰ ہے۔ اور ابوالبرکات وغیرہ علماء نے بھی اسے ہی

اختیار کیا ہے۔“ (الاختیارات العلمیة: ۳/۳۹۰)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وضو کے بعد اعضائے وضو کو

خشک نہ کرنا مسنون ہے

بعض لوگ اس سلسلے میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ
 ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بعد اپنے اعضائے وضو کو خشک نہیں کرتے تھے اس بارے
 میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے۔“

(زاد المعاد: ۱/ ۱۹۵)

یہ تسلیم ہے کہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محقق امام تھے لیکن اصول یہ ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی ہو سکتی ہے اور رد بھی اور محققین کے
 نزدیک حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول میں نظر ہے اس لیے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے
 اس فعل کا جواز مروی ہے جسے ابن ماجہ (۳۶۸، ۳۵۶۳) نے محفوظ بن علقمہ عن سلمان
 الفارسی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا آپ نے اپنا
 اونی جبہ الٹا کیا پھر اس کے ساتھ اپنا منہ مبارک صاف کیا۔“

بوصیری نے ”مصباح الزجاجة (۱/ ۱۲۰)“ میں لکھا ہے کہ
 ”اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن محفوظ کے سلمان سے
 سماع میں نظر ہے۔“

حالانکہ میرے علم کے مطابق کسی نے بھی محفوظ کی سلمان سے روایت کو منقطع
 نہیں کہا سوائے امام مزی رحمۃ اللہ علیہ کے انہوں نے ”تہذیب الکمال“ میں لکھا ہے کہ ”یہ کہا
 جاتا ہے کہ محفوظ کی سلمان فارسی سے روایت مرسل ہے۔“ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات صیغہ
 عریض سے کہی ہے گویا ان کے نزدیک بھی یہ قول ثابت نہیں ہے کیونکہ اس قول پر کوئی
 دلیل ہے ہی نہیں اور نہ کسی فن حدیث کے امام نے ایسا کلام کیا ہے۔ اس کے جواز پر

۱ [چونکہ محفوظ کی سلمان سے ملاقات ثابت نہیں ہے لہذا راقم الحروف کی تحقیق میں یہ روایت ضعیف ہے۔ واللہ

دیگر احادیث بھی ہیں مگر ان میں سے ایک بھی حدیث ثابت نہیں ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: ”نبی ﷺ سے اس باب میں کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے۔“ (سنن ترمذی: ۵۳) ترمذی کا یہ بیان اگر انقطاع کی وجہ سے ہے تو فہما در نہ قابل سماعت نہیں ہے۔

رہا ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ ”بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے“ تو اس کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”وضو کے بعد نبی ﷺ کے پاس رومال لایا گیا تو آپ نے اسے ہاتھ نہیں لگایا اور اپنے ہاتھوں سے وضو کا پانی جھاڑتے رہے۔“
حالانکہ اس حدیث کا تعلق غسل کے ساتھ ہے وضو کے ساتھ نہیں اور اگر وضو سے بھی ہوتا تو یہ ممانعت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں حافظ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ

”یہ حدیث ممانعت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ آپ نے کسی کپڑے سے

اعضائے وضو صاف کرنے سے منع نہیں کیا اور آپ بسا اوقات ایسے مباح

کام چھوڑ دیتے تھے جن سے امت کی مشقت کا ڈر ہوتا۔“ (اللاوسط: ۱/۳۱۹)

ابن المنذر کا یہ کتنا بہترین کلام ہے تقریباً اسی جیسا کلام امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ثابت ہے، عبداللہ بن احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ”میں نے اپنے ابا سے پوچھا کہ کیا وضو کے بعد رومال (اور تولیہ وغیرہ) استعمال کر سکتے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں ہے، میں نے کہا، میمونہ رضی اللہ عنہا والی حدیث (کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے)؟ تو فرمایا کہ یہ روایت (ممانعت پر) واضح (دلیل) نہیں ہے۔“

عبداللہ کہتے ہیں کہ ”میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ میرے ابا جان (امام احمد ابن

حنبل) وضو کے بعد رومال یا کپڑے سے اپنے اعضا خشک کرتے تھے۔“

(مسائل عبد اللہ: ۱۰۵)

بعض علماء نے اسے جو مکروہ کہا ہے تو اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور جبکہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث اور انس رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے جواز کی دلیل ہے۔

وضو کے پانی میں اسراف۔

یہ پرانی بدعت ہے جس سے صرف وہی لوگ بچتے ہیں جن پر اللہ کا خاص رحم و کرم ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ وضو اور تمام عبادات کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی بہترین اور کامل طریقہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے پانی میں مکمل کفایت شعاری سے کام لیتے تھے، ایک ”مد“ یا اس سے کچھ کم سے وضو فرماتے تھے۔

سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع (تقریباً ڈھائی کلو پانی) کے ساتھ غسل جنابت اور ایک مد (تقریباً چوتھائی صاع) سے وضو کرتے تھے۔“^۱

ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، آپ کے پاس پانی کا جو برتن تھا اس میں تقریباً دو تہائی مد پانی تھا۔“^۲

مد اتنا ہوتا ہے کہ اس سے آدمی کی دونوں ہتھیلیاں بھر جائیں۔ بتائیں ہمارے زمانے میں ایسا کون شخص ہے جو اتنے پانی سے وضو کرتا ہو۔

امام احمد رضی اللہ عنہ کیا خوب فرماتے ہیں کہ

”انسان کے کم عقل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ وہ وضو میں بہت زیادہ پانی استعمال کرتا ہے۔“

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد (۲۰۱) صحیح مسلم، کتاب

الطہارة، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة (۳۲۵)۔

۲۔ ابوداؤد (۹۳) نسائی (۵۸/۱) سند صحیح

امام احمد کے شاگرد المیمونی نے کہا کہ ”میں وضو میں بہت زیادہ پانی استعمال کرتا تھا تو امام احمد نے مجھے بطور انکار کہا، کیا تو ایسا طرز عمل روارکھتا ہے؟ یعنی وسوسوں میں مبتلا ہے؟ تو میں نے یہ طرز عمل چھوڑ دیا۔“ (اغاثۃ اللہفان لابن القیم: ۱/۱۶۱)

بغیر کسی ضرورت کے دوبارہ وضو کرنا

اس عمل کے مستحب ہونے کے بارے میں بعض لوگ ایسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ

((الْوُضُوءُ عَلَى الْوُضُوءِ نُورٌ عَلَى نُورٍ))

”وضو پر وضو کرنا نور پر نور ہے۔“

محدث عراقی کہتے ہیں: ”مجھے اس روایت کی اصل نہیں ملی۔“ ان سے پہلے یہی بات امام منذری نے کہی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ”اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے رزین نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کوئی سند بیان نہیں کی جس سے ہم اس کی اصل پر مطلع ہو جاتے، تاہم اس حدیث پر موضوع روایات کے آثار ظاہر ہیں۔

بعض لوگوں کی دلیل ایک دوسری حدیث ہے کہ

((مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طَهْرٍ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ))

”جس نے وضو پر وضو کیا اللہ اس کو دس نیکیاں دیں گے۔“

یہ حدیث ضعیف و منکر ہے اس سے دلیل پکڑنا غلط ہے اس کا کوئی تابع بھی نہیں ہے اور فضائل اعمال میں بھی اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا دار و مدار عبد الرحمن بن زیاد بن نعم الافریقی پر ہے جو حدیث میں ضعیف تھا اور منکر روایات بیان کرتا تھا اور

[المقاصد الحسنة للسخاوی: ۱۲۶۴. اتحاف السادة المتقين للمرتضى الزبيدي:]

[سنن ابی داؤد (۲۲) سنن ترمذی (۵۹) سنن ابن ماجہ (۵۱۴) اس کی سند الافریقی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے]

یہ روایت بھی ان منکر روایات میں سے ہے۔

اس کا دوسرا راوی ابو غطفیف الہذلی مجہول الحال ہے امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ سنن ترمذی (۵۸) کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ
 ”انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے چاہے
 آپ کا پہلے سے وضو ہو یا نہ ہو۔“

حمید الطویل کہتے ہیں میں نے انس سے پوچھا آپ ﷺ کس طرح وضو کرتے
 تھے؟ فرمایا ”ہم ایک وضو کے ساتھ وضو نہ ٹوٹنے سے پہلے پہلے ساری نمازیں پڑھ لیتے
 تھے۔“ امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے لیکن اس کی سند ضعیف و منکر ہے۔ محمد بن
 اسحاق بن یسار مدلس ہے اور ”عن“ سے روایت کر رہا ہے۔ امام ترمذی کا اس روایت
 میں استاد محمد بن حمید الرازی ضعیف ہے۔ بلکہ بعض علماء نے اسے جھوٹا بھی قرار دیا ہے۔
 یہ روایت اس صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
 ”نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔“

عمر و بن عامر الانصاری نے کہا میں نے پوچھا آپ یعنی انس کیا کرتے تھے؟
 حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہم ساری نمازیں وضو ٹوٹنے سے پہلے ایک وضو کے
 ساتھ پڑھتے تھے۔“

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام وضو پر وضو کرنے کی تکلیف
 نہیں کرتے تھے بلکہ اگر وضو ٹوٹ جاتا تو پھر وضو کرتے تھے اور رہا یہ مسئلہ کہ آپ ﷺ
 نے ہر نماز کے لیے وضو کیا ہے تو یہ عمومی عمل ہے کیونکہ سوید بن النعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث
 میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے عصر اور مغرب کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھی ہے۔
 پہلی حدیث زیادہ سے زیادہ اباحت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ استحباب پڑور نہ
 آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ اس پر عمل سے پیچھے نہ رہتے اور ممکن ہے کہ وضو پر وضو

۱ [صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء من غیر حدث (۲۱۳)]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء من غیر حدث (۲۱۵)]

آپ ﷺ کی خصوصیت ہو۔

جاہل عورتوں کی بدعات، اعضائے وضو کا نامکمل دھونا

بعض عورتیں یہ عذر تراش لیتی ہیں کہ ان کی آستینیں تنگ ہیں لہذا اعضائے وضو کا پورا پورا دھونا مشکل ہے۔ بعد میں ان کی یہی عادت بن جاتی ہے اور ساتھ ہی بڑی ڈھٹائی سے یہ جواب دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، وہ ہمارے دلوں کے بھید سے واقف ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ ایسے الفاظ گمراہ فرقہ مرجیہ کی کربانوں پر اکثر رہتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ آستینوں کی تنگی اعضائے وضو کے نامکمل دھونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اللہ کے رسول ﷺ تمام عبادات کو صحیح اور مکمل طریقے سے ادا کرتے تھے حالانکہ اللہ نے آپ کے ہر عمل پر اپنی رضامندی اور معافی کی مہر ثبت کر رکھی ہے۔ ایک دن آپ وضو کر رہے تھے آپ کی قمیص کی آستین تنگ تھی تو آپ نے قمیص کے نیچے سے اپنے ہاتھ باہر نکالے اور انہیں پورا دھویا۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں

”ایک دن رسول اللہ ﷺ سفر میں پیچھے رہ گئے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا جب آپ قفصائے حاجت سے فارغ ہوئے تو پوچھا، کیا تیرے پاس پانی ہے؟ میں پانی لے آیا آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اور چہرہ دھویا، پھر آپ نے کہنیوں سے کپڑا ہٹانے کی کوشش کی تاکہ بازو دھوئیں لیکن قمیص کی آستینیں تنگ تھیں، آپ نے قمیص کے نیچے سے دونوں ہاتھ نکال کر کہنیوں تک دھوئے۔“

اگر وضو کے اعضاء پورے پورے نہ دھوئے جائیں تو وضو نہیں ہوتا، جس کے

۱۔ [صرف احتمال کی بنیاد پر خصوصیت ثابت کر دینا صحیح نہیں ہے اس مسئلے میں حق یہی ہے کہ دونوں طرح جائز ہے اور وضو پر وضو کرنا جائز اور بہتر ہے۔ واللہ اعلم]

۲۔ [صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی العجبة الشامیة (۳۶۳) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین (۲۷۴)]

نتیجے میں نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (والعیاذ باللہ!)

پاؤں دھونے میں بہت سے لوگوں کی غفلت اور تساہل پسندی

بہت سے لوگ قدموں کے شروع والے حصے کو دھو کر ٹخنے دھونا چھوڑ دیتے ہیں جس سے بعض لوگوں کے ٹخنوں پر خشک جگہیں باقی رہ جاتی ہیں حالانکہ نبی ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضو کرتے دیکھا تو فرمایا کہ

پورا پورا وضو کرو کیونکہ میں نے ابوالقاسم رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ
(وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ) ۱

”وضو میں جو ایریاں خشک رہ جائیں گی ان کے لیے ہلاکت ہے آگ کے عذاب کی۔“

ہم نے یہ تشبیہ اس لیے ذکر کر دی ہے کیونکہ بہت سے لوگ وضو کرنے پر صحیح توجہ نہیں دیتے۔



۱ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الاعقاب (۱۶۵) صحیح مسلم، کتاب

الطہارة، باب وجوب غسل الرجلین بکمالہما (۲۳۲)

دور حاضر میں عوام الناس کی ایک بہت بڑی مخالفت

بلی کے جوٹھے پانی سے وضو نہ کرنا

یہ ایسی احتیاط اور نام نہاد پرہیز ہے جس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ ہوس، دوسہ اور پاگل پن ہے، اسے کس طرح پرہیز گاری اور احتیاط کہا جاسکتا ہے؟ جب کہ امت مسلمہ اس کے خلاف یعنی بلی کے جوٹھے کی طہارت پر جمع ہے۔

ابن المنذر انیسابوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہی قول اہل مدینہ، اہل کوفہ، اہل شام، تمام اہل حجاز، اہل عراق، تمام شہروں کے

علماء اور محدثین کرام کا ہے۔“ (الاوسط: ۱/ ۳۰۱)

اور یہی بات صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے، مثلاً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا بلی کا جوٹھا برتن دھویا جائے

گا؟ تو انہوں نے کہا: ”نہیں کیونکہ یہ گھر کے پالتو جانوروں میں سے ہے۔“^۱

ابوقادہ رضی اللہ عنہ وضو کا برتن بلی کے سامنے جھکا دیتے تاکہ وہ اس سے پانی پی لے اور

فرماتے کہ یہ پالتو جانوروں میں سے ہے۔^۲

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بلی کے جوٹھے کے ساتھ کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور کبھی کبھار آپ

اس کے لیے پانی کا برتن جھکا دیتے اور فرماتے یہ پالتو جانور ہے۔^۳

یہی قول ام المومنین عائشہ، ام المومنین ام سلمہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما غیر ہم سے مروی

۱ [مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۱۰۳، ۱۰۲۔ الاوسط لابن المنذر: ۱/ ۳۰۱۔ اس کی سند صحیح ہے]

۲ [الطہور لابن عبید: ۲۲۱۔ اس کی سند صحیح ہے]

۳ [الطہور لابن عبید: ۲۲۲۔ الاوسط لابن المنذر: ۱/ ۳۰۲۔ اس کی سند صحیح ہے]

ایک بڑی فتیح اور کافرانہ بدعت کا مشاہدہ کہ

بعض لوگوں کا بغیر وضو کے نماز پڑھنا

اس بات کا مشاہدہ ان بعض مقامات پر کیا جاتا ہے جہاں لوگوں کو طاقت کے ذریعے نماز پڑھنے کے لیے جمع کیا جاتا ہے اور دکانیں بند کرادی جاتی ہیں۔ نماز کا حکم دینا اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا اور دکانیں بند کرادینا شریعت اسلامیہ کا مطلوب و مقصود ہے، تاہم نبی ﷺ سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ نے طاقت پویس یا رات کے چوکیداروں کے ذریعے لوگوں کو نماز پر جمع کیا ہو۔

اس بات نے ان لوگوں کو بغیر وضو کے نماز پڑھنے پر آمادہ کر لیا ہے جو لوگ نماز اور شریعت اسلامیہ کو انتہائی حقیر سمجھتے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو غسل فرض ہونے کی حالت یعنی جنابت کبریٰ میں بھی بغیر غسل کے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ (انا لله وانا الیہ راجعون) نماز عبادت ہے جس کی کنجی وضو اور طہارت ہے اور وضو کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدة: ۶)

”اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھ دھو، سر کا مسح کرو اور اپنے قدم ٹخنوں تک دھولو۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهْوَرٍ﴾

”وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔“

اور فرمایا:

((مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطَّهُورُ))

”نماز کی چابی طہارت ہے۔“

جس نے جان بوجھ کر وضو کے بغیر نماز پڑھی اس نے بہت بڑا گناہ کیا اور اگر اپنے اس عمل کو جہالت کی وجہ سے جائز سمجھا تو کفر والی بدعت کا ارتکاب کیا اور اگر اسے وضو کی فرضیت کا علم بھی ہے مگر پھر بھی بغیر وضو کے نماز کو جائز سمجھتا ہے تو (یہ کافر ہے) اسے توبہ کرائی جائے گی ورنہ مسلمان اولوالامر کے ذریعے اسے قتل کر دیا جائے گا۔
یاد رکھو کہ استنجاء نہ کرنا اور بغیر وضو کے نمازیں پڑھنا، باطنی فرقوں، حلوٰی صوفیوں اور دین اسلام سے خارج قرامطیوں کا عمل ہے۔ اسلام تو پاکیزہ، صاف ستھرا اور سادہ دین ہے۔



غسل کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

غسل کی بدعات میں سے زبان کے ساتھ نیت کرنا بھی ہے۔

تمام عقل مندوں کا اجماع ہے کہ نیت کا مقام دل ہے زبان نہیں اور اس کی مخالفت صرف اسی شخص نے کی ہے جو ہوس جنون اور بدعات کا غلام ہے۔ اس کی بدعت نے اسے ابلیس ملعون کے وسوسہ کی صراحت پر آمادہ کر دیا ہے۔ اس بات کی تفصیل وضو سے پہلے نیت پر بحث میں گزر چکی ہے وہاں سے دوبارہ پڑھ لیں۔

بعض لوگوں کا یہ گمان کہ جنسی دوسروں کو بھی نجس کر دیتا ہے

یہ بہت بڑی جہالت ہے جس کے رد پر صحیح احادیث مبارکہ واضح دلالت کرتی ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرماتے آپ نے فرمایا:

((يَاعَائِشَةُ نَاوِلْنِي الثُّوبَ))

”اے عائشہ! مجھے کپڑا دے دو۔“

عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، میں حائضہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ حَيْضَتَكَ لَيْسَتْ فِي يَدِكَ))

”تیرا حیض تیرے ہاتھوں میں نہیں ہے۔“

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کپڑا دے دیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ

”مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں ملے جبکہ میں جنسی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا

ہاتھ پکڑ لیا، میں آپ کے ساتھ چلتا رہا جب آپ بیٹھ گئے تو میں جلدی جلدی

اپنے گھر آیا اور غسل کر کے آپ ﷺ کے پاس گیا، آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا:

”اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کہاں چلے گئے تھے؟“

میں نے کہا: ”میں جنبی تھا (یعنی مجھ پر نہانا فرض تھا) لہذا مجھے یہ برا معلوم ہوا کہ نہائے بغیر آپ کے پاس بیٹھ جاؤں“ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((سُبْحَانَ اللَّهِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ))^۱

”سبحان اللہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! مؤمن نجس نہیں ہوتا۔“

اور وہ احادیث جو اس سے پہلے گزر چکی ہیں جن میں نبی ﷺ کا حیض وغیرہ کی حالت میں اپنی بیویوں سے جماع کے بغیر مباشرت، کھانا پینا اور لیٹنا مذکور ہے۔ تو یہ تمام احادیث اس بات پر صریح دلیل ہیں کہ جنبی نجس نہیں ہوتا، نہ اسے چھونا منع ہے اور نہ اس کا تھوک اور پسینا وغیرہ پلید ہوتا ہے۔ اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج بالا حدیث پر ”جنبی کا پسینا اور یہ کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا“ کا باب باندھا ہے۔

شرمگاہ کے اندر پانی پہنچا کر دھونا و سوسہ کے مریض مردوں اور عورتوں کی یہ پرانی بدعت ہے۔

اور یہ ایسا تکلف ہے کہ جس کی مشروعیت یا جواز شریعت سے ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ جنبی مرد یا عورت یا حائضہ پر شرمگاہ کے اندر کا حصہ دھونا واجب نہیں ہے۔ جنبی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ نہانے سے پہلے پیشاب کر لے تاکہ اگر ذکر میں کوئی منی ہو تو نکل جائے۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس آدمی کا کیا حکم ہے جو غسل جنابت کرتا ہے

۱ صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب عرق الجنب وان المؤمن لا ینجس (۲۸۳)

(۲۸۵) صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الدليل على ان المسلم لا ینجس (۳۷۱)

اس کے بعد اس کے ذکر سے منی نکل آتی ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ ”اگر اس نے غسل سے پہلے پیشاب کیا تھا تو دوبارہ غسل نہ کرے اور اگر پہلے پیشاب نہیں کیا تھا تو دوبارہ غسل کرے۔“

اسحاق بن ابراہیم بن ہانی النیسابوری کی روایت میں اس تحقیق کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (۲۶/۱)

یہ قول حالات و احکام کی معرفت اور تحقیق کے بلند ترین مقام پر ہے کیونکہ پیشاب منی کو ختم کرنے والا ہے اور جب منی ہی باقی نہ رہی تو پھر شہوت کے بغیر اس کا نکلنا چنداں مضر نہیں ہے۔ منی جس سے کہ غسل فرض ہے وہ شہوت سے ہی نکلتی ہے، اگر غسل سے پہلے پیشاب نہ کیا جائے تو اس کا غالب امکان رہتا ہے کہ شاید یہ وہی منی ہے جو جماع کے بعد آگے تامل میں رہ گئی تھی۔

عورت پر بھی اپنی شرمگاہ کے اندر کا دھونا قطعاً واجب نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ

”اگر کسی عورت کو کہا جائے تم جنابت کے بعد اپنی شرمگاہ کے اندر کا حصہ بھی دھولو تو کیا ایسا کہنا صحیح ہے؟“

تو انہوں نے جواب دیا:

”دو قولوں میں صحیح قول یہی ہے کہ حیض یا جنابت کی حالت میں عورت پر شرمگاہ کے اندر کا حصہ دھونا واجب نہیں ہے۔“

اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ شرمگاہ سے جو چیز نکلے اس کا اعتبار ہے نہ کہ جو اس میں باقی رہ جائے۔ اس ذریعے سے دوسرے کا یہ دروازہ بند ہو سکتا ہے۔

۱ [مصنف ابن ابی شیبہ (۱۱۳۹/۱) مصنف عبدالرزاق (۲۶۶/۱) یہ دونوں سندیں ضعیف ہیں۔ ایک میں ابن ابی عریبہ مدلس اور ”وغیرہ“ مجہول ہے۔ دوسری میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں۔]

غسل خانہ میں پیشاب

لوگوں کا یہ عمل عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے صریح مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا:

((إِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ))^۱

”عام وسوسے اس (اور اس جیسے افعال) سے ہی ہوتے ہیں۔“

علماء کے نزدیک اس حدیث کا تعلق اس غسل خانے سے ہے جس کا پانی ساکن ہو جاری نہ ہو، مثلاً ٹپ برتن وغیرہ جہاں بعض لوگ کھڑے ہو کر اپنے اوپر پانی ڈالتے ہیں یا مٹی کے ایسے غسل خانے جہاں پانی کی نکاسی کا صحیح بندوبست نہیں ہوتا۔ رہے آج کل کے غسل خانے، جن کا پانی فوراً باہر نکل جاتا ہے تو ان میں کراہت کے باوجود پیشاب کرنا جائز ہے۔ چونکہ اس سے یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں نجس اور گندا پانی میرے جسم پر نہ گر جائے۔ لہذا اس حالت میں بھی پیشاب کرنا مکروہ اور بے ادبی ہے۔

امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”جس غسل خانے میں پانی جاری ہو تو (ضرورت کے وقت) پیشاب کرنا

جائز ہے۔“ (سنن ترمذی: ۱/۳۳)

جمعہ کے دن غسل جنابت کے بعد غسل جمعہ کا تکرار

ہم نے اس بدعت کا تفصیلی رد اپنی کتاب ”اثر الدینی المستطاب“ میں کیا ہے۔^۲

عورتوں کا غسل جنابت میں بالوں کا صحیح نہ دھونا

بعض عورتیں خوبصورتی کے اظہار کے لیے اپنے سر کے بالوں کو کسی پلاسٹک

۱ [صحیح سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی البون فی المستحم (۲۷) وعلقہ

البخاری (۵۸۸/۸) وللحدیث شواہد]

۲ [غسل جنابت اور غسل جمعہ کے درمیان فرق کرنا سنت سے ثابت نہیں ہے۔]

وغیرہ کی چیز سے ڈھانپ لیتی ہیں جسے وہ غسل کے وقت بھی نہیں اتارتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالوں کا کچھ حصہ خشک رہ جاتا ہے تو ایسی عورتوں کو یہ مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ جو عورت اپنے سارے بال نہ دھوئے اور اس کے بالوں یا جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے اور بالوں کی جڑوں تک پانی نہ پہنچائے تو اس کا غسل نہیں ہوتا۔

یہی مثال ان عورتوں کی ہے جو بڑی سختی سے اپنے بال باندھے رکھتی ہیں جس کی وجہ سے پانی جڑوں تک نہیں پہنچتا۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر عورت کے سر کے بالوں کی مضبوط گندی ہوئی مینڈیاں ہوں اور وہ جوڑے ہوئے ہوں جن کی وجہ سے بالوں کی جڑوں تک پانی نہ پہنچ سکے تو اس عورت پر یہ ضروری ہے کہ اپنے بال کھول کر نہائے۔ اگر اس نے اپنے بالوں کو سنوارنے یا خوبصورتی وغیرہ کے لیے کوئی چیز باندھ رکھی ہے تو اسے کھول کر نہائے اور اگر یہ چیز انتہائی پتلی ہے کہ جس سے بالوں تک پانی پہنچ جاتا ہے تو پھر ان کا نہ کھولنا بھی جائز ہے۔“ (احکام النساء: ص ۶۳)

نہانے کے دوران بے پردگی

یہ عمل اس حدیث کے مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ، وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ))

”کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور اسی طرح کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے۔“

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرد کا مرد کی شرمگاہ دیکھنا اور عورت کا عورت کی شرمگاہ دیکھنا حرام ہے۔“ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱/۶۳۱، ۶۳۲)

یاد رہے کہ خاوند بیوی اور آقا لونڈی کے رشتہ کے علاوہ تمام غیر مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی شرمگاہ بلکہ ایک دوسرے کو صرف شہوت سے دیکھنا بھی حرام ہے۔

امام ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جس طرح ایک مرد سے لیے دوسرے مرد کی شرمگاہ (ناف سے گھٹنے تک) دیکھنا ناجائز ہے اسی طرح ایک عورت کے لیے دوسری عورت کی شرمگاہ دیکھنا ناجائز ہے۔ عام طور پر جاہل عورتیں اس کی پروا نہیں کرتیں بلکہ اپنی ماں بہن یا بیٹی کے سامنے اپنی شرمگاہ کھولے بیٹھی رہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ تو رشتہ دار ہیں۔ ان عورتوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جوڑ کی سات سال کی ہو جائے تو اس کی ماں یا بہن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی شرمگاہ دیکھیں اور نہ وہ ان کی شرمگاہ دیکھ سکتی ہے۔ (احکام النساء: ص ۲۱۲۰)

اس سے زیادہ خطرناک چیز یہ ہے کہ بعض عورتیں شادی کی رات یا اہم تقریبات کے لیے نہانے دھونے میں غیر عورتوں سے مدد لیتی ہیں بلکہ اپنی شرمگاہ اور بغلوں کے بال بھی ان سے منڈواتی ہیں۔ اس حالت میں شرمگاہ پر صرف نظر ہی نہیں پڑتی بلکہ اسے چھوا بھی جاتا ہے۔ جاہلیت کی ایسی گندی عادات سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یہی وہ دروازہ ہے جس کے ذریعے عورتیں عورتوں سے لذت حاصل کرتی ہیں جس طرح قوم لوط کے مرد مردوں کے پیچھے پڑے تھے اسی طرح یہ عورتیں عورتوں سے جنسی تعلق قائم کر لیتی ہیں بلکہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے عورتوں کے عورتوں سے جنسی تعلقات قائم ہوئے تھے جس کے نتیجے میں مردوں نے بھی مردوں سے یہ تعلقات قائم کر لیے یہ کتنی بڑی مصیبت اور کتنا بڑا جرم ہے۔

مشترکہ حماموں میں عورتوں کا اپنے جسم یا اس کا کچھ حصہ ننگا کرنا

بعض عورتیں مالش کی دکانوں اور بھاپ والے حماموں میں لوگوں کے سامنے اپنا بدن ننگا کر دیتی ہیں۔ ان حماموں اور دکانوں میں کتنی عورتیں لوٹی گئی ہیں اور ایک

دوسرے سے گہری واقفیت کے بعد کتنے ہی ناجائز تعلقات قائم ہوئے ہیں۔
اے مردو! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے
اپنی عورتوں کو ان دکانوں اور حماموں سے روک لو ورنہ تم سے بڑا کوئی مجرم نہیں ہوگا۔

اور اے مسلمانوں کی عورتو! یا تم نے اللہ کی یہ بات نہیں سنی کہ

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ (الاحزاب: ۳۳)

”اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جاہلیت کے بناؤ سنگھارا اختیار نہ کرو۔“

ان بے پردہ حماموں میں جانے کی ممانعت کے بارے میں ایک صحیح حدیث بھی
آئی ہے۔ ابو اسحاق بن اسامہ کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شام کی کچھ عورتیں آئیں۔
عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ”تم کون ہو؟“

وہ کہنے لگیں ”ہم سب شام کی عورتیں ہیں۔“

فرمایا: ”کیا تمہارا اس گروہ سے تعلق ہے جو حماموں میں جاتی ہیں؟“

عورتوں نے کہا ”جی ہاں!“

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

﴿مَنْ امْرَأَةٌ تَخْلَعُ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِهَا إِلَّا هَتَكَتْ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ
اللَّهِ تَعَالَى﴾^۱

”جو عورت اپنے گھر کے علاوہ (بغیر شرعی عذر کے) دوسری جگہ کپڑے اتارتی

ہے تو وہ اپنے اور اللہ کے درمیان تعلق کو کاٹ دیتی ہے۔“

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُدْخِلَنَّ حَلِيلَتَهُ
الْحَمَّامَ﴾^۲

۱۔ احسن ابوداؤد کتاب الحمام باب النهی عن دخول الحمام (۳۰۱) وقال الترمذی

حسن

۲۔ أخرجه احمد ۳/۳۳۹ بأطول من هذا اللفظ والنسائی ۱/۱۹۸ بسند صحيح

”جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ ہونے دے۔“

یہ تسلیم ہے کہ بعض عفت مآب پاک دامن عورتیں شدید مجبوری کی وجہ سے ان حمامات میں جاتی ہیں لیکن ان کے لیے چھ شرطیں ہیں:-

- ① یہ جانا انتہائی ضروری ہو اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو۔
- ② ایسا مکان ہو جہاں اس کی عفت و عصمت کے لیے مکمل امان ہو۔
- ③ اس حمام کو چلانے والی عورتیں ہوں جو پاک دامن ہوں کسی کے راز کو پھیلانے والی نہ ہوں اور نہ ہی لوگوں کے سامنے عورتوں کی صفات بیان کرنے والی ہوں۔
- ④ کسی عورت کے سامنے بھی وہ اپنی شرمگاہ نہ کھولے۔
- ⑤ وہ بذات خود بھی کسی کی شرمگاہ کو نہ دیکھے۔
- ⑥ سوائے شرعی ضرورت کے کسی عورت کو بھی اپنے نازک جسم پر ہاتھ نہ لگانے دے۔

چونکہ آج کل یہ شرائط عام طور پر مفقود ہیں لہذا بہتر یہی ہے کہ مسلمان عورت اپنے گھر میں ہی رہے اور کوشش کرے کہ اسے ایسی دوا مل جائے جو حمام میں جانے کے بغیر ہی اس کا کام کر دے۔ جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے کشادگی پیدا کر دے گا اور اسے بغیر حساب کے وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان تک نہ ہوگا۔

امام نووی نے کہا:

”آج کل یہ بات عام ہو گئی ہے کہ لوگ حماموں میں جمع ہوتے ہیں اور اس میں غفلت بھی بہت زیادہ ہوتی جا رہی ہے لہذا ان لوگوں پر یہ واجب ہے کہ اپنی نظر اور ہاتھ کی حفاظت کریں نہ دوسرے کی شرمگاہ دیکھیں اور نہ ہی کسی اور کو اپنی شرمگاہ دیکھنے دیں۔“

غسل میت میں کتاب و سنت کی مخالفتیں

بہت سے مرد فوت شدہ عورتوں کو نہلاتے ہیں یا جب عورتیں نہلا رہی ہوتی ہیں تو اور وہاں پہنچ جاتے ہیں۔

یہ عمل شرعاً ناجائز ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس کے مرنے کے بعد نہلائے، خاص طور پر جب کہ نہلانے والی عورتیں بھی موجود ہوں۔

جو علماء اسے جائز سمجھتے ہیں ان کی دلیل مسند احمد (۲۲۸/۶) کی وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ان سے کہا تھا:

((مَا ضُرُّكَ لَوْ مِتَّ قَبْلِي فَغَسَلْتُكَ وَكَفَّنْتُكَ، ثُمَّ صَلَّيْتُ عَلَيْكَ وَدَفَّنْتُكَ))^۱

”تجھے کیا نقصان ہے؟ اگر تو مجھ سے پہلے مرگئی تو میں تجھے نہلاؤں گا اور کفن پہناؤں گا پھر تیری نماز جنازہ پڑھ کر تجھے دفن کروں گا۔“

یہ روایت ناقابل استدلال ہے کیونکہ اس کا راوی محمد بن اسحاق بن یسار ((فَغَسَلْتُكَ)) یعنی تجھے نہلاؤں گا کے الفاظ کے ساتھ منفرد ہے۔ یہی حدیث دوسری سند کے ساتھ صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن اس میں نہلانے کے الفاظ نہیں، یہ الفاظ صرف ابن اسحاق نے ہی بیان کیے ہیں۔ اگرچہ ابن اسحاق صدوق (سچا یعنی حسن الحدیث) تھا لیکن اس کی ایسی زیادات ناقابل قبول ہے جس سے شرعی حکم ثابت ہوتا ہو۔

اس سند کے ضعیف ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف بھی ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ بعض سلف صالحین سے یہ ثابت ہے کہ خاوند کا اپنی مردہ بیوی کو غسل دینا

۱۔ احسن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء في غسل الرجل وغسل المرأة زوجها
 (۱۳۶۵) ابن اسحاق صرح باسماع وللحديث شواهد. صاحب کتاب کی اس حدیث پر جرح

جائز ہے اور اس کے برعکس (کہ یہ جائز نہیں ہے) بھی سلف صالحین سے ثابت ہے۔ اس مسئلہ میں سفیان ثوری کا قول سب سے زیادہ محققانہ ہے:

”ہم کہتے ہیں کہ کوئی خاوند اپنی بیوی کو غسل نہیں دے گا کیونکہ وہ اس کے مرنے کے فوراً بعد اگر مرنے والی کی بہن سے شادی کر لے تو جائز ہے۔ دوسری طرف ہم یہ کہتے ہیں کہ بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ وہ ایامِ عدت میں ہے۔“^۱

(مصنف عبدالرزاق: ۳/۳۰۹)

میں کہتا ہوں کہ یہ بہت اعلیٰ تحقیق اور باریک بینی ہے۔ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا صالح، عبداللہ اور اثرم کی روایات میں یہی مسلک ہے۔

(الروایتین والوجہین للفاضی ابی یعلیٰ: ۱/۲۰۱)

کتب احادیث میں ایسے آثار موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاوند کو اس کے مرنے کے بعد غسل دے سکتی ہے۔ مثلاً

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

”اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف آپ کی بیویاں ہی غسل دیتیں۔“^۲

ابو ملیکہ سے روایت ہے کہ ”ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی نے غسل دیا، انہوں نے اس کی وصیت کی تھی۔“^۳

یاد رہے کہ اگر شرعی ضرورت ہو تو مرد کے لیے اپنی بیوی کو غسل دینا جائز ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کا لباس نہ اتارے بلکہ لباس کے اوپر سے ہی پانی بہا دے اور اسے نیگا

۱ [ابن اسحاق کے بارے میں راجح یہی ہے کہ احکام ہوں یا عقائد یا فضائل اگر وہ سماع کی تصریح کرے تو حسن الحدیث ہے۔]

۲ [حسن، ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسلہ (۳۱۴۱) و صححہ ابن حبان و الحاکم و الذہبی و غیرہم]

۳ [حسن، مصنف عبدالرزاق (۳/۳۰۸) یہ سند مرسل ہے لیکن طبقات ابن سعد (۳/۲۰۳-۲۰۴) وغیرہ میں اس کے بہت سے شواہد ہیں اور یہی بات مشہور ہے]

کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ

”ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ سفر کر رہا ہوتا ہے کہ وہ مرجاتی ہے وہاں کوئی

عورت نہیں ہے تو کیا اسے اس کا خاوند غسل دے سکتا ہے؟“

فرمایا: ”جی ہاں!“ پوچھا گیا ”وہ کیسے غسل دے گا؟“

فرمایا: ”پتھر کے اوپر سے پانی بہائے گا اس کا لباس نہیں اتارے گا۔“

(مسائل اسحاق النیسابوری: ۹۱۶)

اور اگر کوئی عورت مردوں کی جماعت میں فوت ہو جائے وہاں نہ اس کا خاوند ہو

اور نہ کوئی عورت (تو کیا کیا جائے)؟

احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ”اسے تیمم کرادیا جائے۔“

(مسائل اسحاق النیسابوری: ۹۱۸)



تیمم

تیمم کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

تیمم کا صحیح طریقہ

عبدالرحمن بن ابزی کہتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا ”میں ایک جگہ جنبی ہو گیا تھا وہاں پانی نہیں تھا؟“ (یہ سن کر) عمار بن یاسر نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ”آپ کو یاد نہیں ہے ہم ایک دفعہ سفر میں تھے اتفاق سے دونوں احلام کی وجہ سے جنبی ہو گئے تھے وہاں پانی نہیں تھا تو آپ نے غسل نہ کرنے کی وجہ سے نماز نہ پڑھی جبکہ میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز پڑھ لی تھی اور یہ بات جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”(اے عمار!) تیرے لیے (صرف) یہی کافی تھا۔“ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر مار کر ان میں پھونک دی پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کر لیا۔^۱

تیمم کے لیے یہی طریقہ مسنون ہے کہ ایک ہی دفعہ دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مار کر ان میں پھونکا جائے پھر ان کو چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیا جائے

تیمم کے لیے زمین پر دو دفعہ ہاتھ مارنا

اس مسئلہ کی حدیث شاذ اور ناقابل حجت ہے جسے ابو داؤد (۳۱۸) نے عمار بن یاسر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (پانی نہ ملنے کی وجہ سے) صبح کی نماز کے لیے مٹی سے تیمم کیا تھا۔ اپنی ہتھیلیاں مٹی پر مار کر انہوں نے اپنے چہروں کا

۱ [صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب هل یفغ (۳۳۸) صحیح مسلم، کتاب الحیض،

باب التیمم (۳۶۸)]

تیمم کے لیے زمین پر دو دفعہ ہاتھ مارنا

ایک بار مسح یعنی تیمم کیا تھا اور دوسری بار ضرب لگا کر اپنے کندھوں اور بغلوں تک ہاتھوں کا تیمم کیا تھا۔^۱

میرے خیال میں یہ روایت شاذ ہے کیونکہ ایک جماعت نے جس میں امام مالک بھی ہیں اسے امام زہری سے دو دفعہ ہاتھ مارنے کے ذکر کے بغیر بیان کیا ہے۔ دیکھئے سنن نسائی (۱/۱۶۷) وغیرہ۔ لہذا درج بالا روایت معلول ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”ابن عبدالبر نے کہا، غمار بن یاسر سے (بہت) زیادہ روایات ایک ضرب کے بارے میں آئی ہیں اور دوسروں والی تمام روایات مضطرب ہیں۔“

(التلخیص الحبیر ۱/۱۵۳)

اس کی تائید و تصدیق عبدالرحمن بن ابزی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ (زمین پر) ہتھیلیاں مار کر چہرے اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیتے تھے آپ سے نہ تو تیمم کی دو ضربیں ثابت ہیں اور نہ کہنیوں تک تیمم کرنا۔“

امام احمد نے کہا، جس نے کہنیوں تک تیمم کرنے کا قول اختیار کیا ہے اس نے اپنی طرف سے (دین میں) زیادتی کر دی ہے۔“ (زاد المعاد: ۱/۱۹۹)

ہر نماز کے لیے تیمم

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

[اس روایت کی سند صحیح ہے، نیل المقصود (۱/۱۱۳) مؤلف کتاب کا اسے معلول کہنا صحیح نہیں رہا مسئلہ تو لوگوں کے عمل پر مرفوع حدیث کو ہی ترجیح حاصل ہے لہذا مٹی کا مسح (تیمم) صرف چہرے اور ہتھیلیوں کا ہی کرنا چاہیے]

”نبی ﷺ سے ہر نماز کے لیے تیمم یا اس کا حکم ثابت نہیں ہے بلکہ تیمم کو مطلق طور پر وضو کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیمم کا حکم وضو کا حکم ہے سوائے اس کے کہ کوئی دلیل اس کے خلاف ثابت ہو جائے۔“

(زاد المعاد: ۱/۲۰۰)

میری تحقیق میں سلف صالحین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر نماز کے لیے تیمم کرے اور بعض اسے وضو کی طرح مطلق سمجھتے ہیں یعنی ان کے نزدیک تیمم سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ مجھے اس مسئلہ میں صحابہ کرام سے کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔ تمام روایات بلحاظ سند ضعیف ہیں۔ عبداللہ بن احمد (۱۴۰) اور اسحاق النیسابوری (۶۹) کی روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق ہے کہ ہر نماز کے لیے تیمم کرے۔ میرے خیال میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اچھی ہے اور اسی پر دل کا اطمینان اور جھکاؤ ہے کیونکہ یہ تحقیق عام دلائل کے موافق ہے۔ واللہ اعلم!

پٹیوں پر مسح

بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ زخمی عضو جس پر پٹی بندھی ہوئی ہو اس کا حکم کٹے ہوئے عضو کا ہے لہذا اس پر مسح نہیں کیا جائے گا۔ اسی مسلک کو حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ”المحلی (۲/۷۳، ۷۵)“ میں قوی اور شیخ البانی نے ”تمام المنة (۱۳۵)“ میں راجح قرار دیا ہے۔ اس بارے میں جتنی مرفوع احادیث آئی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ”اس باب میں کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے۔“

(السنن الكبرى: ۱/۲۲۸)

اس باب میں بہترین روایت وہی ہے جسے ابوداؤد (۳۳۶) نے جابر بن عبداللہ

الانصاری رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ

ہم ایک سفر پر جا رہے تھے کہ ہمارے ایک ساتھی کو سر میں پتھر لگا بعد میں اسے احتلام ہو گیا تو اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میں تیمم کر سکتا ہوں؟ تو انہوں نے کہا

کہ ہمارے خیال میں تجھے تیمم کی اجازت نہیں ہے کیونکہ تیرے پاس پانی موجود ہے۔ چنانچہ اس نے غسل کر لیا تو مر گیا۔ جب ہم نبی ﷺ کے پاس واپس آئے تو سارا ماجرا آپ کو بیان کیا، آپ نے یہ سن کر فرمایا:

«قَتَلُوهُ وَقَتَلَهُمُ اللَّهُ، لَوْ اِذْ لَمْ يَعْلَمُوا، فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ، اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ اَنْ يَّتِمَّمَ وَيَعَصِرَ، اَوْ يَعَصِبَ عَلٰى جُرْحِهِ خِرْقَةً، ثُمَّ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيَغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِهِ»
 ”اللہ انہیں ہلاک کرے انہوں نے اس (زخمی) کو قتل کیا ہے۔ اگر انہیں پتہ نہیں تھا تو پوچھ کیوں نہ لیا؟ حالانکہ اندھے کا علاج پوچھنا ہے۔ اس کے لیے یہ کافی تھا کہ تیمم کر لیتا اور زخم پر کپڑے کی پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی جسم کو دھو ڈالتا۔“

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر ”بلوغ المرام (۱۱۶)“ میں فرماتے ہیں کہ اس میں ضعف ہے اور راویوں کا اختلاف بھی ہے۔

میرے نزدیک بھی یہی بات ہے کیونکہ زبیر بن خریق ضعیف ہے، اس کے بارے میں ابوداؤد اور دارقطنی نے کہا، کہ قوی نہیں ہے اور رہا راویوں کا اختلاف تو اس کی تفصیل میں نے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الداء والدواء“ کی تخریج میں کی ہے، لہذا اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

میں نے یہ حدیث یہاں اس لیے ذکر کی ہے کہ استاد محمد عبدالسلام خضر الشقیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”السنن والمبتدعات“ (ص ۲۸) میں پٹیوں پر مسح کے جواز پر اس ضعیف روایت سے یہ کہتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن پٹیوں پر مسح کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں اگر آثار صحابہ کو چھوڑ کر ضعیف احادیث سے استدلال کیا جائے تو اسی طرح بدعات کو پروان چڑھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ پٹیوں پر مسح جائز ہے تو یہ بالکل صحیح ہے اور علماء کے دو متضاد اقوال

میں سے راجح بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نافع سے بیان کیا کہ ”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وضو کیا، آپ کی ہتھیلی پر پٹی بندھی ہوئی تھی، آپ نے پٹیوں پر مسح کیا اور باقی حصہ دھو ڈالا۔“ (السنن الکبریٰ: ۱/۲۲۸)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ
 ”یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح و ثابت ہے۔“



مساجد

مساجد کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

یہ بہت وسیع باب ہے اس میں ایسی ایسی بدعات ہیں جو کبیرہ گناہوں بلکہ شرک تک پہنچ جاتی ہیں۔ والعیاذ باللہ! اس کی شکایت ہم اللہ ہی سے کرتے ہیں۔
لوگوں کے نزدیک بدعت سنت بن گئی اور سنت بدعت، حقیقی علم دن بدن کم ہو رہا ہے اور اللہ کے دوست اور فرمانبردار اپنے اپنے معاشروں میں اجنبی بن گئے ہیں۔ اللہ کے دشمن اور جھگڑالو لوگ بڑی کثرت اور طاقت کے مالک ہیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور اللہ کا فیصلہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ اس باب میں توحید کو ختم کرنے والی طاقتور اور مطلق طور پر شدید ترین بدعت انبیاء و صالحین کی مساجد میں قبریں بنانا ہے۔

انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنانا

ان لوگوں کے بارے میں ابلیس کا پرانا گمان سچ ثابت ہوا، اس نے ان لوگوں کو اسی پرانی چال سے گمراہ کیا جس کے ساتھ وہ قوم نوح کو گمراہ کر چکا تھا۔
اس قوم نوح کے سامنے نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ اس بہانے بنایا تھا کہ اس طرح ان کی یاد دلوں میں تروتازہ رہے گی اور لوگوں کی ہمتیں بھی بلند رہیں گی۔ زمانہ گزرتا رہا، علم کم ہوتا رہا اور جہالت پھیلتی رہی، پھر اس نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ اب ان قبروں کی عبادت کرو تو وہ اس عبادت میں لگ گئے۔ اس ابلیسی چال اور دھوکے سے ڈراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

﴿وَقَالُوا لَا تَنْدِرُنَّ الْهَيْتَكُمْ وَلَا تَنْدِرُنَّ وَا وَلَا سَوَاعَا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ

وَنَسْرًا﴾ (نور: ۲۳)

”اور انہوں (یعنی مشرکوں) نے کہا کہ اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو نہ ود کو چھوڑو

نہ سواع کو اور نہ یعوث یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔“

اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((أَسْمَاءُ الرَّجَالِ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنْ أَنْصِبُوا إِلَى فَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمُّوْهَا بِأَبَائِهِمْ، فَفَعَلُوا حَتَّى إِذَا هَلَكَ أَوْلِيكَ وَتَنَسَخَ الْعِلْمُ، عُبِدَتْ))^۱

”یہ پانچوں نام نوح کی قوم کے نیک لوگوں کے ہیں جب یہ (اچانک) مر گئے تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن مجالس میں یہ نیک لوگ بیٹھتے تھے وہاں نشانی کے طور پر پتھر نصب کر کے ان پتھروں کے نام ان لوگوں کے نام پر رکھ لو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر جب یہ نسل ختم ہوگئی اور علم ختم ہو گیا تو لوگوں نے ان (پتھروں) کی عبادت شروع کر دی۔“

اور اسی طریقے سے یہ شرکیہ بدعت یہودیوں اور نصرانیوں میں شروع ہوئی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کنیسا (عیسائی عبادت خانے) کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا اور جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ ام سلمہ نے کہا کہ اس میں تصویریں بھی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَوْلِيكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَ، أَوْلِيكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ))^۲

”ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے اور وہاں یہ تصویریں بنا کر رکھ دیتے تھے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک اس کی

^۱ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورة نوح: ۴۹۲۰

^۲ صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب الصلوة فی البیعة (۳۲۶، ۳۳۳) صحیح مسلم،

المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور (۵۲۸)

مخلوق میں سب سے زیادہ برے ہیں۔“

اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر اندھا دھند چلے گی، حتیٰ کہ اگر وہ سوہمار (گوہ) کے سوراخ میں داخل ہوئے تھے تو یہ لوگ بھی داخل ہوں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔^۱

آپ نے پوری توجہ اور سختی کے ساتھ اس مشرکانہ اور کافرانہ بدعت یعنی قبر پرستی سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدًا))^۲

”اللہ تعالیٰ یہودیوں کو تباہ کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں

(اور جگہ گاہ) بنا لیا تھا۔“

آپ نے درج ذیل الفاظ میں بھی اپنی قبر کو مسجد، مزار اور عید (میلہ گاہ) بنانے

سے منع فرمایا:

((لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ))^۳

”میری قبر پر میلے نہ لگانا اور تم مجھ پر درود پڑھنا کیونکہ تم جہاں بھی ہو تمہارا

درود (یعنی ثواب) مجھے پہنچے گا۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا:

”رسول اللہ ﷺ کی قبر زمین پر سب سے افضل قبر ہے، آپ ﷺ نے اسے

۱ [صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (۳۴۵۶) صحیح

مسلم، کتاب العلم، باب اتباع سنن الیہود والنصاری (۲۶۶۹)]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب (۴۳۷) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب

النہی عن بناء المسجد علی القبور (۵۳۰)]

۳ [حسن، ابوداؤد، کتاب المناسک، باب زیارة القبور (۲۰۳۲) ابن نافع حسن الحدیث

کما فی نیل المقصود (۳۳۸) وللحدیث شواہد]

بھی میلہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے تو دوسری قبروں پر میلے اور عرس وغیرہ

بالاولیٰ ناجائز ہیں۔“ (اغاثۃ اللہفان لابن القیم: ۱/ ۲۱۱)

آپ ﷺ اپنی مبارک زندگی کے آخری لمحوں تک قبر پرستی سے ڈراتے رہے حتیٰ

کہ جان کنی کے عالم میں بھی آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِهِمْ
مَسَاجِدَ))^۱

”اللہ کی یہودیوں اور نصرا نیوں پر لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو

سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔“

اس وقت بھی آپ اہل کتاب کے اس طرز عمل سے ڈرا رہے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”گویا آپ کو اس کا علم ہو گیا تھا کہ آپ اس بیماری میں دنیا سے رحلت

فرمانے والے ہیں تو آپ کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں لوگ آپ کی قبر کی اس طرح

تعظیم شروع نہ کر دیں جیسی یہود و نصاریٰ نے کی تھی۔ آپ نے یہود و نصاریٰ

کو ملعون قرار دیا اس میں اس کا اشارہ ہے کہ قبر پرستی مذموم (حرام اور ملعون

لوگوں کا کام) ہے۔“ (فتح الباری: ۱/ ۴۲۳)

ابو مرشد الغنوی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تَصَلُّوا إِلَيْهَا))^۲

”نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو۔“

امام نووی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ

۱ [صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب: (۳۳۵-۳۳۶) صحیح مسلم، کتاب المساجد،

باب النهی عن بناء المسجد على القبور (۱۵۳۱)]

۲ [صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس على القبر والصلوة

”میں اس بات کو مکروہ یعنی حرام سمجھتا ہوں کہ کسی مخلوق کی قبر کی اتنی تعظیم کی جائے کہ اسے سجدہ گاہ بنا لیا جائے۔ اس سے فتنہ (شرک) کا خوف ہے اور بعد والے لوگ بھی فتنہ یعنی شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔“

(شرح صحیح مسلم: ۲/۲۳۲)

علاء الدین ابن العطار نے کہا:

”نبی ﷺ نے قبرستان میں اور قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے منع کیا ہے تاکہ لوگ انہیں اللہ کے سوا اوٹان (یعنی عبادت خانے) نہ بنا لیں۔“

(فضل زیارة القبور: ص ۳۸)

یہ مصیبت چاروں طرف چھا گئی ہے، قبروں پر مسجدیں بھی بن رہی ہیں اور مسجدوں میں قبریں بھی بنائی جا رہی ہیں۔ اس کی وجہ لوگوں کا یہ انتہائی غلط عقیدہ ہے کہ ان مقامات پر نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اس لیے وہ انتہائی سرتوڑ کوشش کر کے دور دراز سے سفر کر کے ان قبروں پر پہنچ کر نمازیں پڑھتے ہیں بلکہ اپنی پیشانیاں قبروں کی منڈیوں پر ٹیک دیتے ہیں، مکمل رکوع و قیام اور عاجزی، خوف و رجاء کے ساتھ وہاں داخل ہوتے ہیں اور اسی حالت میں اٹنے پاؤں باہر تشریف لاتے ہیں۔ اگر یہ شرک نہیں ہے تو پھر ساری دنیا میں شرک کا کہیں وجود نہیں ہے۔

مسلمانو! کس نے ان جابلوں کو اس حرام تبرک، ناجائز سفر اور غلط عبادت پر مجبور

کیا ہے؟

کیا ان کے پاس قرآن و حدیث کی دلیل ہے؟ ہرگز نہیں، ہمیں تو قرآن و حدیث میں توحید اور اتباع سنت کا حکم اور شرک و بدعت سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے۔ تو جو آنسو بہاتا ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار پر آنسو بہائے۔

اے شخص! اگر تیرے پاس عقل ہے تو فوراً توبہ کر، اپنی گزشتہ زندگی پر ندامت کا اظہار کر، اس سے ڈر کہ تو کہاں پہنچ چکا ہے؟ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ، اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا قائل و فاعل بن جا۔ اللہ تعالیٰ صحیح

العقیدہ مسلمانوں کو ہر بیماری اور شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین!)

مساجد کے ساتھ برکت کے حصول کی فضیلت

پر کوئی صحیح حدیث نہیں ہے سوائے تین مساجد کے
اے میرے پیارے مسلمان بھائی!

یاد رکھ کہ مسجد حرام (مکہ) مسجد نبوی (مدینہ) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) ان تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف تعظیم، تبرک اور فضیلت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ اس کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث میں ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا تُشَدُّ الرَّحَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، مَسْجِدِي هَذَا
وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى))^۱
” (ثواب کے لیے) سفر کرنا جائز نہیں سوائے تین مسجدوں کے، میری یہ مسجد
مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔“

ایک دوسری روایت میں ہے:

((إِنَّمَا يُسَافَرُ إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ وَمَسْجِدِي
وَمَسْجِدِ الْيَاءِ))^۲
” (ثواب کے لیے) سفر صرف تین مساجد کے لیے کیا جاتا ہے، خانہ کعبہ کی
مسجد، میری مسجد اور الیاس (نبی) کی مسجد یعنی مسجد اقصیٰ۔“

عام لوگ مال خرچ کر کے، خوب تکلیف برداشت کر کے خاص مسجدوں کی طرف
فضیلت، ثواب اور عبادت کے لیے پہنچتے ہیں۔ حالانکہ ان کی فضیلت پر کوئی دلیل نہیں
ہوتی بلکہ ایسی کئی مسجدیں قبروں پر بنی ہوتی ہیں جن سے قبر والوں کی تعظیم اور عبادت

۱ صحیح بخاری، کتاب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکة والمدینة، باب (۱۱۸۹) مسلم

کتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة (۱۳۹۷)

۲ مسلم، کتاب الحج (ایضاً)

مراد ہوتی ہے۔ یہ ساری باتیں ناجائز ہیں بلکہ ایسی بری بدعتیں ہیں جن سے ثابت شدہ سنتیں ختم ہو جاتی ہیں اور دین حنیف میں ان بدعات پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے ہاں ان کا رد موجود ہے۔

جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان بدعات کے رد اور قلع قمع کے لیے سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں آپ کی سیرت مطہرہ سے ملتا ہے۔
 معروف بن سوید نے کہا کہ ہم عمر بن خطاب کے ساتھ حج کے لیے جا رہے تھے راستے میں ایک مسجد آگئی، لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لیے دوڑ پڑے، جناب عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہا گیا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاتِّبَاعِهِمْ مِثْلَ هَذَا، حَتَّى أَحَدَثُواهَا بَيْعًا، فَمَنْ عُرِضَتْ لَهُ فِيهِ صَلَاةٌ فَلْيُصَلِّ وَمَنْ لَمْ تَعْرِضْ لَهُ صَلَاةٌ فَلْيَمُضْ))^۱

”اے لوگو! تم سے پہلی قوموں کو انہی حرکتوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا حتیٰ کہ انہوں نے ان مقامات کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا، جو آدمی یہاں سے گزرے اور نماز کا وقت ہو تو (فرض) نماز پڑھ لے اور اگر نماز کا وقت نہ ہو تو (چپ چاپ) گزر جائے۔“

یہ حکم اس مسجد کے لیے ہے جہاں قبر نہ ہو۔ اس کا حکم عام مساجد کا حکم ہے بغیر کسی دلیل کے اسے عبادت کے لیے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ اپنے آپ کو خواہ مخواہ کے تکلفات میں نہ ڈالو۔

جلیل القدر ائمہ دین کا یہی طرز عمل رہا ہے۔ محمد بن وضاح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
 ”امام مالک بن انس اور دیگر علمائے مدینہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ان مساجد و آثار کے پاس جانے کو مکروہ یعنی حرام سمجھتے تھے، سوائے ”احد پہاڑ اور مسجد

قبا کے۔“ میں نے علماء سے سنا ہے کہ سفیان ثوری بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہوئے وہاں انہوں نے نماز پڑھی لیکن انبیاء و صالحین سے منسوب دیگر آثار پر تشریف نہ لے گئے اور نہ کسی دوسرے مقام پر نماز پڑھی۔ یہی فعل دیگر جلیل القدر علماء سے ثابت ہے۔ وکیع بن الجراح جب بیت المقدس میں گئے تو سفیان ثوری کے طرز عمل کی تردید نہیں کی بلکہ تائید کی۔ تمہارے اوپر یہ لازم ہے کہ ان مشہور علمائے حق کے طرز عمل کو اختیار کرو کیونکہ یہ طرز عمل قرآن و حدیث کے بالکل مطابق ہے۔ بعض علماء کا کتنا بہترین قول ہے:

”آج کتنے ہی ایسے کام ہیں جن پر لوگوں کی اکثریت نیکی سمجھ کر عمل پیرا ہے حالانکہ اگلے زمانے میں انہی کاموں کو منکر اور ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ لوگ ایسے طریقے اختیار کر رہے ہیں جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اور صراط مستقیم سے لوگوں کو یہ طریقے دور لے جا رہے ہیں۔ یاد رکھو ہر بدعت کو خوبصورت اور شاندار بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔“ (البدع والنہی عنہا: ص ۴۳)

لوگوں کا بعض مقامات، درختوں اور کنوؤں سے اس عقیدہ کے ساتھ تبرک

پکڑنا کہ یہاں کوئی نبی یا نیک بندہ آیا تھا

رافض حضرات کربلا کی مٹی سے اندھا دھند تبرک حاصل کرتے ہوئے اس کے ایسے ٹکڑے بنا لیتے ہیں جن پر ثواب کے لیے سجدے کرتے ہیں اسی طرح اپنے آپ کو پکا ”اہل سنت“ سمجھنے والے بعض لوگ انبیاء یا نیک لوگوں سے منسوب قدموں کے آثار اور درختوں وغیرہ سے پورا تبرک حاصل کرتے ہیں ان کے فاسد خیال میں یہاں عبادت کرنے میں بڑا اجر اور فضیلت ہے۔ حالانکہ جن لوگوں نے مشرکین کی مشابہت میں ذات انواط کے درخت کو بطور تبرک مقرر کرنے کی درخواست کی تھی ان پر نبی ﷺ نے سختی سے رد و انکار فرمایا تھا۔

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

”رسول اللہ ﷺ جب خیبر کی طرف جا رہے تھے تو ایک درخت کے پاس

سے گزرے جسے ذات انواط کہا جاتا تھا، اس پر مشرکین اپنے ہتھیار تبرک کے لیے لٹکاتے تھے۔ بعض لوگوں نے جوئے نئے مسلمان ہوئے تھے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے بھی ان لوگوں جیسا ذات انواط یعنی درخت مقرر کر دیں تاکہ ہم وہاں برکت کے لیے اسلحہ لٹکائیں تو دشمن پر فتح حاصل ہو۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا:

((سُبْحَانَ اللَّهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَىٰ: اجْعَلْ لَنَا آلِهَةً كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ))^۱

”سبحان اللہ! یہ تو وہی بات ہے جو موسیٰ کی قوم نے کہی تھی کہ جس طرح ان (مشرکوں) کے خدا ہیں ہمارا بھی ایک خدا بنا دے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم (یعنی بعض امت محمدیہ) اگلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) کے نقش قدم پر ضرور چلو گے۔“

اس کی شرح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”کفار جس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اس کا اعتکاف کرتے تھے نبی ﷺ نے اس درخت کی مشابہت تک کی بھی مخالفت کی۔ آپ سوچیں کہ جو لوگ مشرکین کی پوری پوری مشابہت کر رہے ہیں کیا یہ بعینہ شرک نہیں ہے؟“ (اقتضاء الصراط المستقیم: ص ۲۴۸)

جناب عمر بن خطاب سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے بیعت رضوان والے درخت کو جس کے نیچے لوگوں نے نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں فتنہ کے ڈر سے کٹوا دیا۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو کہا:

۱ صحیح سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلکم (۲۱۸۰)

و صححه الترمذی وابن حبان [

۲ [ضعیف البدع والنہی عنها لابن وضاح (۱۰۷) اس کی سند منقطع ہے۔]

”اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھتا تو تجھے کبھی نہ چومتا۔“
یہ اس لیے کہ فضیلت تبرک اور ثواب کی بنیاد دین حق کی اتباع میں ہے بدعات کے ذریعے تو شرک اور گمراہی کے چوردروازے کھل جاتے ہیں۔

غصب شدہ زمینوں پر مسجدیں بنا کر یہ سمجھنا کہ اب گناہ دھل چکا ہے
اللہ کی قسم یہ وہ حیلہ ہے جس کے ذریعے اللہ اور اس کے بندوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی جاتی ہے اس لیے کہ غصب شدہ زمین جب تک اس کے مالک کو واپس نہ لوٹا دی جائے پاک نہیں ہوتی اس پر مسجدیں بنانے یا وقف کرنے سے اس کا گناہ کم نہیں ہوتا۔

فخر و تکبر کی بنا پر مسجدیں تعمیر کرنا اور ان کی نقش و نگاری

یہ بھی بدعت ہے کہ بعض لوگ یہود و نصاریٰ کی تقلید میں اپنی مسجدوں کی نقش و نگاری اور زیب و زینت میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں ان کنیساؤں (عیسائی عبادت خانوں) کا ذکر ہے جنہیں انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور جن میں تصویریں تھیں ان لوگوں پر رسول اللہ ﷺ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

”ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے اور وہاں یہ تصویریں بنا کر رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ برے ہیں۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
جو شخص ان مشرکین کے راستے پر گامزن ان کے مذہب پر راضی اور ان کے طرز عمل کا دیوانہ ہے وہ انہی جیسا مشرک ہے اور ان کی جماعت سے ہی اس کا تعلق ہے۔
آدمی اپنے دوستوں کے ساتھ پہچانا جاتا ہے جو جس سے سچی محبت کرے گا اس کا حشر

ل [صحیح بخاری، کتاب الحج، باب تقبیل الحجر الأسود (۱۲۱۰) صحیح مسلم، کتاب الحج،

باب استحباب تقبیل الحجر الأسود فی الطواف (۱۲۷۰)]

بھی اس کے ساتھ ہوگا، کسی قوم سے مشابہت کرنے والا انہی میں سے ہوتا ہے۔
 آج کل لوگ مسجدوں کی کثرت اور نقش و نگاری میں از حد مبالغہ کر رہے ہیں، ہر
 گلی کوچہ میں ایک مسجد کھڑی ہے حتیٰ کہ بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں ہر دس میٹر کے
 بعد ایک بلند و بالا مسجد موجود ہے، اس طرز عمل نے مسلمانوں کو فرقہ پرستی اور گروہ بندی
 میں مبتلا کر دیا ہے، ایسی مسجدیں بنانے والے اکثر لوگ دنیاوی مقاصد پیش نظر رکھتے
 ہیں۔ ان کے خیال میں اس عمل سے ان پر عوام الناس میں صالحین کا ٹھہر لگ جائے گا یا
 نیک کار اور مصلح کے نام سے چار سو مشہور ہو جائیں گے۔ بعض لوگ انکم ٹیکس وغیرہ سے
 بچنے کے لیے یہ عظیم الشان مسجدیں تعمیر کرتے ہیں، مقصد صرف دنیا کی عزت اور شہرت
 ہے اور بس!

جو شخص صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائے گا تو اس کے بارے میں

حدیث شریف میں آیا ہے کہ

((مَنْ بَنَى مَسْجِدًا يَتَّبِعِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي
 الْجَنَّةِ))^۱

”جو شخص نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کوئی مسجد بنائی تو اللہ اس کے لیے
 جنت میں ایسا ہی گھر بنا دے گا۔“

اور جس شخص نے ریا دکھاوے اور سستی عوامی شہرت کے لیے مسجد بنائی تو اس
 کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهُ بِهِ، وَمَنْ يَرَأِي يَرَأَى اللَّهُ بِهِ))^۲

”جو شخص لوگوں کو اپنی (بزرگی اور پارسائی) سناے گا اللہ تعالیٰ اس کی

۱ [صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب من بنى مسجدا (۴۵) صحیح مسلم، کتاب

المساجد، باب فضل بناء المساجد والحث علیها (۵۳۳)]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة (۶۴۹۹) صحیح مسلم، الزهد، باب

من اشراط فی عمله غیر اللہ (۲۹۸۷)]

برائیاں لوگوں) کو سنا دے گا اور جو دکھاوا کرے گا اللہ (بھی) اسے ذلت و رسوائی اور عذاب دکھا دے گا۔“

سلف صالحین نے مساجد کی نقش نگاری سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنی مساجد کی) نقش و نگاری کی تھی تم بھی ایسی ہی نقش و نگاری کرو گے۔“^۱

ابوسعید القمری نے کہا: ”جب تم اپنی مسجدوں کی نقش و نگاری کرو گے۔ قرآن مجید کے نسخوں پر زیور چڑھاؤ گے تو تمہارا اختتام آ جائے گا۔“^۲

مسلم البطین نے ایک مزمین مسجد کو دیکھ کر کہا: ”یہ فلاں قبیلے کا بیعتہ (یعنی یہود کا عبادت خانہ) ہے۔“^۳

یعنی یہ یہود اور عیسائیوں کے عبادت خانوں کے مشابہ ہے۔ مسلم البطین اس طرز عمل سے ڈرا رہے تھے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مساجد تو اللہ کی پسندیدہ جگہیں ہیں۔ لہذا اگر کوئی شخص اللہ کا تقرب اور رضا مندی چاہتا ہے تو کیوں نہ انہیں خوبصورت ترین بنانے کے لیے نقش و نگاری کرے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقرب وہی مقبول ہے جس پر شریعت میں دلیل ہو۔ مساجد کی تزئین اور نقش و نگاری کے مبالغہ پر شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس بات پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا سابق قول بھی دلیل ہے جو کہ حکماً مرفوع ہے (یعنی ظن غالب یہی ہے کہ انہوں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سنی ہے۔ واللہ اعلم)

۱ [حسن، ابوداؤد، الصلوٰۃ: باب فی بناء المساجد ح ۴۴۸ وعلقہ البخاری فی صحیحہ (ح ۴۴۶)]

۲ [ضعیف، مصنف ابن ابی شیبہ، نسخہ مرقمہ ج ۱ ص ۲۴۴ ح ۳۱۴۸ باب فی ازینۃ المساجد وما جاء فیہا، محمد بن محمد بن ملس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔]

۳ [ضعیف، ابن ابی شیبہ ایضاً ح ۳۱۴۹ سفیان ثوری ملس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔]

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد بنانے کا حکم دیا اور فرمایا: ”لوگوں کے لیے بارش سے بچاؤ کا بندوبست کر لو۔ خبردار! اسے سرخ یا زرد رنگ نہ لگانا ورنہ لوگ فتنے میں پڑ جائیں گے۔“^۱

تعمیر اور تزئین میں یہ مبالغہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد (نبوی) اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے ستون کھجور کے تنوں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں پر مشتمل تھی۔ اس مسجد میں ابو بکر صدیق نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ (نمازیوں کی زیادتی کی وجہ سے) عمر رضی اللہ عنہ نے انہی خطوط پر مسجد نبوی میں اضافہ کیا۔ بعد میں جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے بدلا کر اس میں کئی اضافے کئے۔ اس کی دیوار اور ستونوں کو پتھروں اور چونے کے ساتھ تعمیر کر کے اس پر نقش و نگاری کی۔ اس کی چھت بہترین لکڑی سے بنا دی۔“^۲

اللہ آپ کو (اور ہمیں) سنت پر ثابت قدم رکھے، اس پر غور کریں کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں عظیم الشان فتوحات اور مال کی فراوانی کے باوجود خلفائے راشدین نے مساجد کی تعمیر اور زینت میں مبالغہ نہیں کیا۔ خاص طور پر بے شمار فضیلتوں والی مسجد نبوی میں بھی یہ کام نہیں کیا گیا۔

رہا جناب عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل تو اس کا مقصد صرف مضبوطی تھی تا کہ کافی عرصہ تک مسجد کی اصلاح کی ضرورت نہ رہے۔

ہاں یہ بات مستحب اور باعث ثواب ہے کہ مساجد کو پاک و صاف رکھا جائے۔ ان کے اندر جھاڑو دیا جائے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ:

۱ [صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ: باب بنیان المسجد ح ۴۴۶]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ: باب بنیان المسجد ح ۴۴۶]

”ایک عورت مسجد سے کپڑوں کے ٹکڑے اور چھوٹی موٹی لکڑیاں اٹھاتی تھی۔“^۱
انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی طرف، تھوک دیکھا۔ ناراضگی کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ ایک عورت نے اسے پونچھ کر صاف کر دیا اور تھوک کی جگہ خوشبو لگا دی۔ (یہ دیکھ کر) آپ نے فرمایا: ”ما احسن هذا“ یہ کتنا خوبصورت ہے!“^۲
ام المؤمنین عائشہ (صدیقہ) رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنے اور انہیں صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا ہے۔^۳
اس قسم کے دلائل کی وجہ سے علماء، مسجدوں کی صفائی کو مستحب بلکہ واجب سمجھتے ہیں۔

مسجد میں تھوکنے اور اسے صاف کرنے اور مٹانے کے بغیر چھوڑ دینا

مسجد کا مقصد عبادت اور اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے۔ لہذا مسجد کی صفائی اور دیکھ بھال واجب ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس میں گندگی پھیلانا اس کی توہین ہے جو کہ عبادت کی توہین پر مستلزم ہے۔ اس طرح سے بعض لوگوں کے دلوں میں سے مسجد اور اسلامی شعائر کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ اس سے اللہ ہم سب کو بچائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام (یعنی مسجد میں تھوکنے) سے سختی کے ساتھ ڈرایا ہے۔
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں، قبلہ کی طرف تھوک دیکھا تو لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا:

((ما بال احدکم یقوم مستقبل ربہ فیتنخع امامہ؟ ایحب

۱ [صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، ص ۲۴۲، ح ۱۳۰۰]

۲ [ضعیف سنن ابن ماجہ، المساجد، باب کراهیۃ النخامۃ فی المسجد ح ۶۶۲، حید

ارطویل مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔]

۳ [صحیح، ابوداؤد، الصلوٰۃ، باب اتخاذ المساجد فی لدور ح ۳۵۲، ۳۵۵]

احدکم ان یستقبل فیتنخع فی وجہہ؟ فاذا تنخع احدکم فلیتنخع عن یسارہ او تحت قدمہ، فان لم یجد فلیسقل ہکذا“ فتفل فی ثوبہ، ثم مسح بعضہ علی بعض^۱۔

”تمہیں کیا ہو گیا ہے اپنے رب کے سامنے (کھڑے ہو کر عبادت کے وقت) قبلہ کی طرف تھوک رہے ہو؟ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے چہرے پر تھوکا جائے؟ جب کسی کو (نماز میں) تھوک آجائے تو (اگر مسجد کچی ہو تو) بائیں طرف اپنے (بائیں) قدم کے نیچے تھوک لے۔ یا پھر (اگر مسجد کچی نہ ہو) تو اس طرح اپنے کپڑے (مثلاً چادر رومال) پر تھوک کر لپیٹ لے۔ آپ نے یہ بات عملاً بھی سمجھائی۔“

اس سے زیادہ شدید یہ فعل ہے کہ تھوک کے بعد اسے دُفن (یا پونچھ کر صاف) نہ کیا جائے چاہے تھوکنے والا خود ہو یا دوسرا آدمی اسے دیکھ لے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((البزاق فی المسجد خطیئة و کفار تھا دفنہا))^۲

”مسجد میں تھوکنے گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دُفن (یا صاف) کرنا ہے۔“

ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عرضت علی اعمال امتی، حسنہا و سیئہا فوجدت فی

محاسن اعمالہا الأذی یماط عن الطریق، ووجدت فی

مساویئ اعمالہا النخاعة تکون فی المسجد ولا تدفن))^۳

” (ایک دفعہ) مجھے امتوں کے اچھے اور برے اعمال دکھائے گئے میں نے

۱ [صحیح مسلم، المساجد: باب النهی عن البزاق فی المسجد ح ۵۵۰]

۲ [صحیح مسلم، ایضاً ح ۵۵۲ و صحیح بخاری، کتاب الصلوة: باب کفارة البزاق

فی المسجد ح ۴۱۵]

۳ [صحیح مسلم، المساجد: باب النهی عن البزاق فی المسجد ح ۵۵۳]

اچھے اعمال میں سے دیکھا کہ تکلیف دینے والی چیز (مثلاً پتھر، کانٹے وغیرہ) کو راستے سے ہٹایا جا رہا ہے۔ اور امتوں کے برے اعمال میں اس تھوک کو دیکھا جو مسجد میں بغیر ذفن (یا صفائی) کے پڑا ہوا ہے۔“

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں تھوکنے حرام ہے اور اس کا کفارہ (اور تلافی) اسے مٹا کر ہی ہو سکتی ہے۔ تھوکنے والا اگر اسے مٹائے نہیں تو گنہگار ہے۔

دوسری حدیث اپنے عموم کے لحاظ سے ہر اس شخص کو شامل ہے جو مسجد میں، تھوک کا مشاہدہ کر لیتا ہے مگر اسے مٹانے کی کوشش نہیں کرتا۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ:

”اس کے ظاہر (یعنی عموم) سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار صرف تھوکنے والا نہیں۔ بلکہ ہر وہ شخص ہے جو اسے دیکھ لے مگر اسے صاف کرنے اور مٹانے کی کوشش نہ کرے۔“ (شرح صحیح مسلم ۵/۴۲)

امام نووی کی تائید عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف والی دیوار پر تھوک دیکھا تو اسے خود مٹا دیا۔^۱

اگرچہ یہ فعل ہے جو وجوب پر دلیل نہیں تاہم اس سے سابق حدیث کے مفہوم کی تائید ضرور ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

لہسن، پیاز، وغیرہ بدبودار چیزیں کھا کر مسجد پہنچنا بدبودار چیزیں مثلاً لہسن، پیاز وغیرہ کھا کر مسجد جانے کی ممانعت صحیح احادیث میں موجود ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من اكل ثوما او بصلا فليعتزلنا۔ او فليعتزل مسجدنا۔ او ليقعد في بيته))^۲

۱ [صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ: باب حك البزاق باليد من المسجد ح ۴۰۶ و صحیح

مسلم المساجد: باب النهی عن البصاق فی المسجد ح ۵۴۷]

۲ [صحیح بخاری، الاذان: باب ما جاء فی الثوم النبی والبصل والکراث ۸۵۵ و

صحیح مسلم المساجد: باب نهی من اكل ثوما أو بصلاً ح ۵۶۳]

”جو شخص کچا لہسن یا پیاز کھالے تو ہماری مسجد یا مجلس میں نہ آئے بلکہ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

((من اكل البصل و الثوم و الكراث فلا يقربن مسجدنا فان

الملائكة تناذى مما يتاذى منه بنو آدم))

”جو شخص تھوم، پیاز یا گندنا کھائے تو ہماری مسجد میں نہ آئے۔ جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔“

اس کی تشریح میں امام نووی نے کہا:

”یہ حدیث اس بات کی صریح دلیل ہے کہ تھوم یا اس جیسی (بدبودار) چیزیں کھا کر مسجد جانا ممنوع ہے تمام علماء اس بات کے قائل ہیں۔ تاہم (یاد رہے کہ) یہ دلیل مسجد جانے سے ممانعت پر مبنی ہے لہسن پیاز نہ کھانے پر نہیں کیونکہ ان سبزیوں کے حلال ہونے پر قرآن و حدیث کے ساتھ اجماع (بھی) ہے۔ (یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ) لہسن، پیاز اور گندنا کے ساتھ وہ تمام چیزیں کھا کر مسجد آنا بھی ممنوع ہے جن کی بدبو ہوتی ہے۔“

(ش ح صحیح مسلم ۵/۳۶، ۳۷)

یاد رہے کہ ان احادیث میں ممانعت کا تعلق کچی اشیاء سے ہے۔ اگر پکا کر ان کی بدبو ختم کر دی جائے تو یہ چیزیں کھا کر مسجد جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اے لوگو! تم میرے خیال میں، دو خبیث پودوں، لہسن اور پیاز سے کھا کر مسجد آئے ہو۔ حالانکہ میں دیکھتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے تھے تو ایسے شخص کو مسجد سے نکال کر بقیع (کے دور مقام) تک پہنچا دیا جاتا تھا جس سے بدبو آتی

لہسن کی قسم کی ایک تیز بدبودار سبزی ہے۔

تھی۔ پس جو شخص ایسی چیزیں کھانا چاہے تو پہلے انہیں خوب پکا کر ان کی بدبو ختم کر دے۔“^۱

اسی طرح شریعت میں اس بات کی سہولت ہے کہ بیماری کے علاج کے لیے یہ اشیاء کھا کر مجلس میں جانا جائز ہے۔ اس کی دلیل مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ: میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ نے لہسن کی بدبو محسوس کی تو پوچھا ”کس نے لہسن کھایا ہے“ میں نے آپ کا ہاتھ لے کر اپنے سینے پر رکھا جہاں پٹیاں بندھی ہوئی تھیں تو آپ نے فرمایا:

((ان لك عذرا))

”تو معذور ہے۔“^۲

یہ چند منکرات ہیں جن کا تعلق مسجد کی صفائی اور پاکیزگی سے ہے۔ اب چند اور منکرات کا تعارف سن لیں۔

مسجد میں گم شدہ جانور تلاش کرنا

مسجد میں تو عبادت، نماز اور ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں۔ نہ کہ گم شدہ جانوروں کی تلاش کے لیے آوازیں لگانا اور شور مچانا!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ:

((من سمع رجلا ینشد ضالۃً فی المسجد فلیقل: لاردها

^۱ صحیح مسلم۔ المساجد باب النہی من اکل ثوما او بصلا ح ۵۶۷ المساجد ۱

^۲ [و اسنادہ صحیح، ابو داؤد، الاطعمۃ: باب فی اکل الثوم ح ۳۸۲۶]

^۳ جو حیوان (مثلاً اونٹ، گائے وغیرہا) گم ہو جائے اسے ضالۃ کہتے ہیں، المصباح المنیر بحوالہ عون المعبود ج ۱ ص ۱۷۷ غیر حیوان کو (ضالہ نہیں بلکہ) ضائع اور لقیط کہتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں حیوان تلاش کرنا منع ہے۔

اللہ علیک، فان المساجد لم تبین لهذا)۔
 ”جو شخص کسی آدمی کو جانور تلاش کرتے ہوئے دیکھے تو اسے یہ کہہ دے کہ:
 اللہ کرے تجھے تیرا جانور واپس نہ ملے کیونکہ مسجدیں (تیرے) اس کام کے
 لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔“

پس بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
 ایک شخص مسجد میں جانور تلاش کر رہا تھا کہہ رہا تھا کہ ”کسی نے سرخ اونٹ
 دیکھا ہے؟“ تو (پیارے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 ((لا وجدت، انما بنیت المساجد لما بنیت له))^۱
 ”تجھے تیرا جانور واپس نہ ملے، (کیا تجھے معلوم نہیں کہ) مسجدیں جس کام
 کے لیے بنائی گئی ہیں، یہاں وہی کام ہونا چاہیے۔“

مسجد میں خرید و فروخت اور اشعار پڑھنا

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید و
 فروخت کرنے اور اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔^۲
 اس ممانعت کا تعلق غلط اور فضول اشعار کے ساتھ ہے جنہیں بعض لوگ زیب
 داستان اور غیر شرعی مقاصد کے لیے پڑھتے رہتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھ رہے
 تھے کہ اتنے میں جناب عمر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ناراضگی سے
 فرمایا کہ آپ اشعار پڑھ رہے ہیں؟
 حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: میں اس وقت مسجد نبوی میں اشعار پڑھتا تھا۔
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود موجود ہوتے تھے۔

۱ [صحیح مسلم، المساجد: باب التہی عن نشد الضالۃ فی المسجد ح ۵۶۸]

۲ [صحیح مسلم، ایضاً ح ۵۶۹]

۳ [حسن، ابوداؤد، الصلوٰۃ: باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلوٰۃ ح ۱۰۷۹]

پھر میری طرف رخ کر کے کہا: اے ابو ہریرہ آپ کو اللہ کی قسم، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ:

((اجب عنی، اللہم ایده بروح القدس))

”میری طرف سے (مشرکین کو) جواب دو اے اللہ حسان کی جبریل کے ساتھ مدد کر۔“

میں نے کہا: جی ہاں!

ابن المنذر نے ”اللاوسط“ (۵/۱۲۷) میں کہا:

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: جس میں نبی ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہا کو مسجد میں مشرکین کی ہجو کہنے کی اجازت دی ہے، اس کی دلیل ہے کہ مسجد میں اچھے اشعار پڑھنے جائز ہیں اور برے اشعار پڑھنے منع ہیں۔ اشعار اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ حسان چونکہ مشرکین کی ہجو (اور رسول اللہ ﷺ کی حمایت) میں اشعار کہتے تھے لہذا آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حسان کی جبریل امین کے ساتھ مدد فرمائے۔“

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے کہ (اگر پوچھا جائے) بعض لوگ، مسجدوں میں نغموں اور ترنم کے ساتھ، اشعار اور نعتیں وغیرہ پڑھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان نعتوں، ترانوں وغیرہ کو اچھے اشعار میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان کا مقصد ہی نغمہ اور ترنم ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں ”التغییر“ کا لفظ استعمال کرتے ہوئے امام شافعی فرماتے ہیں کہ:

”میں، عراق میں، اپنے پیچھے ”التغییر“ نامی چیز چھوڑ کر آیا ہوں جسے زندیقوں (یعنی دین اسلام کے دشمنوں) نے، لوگوں کو قرآن مجید سے

ہٹانے کے لیے گھڑا ہے۔“

(مناقب الشافعی لابن ابی حاتم ص ۳۰۹، ۳۱۰، اس کی سند صحیح ہے)

اسے امام احمد بن حنبل نے بھی ناپسند فرمایا ہے

(مسائل احمد بروایت ابن نبت منبع ۴۴)

(بدعتی) لوگوں کے اس عمل میں کئی باتیں قابل اعتراض ہوتی ہیں۔

- ۱۔ مسجد میں آوازیں بلند کرنا
- ۲۔ دوسرے نمازیوں کو تکلیف دینا
- ۳۔ ایسا وسیلہ پکڑنا جو شریعت میں ممنوع ہے
- ۴۔ شرک صریح کا ارتکاب / مثلاً غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد مانگنا، وغیرہ

عورتوں کا دعوت یا طلبِ علم کے بہانے،

مردوں کو مسجدوں سے روک دینا

آج کل ایک انتہائی بری بدعت ”اسلام کی دعوت“ ”اللہ کی طرف دعوت“ یا طلبِ علم کے (حسین) نام پر مروج ہو رہی ہے۔ بعض عورتیں ایک ایسی مسجد کو جاتی ہیں جہاں مرد نمازیں پڑھتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی واضح رکاوٹ بھی نہیں ہوتی۔ یا انتہائی معمولی پردہ ہوتا ہے۔ وہاں یہ عورتیں دعوت یا طلبِ علم کے لیے بیٹھ جاتی ہیں اور مردوں پر مسجد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے!

کافی عرصہ پہلے، میں نے اپنی کتاب ”الأداب الشرعية فی طلب العلم للنساء“ (ص ۳۸) میں اس بدعت کا رد لکھا تھا جس کے جواب میں بعض جاہلوں نے کذب و افتراء کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ہم عورتوں کے لیے طلبِ علم کے خلاف ہیں۔ حالانکہ ہم اس افتراء سے بالکل بری ہیں۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر مسجد میں عورتوں کے لیے علیحدہ مقام ہے تو ذوق و شوق سے درس و تدریس قائم کریں۔ اور اگر علیحدہ مقام نہیں ہے تو پھر مردوں کو مسجد سے روکنے کا باعث

نہ بنیں،

اس تحقیق کے بعد، مجھے شیخ جمال الدین قاسمی کا یہ کلام ملا کہ:
 ”عورتوں کو کسی خاص مسجد میں دعوت کرنا چاہیے۔ اگلے زمانے میں غیرت مند
 اور متقی لوگ عورتوں کو خاص مقامات پر دعوت و نصیحت اور درس و تدریس کرتے

تھے۔“ (اصلاح المساجد من البدع والعيواند ص ۲۲۳)

شام کے علامہ (اور مشہور محدث) الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے
 السلسلۃ الصحیحہ جلد ششم پر اس سلسلہ میں سیر حاصل بحث کر کے ہمارے موقف کی تائید
 کی ہے۔ والحمد للہ

مسجد میں آوازیں بلند کرنا

بعض لوگ ذکر بالخیر و لا الہ الا اللہ، وغیرہ، اونچی دعائیں، آہ و بکاء کی صدائیں،
 بلند و بانگ تقریریں، اونچا قرآن پڑھنے وغیرہ کے ساتھ دوسرے نمازیوں کو تکلیف
 پہنچاتے ہیں (حالانکہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے) مسجدوں کی بنیاد کا مقصد نماز اور اللہ کا ذکر
 ہے۔ دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچانا نہیں۔ مگر (وائے افسوس کہ) یہ بدعت بھی، ہر
 طرف دین کے نام پر پھیل چکی ہے۔ جمعہ کے دن خاص طور پر ایسی (مصنوعی) پرسوز
 اور (فن تجوید کا مظاہرہ کرنے والے ”قراء“ حضرات کی) قرأت قرآن کی آوازیں
 لاؤڈ سپیکروں پر بلند ہوتی ہیں کہ الامان والحفیظ، (نمازیوں اور ارد گرد کے پڑوسیوں کا
 ناک میں دم ہوتا ہے۔ نہ جائے رفیقن نہ پائے ماندن) حالانکہ یہ طرز عمل نہ نبی ﷺ
 سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے۔ نہ فعلاً نہ استنباباً، بلکہ جواز تک ثابت نہیں۔ اس کے
 سراسر برعکس عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس کی مخالفت ثابت ہے۔

السائب بن زید فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اتنے میں جناب عمر رضی اللہ عنہ
 نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ: ”ان دو آدمیوں کو لے آؤ“ میں (مسجد میں سے) دونوں
 آدمیوں کو لے آیا (جو کہ اونچی اونچی باتیں کر رہے تھے) جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے

پوچھا: ”کہاں کے رہنے والے ہو؟“

وہ کہنے لگے: ”طائف کے۔“

فرمایا: اگر تم اسی شہر (یعنی مدینہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں (خوب) مارتا۔ تم مسجد نبوی میں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔^۱

حافظ ابن حجر نے حدیث کے الفاظ ”لا وجعتکما“ میں تمہیں (بہت زیادہ) مارتا۔ سے یہ استدلال کیا ہے کہ حدیث حکماً مرفوع ہے اس لیے کہ کوڑے مارنا اسی فعل پر مشروع ہے جس کی ممانعت شریعتِ مطہرہ میں ثابت ہے۔ (فتح الباری ۱/ ۴۴۴)

مساجد میں بعض خاص راتوں میں،

حد سے زیادہ خوبصورتی کا اہتمام اور چراغاں کرنا

مثلاً رجب کی ستائیسویں، پندرہ شعبان کی رات، پندرہ رمضان کی رات، عاشوراء کی راتوں وغیرہ میں (ثواب) و مستحب سمجھتے ہوئے یہ کام کیے جاتے ہیں حالانکہ ان دنوں کی فضیلت میں سوائے عاشوراء کے دن کے، کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس پر تفصیلی بحث عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ

اس طرح غیر ثابت امور میں مال بھی ضائع ہوتا ہے اور ناجائز اسراف بھی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض لوگ اس ذریعے تکبر اور اپنی دولت کا ناجائز مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ اگر یہ اموال زکوٰۃ اور صدقات کے صحیح مصارف میں خرچ ہوتے تو ان سے غریبوں کو بڑا فائدہ پہنچ سکتا تھا جو کہ شریعت کا مطلوب و مقصود ہے۔

قبروں اور قبروں پر مساجد میں چراغ جلانے اور

چادریں چڑھانے کی نذرین

یہ شرک کا چور دروازہ ہے جس پر تفصیلی بحث ”ابواب الایمان والنذور“ میں ہو

گی۔ ان شاء اللہ

شیخ محقق علاء الدین بن العطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((لا يجوز ان ينذر لقبر ولا لميت ولا يحيى، فان نذر، فان
اعتقد))

”کسی قبر یا میت یا زندہ کے لیے نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ اگر نذر ماننے والا
(ان کے لیے) اسے حلال سمجھے گا تو یہ کفر ہے۔ اسے توبہ کرائی جائے گی ورنہ
قتل کر دیا جائے گا۔ اور اگر اس کا عقیدہ (غیر اللہ کے لیے نذر کی حلت کا)
نہیں ہے تو بھی ایسا شخص فاسق ہے۔ اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔“

(زيارة القبور ص ۶۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قبروں پر جو زیارت گاہیں ہیں ان پر کسی قسم
کی نذر جائز نہیں، نہ تیل نہ موم بتیاں، نہ پیسے وغیرہ اور قبروں کے مجاورین
اور خدمت گاروں کو بھی کچھ نہ دیا جائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے
مجاوروں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ جس نے ایسی نذر مان
لی تو ان کی نذر گناہ والی نذر ہے (جسے پورا نہ کرنا لازم ہے)۔“

(مجموع الفتاویٰ ۳۱۹/۲۳)

میں کہتا ہوں کہ آج لوگوں نے ان نذروں کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے اور
مصیبتیں ٹالنے کے لیے قبر والوں کے ”دربار“ میں واسطہ بنا رکھا ہے۔ خاص طور پر
عورتیں اپنے پیارے (خاوند، بھائی وغیرہ) کی ملاقات اور گم شدہ بچے کی بازیابی سے
بھی زیادہ محبوب سمجھتی ہیں۔ شیطان نے انہیں شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا رکھا ہے
اور یہ سمجھتی ہیں کہ ”ان کے کام پورے ہو رہے ہیں!“

خانہ کعبہ کے پتھروں، غلاف اور مسجد نبوی کے ٹکڑوں سے تبرک
اس پر قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو (زرے) پتھر ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور

نہ نقصان، نہ ان کے لیے برکت مانگی جاسکتی ہے اور نہ انہیں چھو کر یا چوم کر برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ کام نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ سے (بالکل) ثابت نہیں ہے۔ صرف حجر اسود کو چومنا ثابت ہے اور ص ۹۲ پر گزر چکا ہے کہ (امیر المؤمنین) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومنے کے بعد فرمایا تھا کہ: ”اگر میں، رسول اللہ ﷺ کو، تجھے چومتے نہ دیکھتا تو تجھے کبھی نہ چومتا۔“

اور ایک (دوسری) روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

”اور میں یہ جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔“^۱

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو، نبی ﷺ کی سنت کے اتباع پر چوما تھا نہ کہ تبرک یا نفع حاصل کرنے کے لیے، جیسا کہ آپ کے کلام سے واضح ہے۔

بعض گمراہ اور خبیث رافضیوں کی ایک بڑی جماعت نے مسجد نبوی میں توسیع کے دوران پتھر کے ٹکڑوں سے تبرک حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ انہیں اپنے چہرہ پر رکھتے تھے۔ خیر، یہ کوئی عجیب بات نہیں یہ لوگ تو کر بلا کی مٹی کو بھی (بڑا) متبرک سمجھتے ہیں۔ وہ (عام طور پر) اس کے (یا دوسری مٹی کے) ٹکڑے پر ہی سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ انہیں رسوا کرے ان لوگوں کے دل کتنے گمراہ ہیں اور دماغ کتنے چھوٹے ہیں!

جمعہ، عید اور خاص دنوں وغیرہ میں،

مسجد میں بھکاریوں کا خیرات مانگنا

عرب کے علاقے اور دیگر ممالک میں یہ بدعت بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ چھوٹی مسجد ہو یا بڑی، ”ضرورت مند“ اور سوالی قسم کے حضرات وہاں پہنچ کر یہ حرکتیں کرتے ہیں۔ رہی نماز تو یہ لوگ نہ مسجد کے اندر پڑھتے ہیں اور نہ باہر۔ اگر آپ انہیں نماز کی دعوت دیں تو طرح طرح کے عذر تراش لیتے ہیں۔

۱ [صحیح بخاری، کتاب الحج: باب ما ذکر فی الحجر الأسود، ح ۱۵۹۷ و صحیح

مسلم، دیکھئے ص ۹۲]

اس سے بھی زیادہ خطرناک وہ بات ہے کہ نماز کے بعد ایک نمازی کھڑا ہو کر انتہائی فصیح و بلیغ (اور رٹا رٹایا) خطبہ ارشاد فرماتا ہے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ بھائی چارے، نیکی کی ترغیب اور برائی سے نفرت کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگوں سے (اپنی عاجزی اور غربت ظاہر کر کے) روپے پیسے مانگتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے (مصنوعی) آنسو جاری ہوتے ہیں اس طریقے سے یہ ٹھگ، لوگوں کے اموال بٹور کر نو دو گیارہ ہو جاتا ہے۔ مصنوعی سوالیوں کا یہ انتہائی خطرناک طریقہ ہے۔
(واللہ المستعان)

یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ اغْنِيَاءَ الْجَاهِلِ اغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفَهُمْ لَيْسِيهِمْ لَا يَسْئَلُونَ النَّاسَ الْحَافِظُ﴾ [البقرة: ۲۷۳]

” (صدقات) ان فقیروں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوتے ہیں۔ زمین میں چلنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ خود داری سے یہ سوال نہیں کرتے جس کی وجہ سے ناواقف یہ سمجھتا ہے کہ یہ امیر لوگ ہیں۔ آپ انہیں ان کی علامتوں سے پہچان سکتے ہیں۔ یہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔“

اور یہ سوال وہ بھی نہیں ہیں جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ:

((مَنْ لِيَسْتَعْفِفَ يَعْفِهِ اللَّهُ وَمَنْ يَسْتَغْنَى يَغْنَهُ اللَّهُ))^۱

”جو شخص سوال سے بچے گا اللہ اسے بچالے گا۔ اور جو بے نیاز بنے اللہ اسے بے نیاز کر دے گا۔“

رسول اللہ ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا کہ:

۱ [صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب الاستغفار عن المسألة ح ۱۳۶۹، صحیح

مسلم، الزکاة، باب فضل التعفف والصبر والقناعة ح ۱۰۵۳]

((قد فلاح من اسلم و رزق كفافا و قنعه الله بما آتاه))
 ”جس شخص نے اسلام قبول کیا، ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اللہ نے
 اسے اس پر صبر و قناعت عطاء فرمائی تو وہ کامیاب ہو گیا۔“
 نیز فرمایا:

((ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة وليس
 في وجهه مزعة لحم))

(بھکاری) آدمی لوگوں سے (آخری وقت تک) سوال کرتا رہے گا حتیٰ کہ وہ
 (اللہ کے دربار میں) قیامت کے دن (اس حالت میں) آئے گا کہ اس کے چہرے پر
 گوشت کا ٹکڑا تک نہیں ہوگا۔^۱

ایسے لوگوں کی اکثریت رزق کمانے اور کام کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔ لیکن یہ
 لوگ مال کمانے کے لیے (یہ) آسان ترین راستہ اختیار کرتے ہیں۔ انہیں حلال و حرام
 کی پرواہ نہیں ہوتی (صرف مال جمع کرنا ہی مقصود ہوتا ہے) حالانکہ (مسئلہ یہ ہے کہ)
 سوال کرنا صرف اس شخص کے لیے جائز ہے۔ جو کمانے پر قادر نہ ہو۔ اپنے آپ کو ذلیل
 نہ کرے اور نہ سوال کرنے میں، چمٹ کر تنگ کرے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

”ہمارے علماء کا، کمانے والے شخص کے سوال کرنے کے بارے میں اختلاف
 ہے کہ جائز ہے یا ناجائز، صحیح ترین قول یہ ہے کہ احادیث کے عموم کی وجہ سے
 یہ حرام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ حلال (اور) مکروہ
 ہے۔“

۱۔ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے

۱۔ [صحیح مسلم، الزکاة: باب فی الکفاف والقناعة ح ۱۰۵۳]

۲۔ [صحیح بخاری، کتاب الزکاة: باب من سال الناس نكثراً ح ۱۳۷۴ صحیح مسلم،

الزکاة: باب كراهة المسألة للناس، ح ۱۰۳۰]

۲۔ مانگنے میں منت سماجت نہ کرے

۳۔ مانگنے والے کو تنگ نہ کرے۔

اگر ان شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوئی تو یہ مانگنا بالاجماع حرام ہے۔“

(شرح صحیح مسلم ۳/۷۶)

امیر لوگوں پر یہ لازم ہے کہ وہ ایسے مستحق اشخاص کو تلاش کر کے صدقات وغیرہ ان تک پہنچائیں۔ جو نہ سوال کرتے ہیں اور نہ اس کا اظہار کرتے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

((ليس المسكين بهذا الطواف الذي يطوف على الناس،

فترده اللقمة واللقمتان، والتمرة والتمرتان))

”مسکین وہ شخص نہیں جو ایک دو لقموں یا ایک دو کھجوروں کے لیے در بدر پھرتا

رہتا ہے۔“

پوچھا گیا کہ پھر مسکین کون ہے، اے اللہ کے رسول؟

فرمایا:

((الذي لا يجد غني يغنيه ولا يفتن له فيتصدق عليه،

ولا يسأل الناس شيئاً))

”جس کے پاس اتنا مال نہیں ہوتا کہ اسے غنی کر دے۔ اور نہ لوگوں کو پتہ چلتا

ہے تاکہ اسے صدقہ دیا جائے۔ وہ لوگوں سے کچھ مانگتا ہی نہیں۔“

رہے آج کل کے بھکاری، تو ان کی اکثریت باطل پرست لوگ ہوتے ہیں۔ نہ

اللہ سے ڈرتے ہیں اور نہ انہیں اقامت دین کا کوئی خیال ہے۔ بلکہ بہت سے ایسے

لوگ پیسے مانگ کر نشہ آور اشیاء (مثلاً ہیروئین وغیرہ) پیتے ہیں۔ ان میں سے بعض

چھوٹے چھوٹے نابالغ بچوں کو ٹریننگ دے کر یہ پیشہ کراتے ہیں اور پھر ان سے

ن [صحیح بخاری کتاب الزکاة : باب قول اللہ لا یسألون الناس الحافح ح ۱۳۷۹، ۱۳۷۶،

صحیح مسلم، الزکاة باب المسکین الذی لا یجد غنی (واللفظ له) ح ۱۰۳۹]

جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ جمع شدہ مال سے انہیں کھلاتے تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔^۱

مسجد میں ایک خاص مقام مقرر کرنے کی کراہت کا عقیدہ بعض لوگ ایک حدیث کی بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں جس میں یہ آیا ہے کہ: نبی ﷺ نے مسجد میں ایک خاص مقام مقرر کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ ایک اونٹ اپنے (بیٹھنے کے) لیے ایک مکان مقرر کر لیتا ہے۔^۲

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ میں نے ”صون الشرع الحسیف بیان الموضوع والضعیف“ (۱۹۷) میں تحقیق کی ہے۔ لہذا اس سے استدلال ساقط ہے۔ لیکن (قابل تعجب بات یہ ہے کہ) شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے اسے دو سندوں کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے (السلسلۃ الصحیحہ ۱۱۶۸) ایک میں شدید ضعیف راوی ہے اور دوسری سند میں مجہول نام معلوم شخص ہے۔ بعض متأخرین کا یہ مسلک ہے کہ کم ضعف والی روایتیں اپنی مختلف اسانید سے مل کر حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں نہ کہ شدید ضعف والی روایتیں (ان کا وجود اور عدم وجود برابر ہے)

ابن المنذر النیسابوری نے ”الاوسط“ (۱۳۰/۵) میں لکھا ہے کہ:
 ”جو شخص سب سے پہلے جس مقام پر (مسجد میں) پہنچ جائے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے جب تک وہاں ٹھہرا رہے گا۔ جب وہ چلا جائے گا تو اس کا اس پر حق بھی باقی نہیں رہے گا۔“
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں..... اور مساجد وہی لوگ آباد کرتے ہیں۔“

۱۔ اگلی لوگ آج کل جہاد، جماعت، مدرسہ اور پارٹی کے نام پر مسلمانوں سے چندہ بٹور کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ

۲۔ یہ روایت حسن ہے۔ عیم بن محمود جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہے دیکھئے نیل المقصود (۸۶۲) مؤلف کا اسے ضعیف کہنا غلط ہے۔

جو اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔“

یہاں یہ بات یاد رہے کہ بعض لوگ، مسجد حرام یا مسجد نبوی یا روضہ شریفہ کے پاس، انگلی صفوں کی بعض جگہیں اپنے لیے مقرر کر لیتے ہیں۔ یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے مسجد نمازیوں پر بند کر دی جاتی ہے۔

یہ صرف اس حال میں جائز ہے کہ بیٹھا ہوا آدمی کسی شرعی عذر مثلاً قضائے حاجت، تجدید وضوء، کسی کو راستہ بتانا وغیرہ کے لیے جا سکتا ہے۔ اس کا حکم اعتکاف کرنے والے کا حکم ہے جو کہ ضروری حاجت کے لیے جا سکتا ہے، جس سے اس کا اعتکاف خراب نہیں ہوتا۔ اس طرح شرعی عذر والے کا مقام بھی اس کا ہی رہتا ہے۔ (واللہ اعلم)

بچوں کو مسجدوں سے روکنا

اگرچہ (شیخ) جمال الدین القاسمی وغیرہ بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ بچوں کو مسجدوں سے روکنا چاہیے (دیکھئے اصلاح المساجد ص ۱۸۴) ان کا استدلال درج ذیل حدیث پر ہے۔

((وجنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم))

”اور اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ۔“^۱

قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”بچے کا کام ہی کھیلنا کودنا ہوتا ہے۔ لہذا وہ اپنے کھیل کود سے نمازیوں کو

تکلیف دے گا۔ یا مسجد کو کھیل کا میدان بنالے گا۔ لہذا بچوں کو مسجد سے روکنا

چاہیے۔“

حالانکہ اوپر ذکر کردہ حدیث سخت ضعیف ہے جیسا کہ میں نے صون الشرع

۱ [موضوع، ابن ماجہ : المساجد باب ما یکرہ فی المساجد ح ۷۰، اس کا راوی ابو سعید

المصلوب مشہور کذاب اور زندیق تھا۔ اسے وضع حدیث کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔]

الشریف (۲۰۲) میں تفصیلاً لکھا ہے۔ لہذا اس سے استدلال جائز نہیں۔ بلکہ نبی ﷺ سے اس کے سراسر خلاف ثابت ہے آپ حسن و حسین کو مسجد میں لے جاتے تھے۔

اذان، نماز اور جمعہ

اذان، نماز اور جمعہ کی بدعات اور ان کا سنت سے رد

اذان کے درمیان حتیٰ علیٰ خیر العمل کا اضافہ

رافضیوں کی یہ مشہور بدعت ہے۔ جس طریقے سے یہ لوگ تمام نمازوں کی ہر اذان میں یہ الفاظ کہتے ہیں۔ دین اسلام میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عام اذانوں میں حتیٰ علیٰ خیر العمل کے الفاظ (ثابت) نہیں ہیں۔ بعض صحابہ نے (کبھی کبھار) کسی عذر کی وجہ سے یہ الفاظ کہے یا کہلائے ہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ ۲۳ / ۱۰۳)

امام ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے اذان میں ”حتیٰ علیٰ خیر العمل“ کا اضافہ کیا۔ (۱۹۶/۱)

لیکن انہوں نے اس پر مداومت نہیں کی۔ بلکہ ظاہر ہے کہ یہ فعل (اضافہ) انہوں نے (کبھی کبھار) صحیح کی اذان میں کیا ہے۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی دوسری روایت میں ہے کہ: عبداللہ بن عمرؓ اذان میں ”الصلوة خیر من النوم“ کہتے اور کبھی کبھار ”حتیٰ علیٰ خیر العمل“ بھی کہہ دیتے تھے (اس کی سند حسن ہے) یہ روایت اس کی دلیل ہے کہ یہ اضافہ وہ کبھی کبھار کرتے تھے۔

[رافضیوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ”اشہد ان علیا ولی اللہ خلیفۃ بلا فصل“ کے من گھڑت الفاظ کا بھی اذان میں اضافہ کر دیا ہے۔ جو ابن بابویہ قمی الرافضی کے نزدیک ملعونوں

ابن ابی شیبہ نے (امام) زین العابدین علی بن الحسین سے نقل کیا کہ وہ (صبح کی) پہلی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد یہ اضافہ کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین کا یہ (شاذ و نادر) عمل صبح کی پہلی اذان (یعنی صبح حقیقی والی اذان جو اقامت سے پہلے کہی جاتی ہے) میں ہوتا تھا (جسے رافضیوں نے مخالفت کرتے ہوئے تمام اذانوں میں مقرر کر دیا ہے)

کلمہ شہادت میں ”سیدنا“ کا اضافہ

گویا کہ مؤذن یہ کہے ”اشہد ان سیدنا محمداً رسول اللہ“
یہ صوفیوں اور گمراہ سلسلے والوں کی بدعت ہے۔ بہانہ یہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت، تعظیم اور سرداری ماننا واجب ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کی محبت اور تعظیم واجب ہے، لیکن یہ محبت اور تعظیم آپ ﷺ کی سنت کی اتباع میں ہی ہوگی نہ کہ مخالفت سے۔ لہذا ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کی سنت پر نہ زیادتی کی جائے اور نہ بڑھنے کی کوشش کی جائے۔
رہا ”سیدنا“ کا استعمال، تو یہ جائز نہیں ہے۔

عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بنی عامر کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ ہم نے کہا:

((انت سیدنا))

”آپ ہمارے ”سید“ (سردار) ہیں۔“

تو آپ نے فرمایا: السید تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہے

ہم نے کہا: آپ ہم میں سے سب سے افضل اور بلند مرتبے والے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

((قولوا بقولکم او بعض قولکم ولا لیستجرینکم الشیطان))

”وہی کہو جو پہلے کہتے تھے (یعنی رسول اللہ، نبی اللہ وغیرہ) یا اس کے مشابہ

کہو، اور (یاد رکھو) کہیں تمہیں شیطان پھسلا (کر اپنا نمائندہ بنا) نہ دے۔“
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو منہ پر سید کہنا یا رسول اللہ ﷺ کو نبی کے بجائے صرف ”سید“ یعنی دنیا کا عام سردار سمجھنا غلط ہے۔ رہا آپ ﷺ کا سید ولد آدم ہونا تو یہ اظہر من الشمس ہے۔ جب آپ سید الناس ہیں آپ کا نواسہ حسن بھی سید ہے ﷺ، تو آپ ﷺ کو سید سمجھنا اور کہنا بالکل صحیح ہے البتہ درود یا کلمہ شہادت میں یہ اضافہ ”سیدنا“ ثابت نہیں ہے۔

نبی ﷺ نے ان لوگوں پر مطلقاً طور پر سید کے استعمال پر انکار کیا کیونکہ یہ لفظ علی الاطلاق کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے حتیٰ کہ آپ کے لئے بھی نہیں، باوجود اس کے کہ آپ مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ کیونکہ یہ ”السید“ اللہ کے ناموں میں سے ہے۔

اذان کے (فوراً) بعد (خود ساختہ) درود و سلام کا اضافہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض مقامات پر، جمعہ کے خطبہ سے پہلے، بعض اذان دینے والے درود و سلام کا جو (باواز بلند) اضافہ کرتے ہیں وہ آئمہ کے اتفاق سے مکروہ یا حرام ہے۔ بعض علماء یہ (ضرور) کہتے ہیں کہ (مسنون) درود و سلام میں پڑھے یا خاموش رہے۔

(مجموع الفتاویٰ ۴۴/۴۷۰)

میرے خیال میں بھی خاموشی ہی لازم ہے کیونکہ اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ کا یہ کلام (صرف) جمعے کے دن کے بارے میں ہے۔ لہذا جو لوگ ساری نمازوں (کی اذانوں) میں یہ حرکت کرتے ہیں سنت نبوی اور عمل صحابہ کی کتنی بڑی مخالفت کے مرتکب ہیں!۔

بے شمار (بلکہ متواتر) سندوں سے یہی ثابت ہے کہ بلال اور ابو محذورہ (و تعمیر ہما

صحابہ) کی اذان ”لا الہ الا اللہ“ پر ختم ہو جاتی تھی۔ اس بارے میں کوئی حدیث مروی نہیں کہ اذان کے ساتھ ملا کر (بلند آواز سے) درود پڑھنا مستحب ہے۔

بعد میں مجھے شیخ علی محفوظ رحمہ اللہ کا کلام ملا کہ (بلند) درود و سلام کے اذان میں ملانے کی بدعت کی ایجاد مختب مصر صلاح الدین البرسی نے جمعہ کی رات میں کی تھی۔ پھر نجم الدین ارطہبزی، جو گندآدی اور رشوت خور تھا، نے اسے تمام نمازوں پر پھیلا دیا۔ یہ بات (مورخ) المقریزی نے کہی ہے۔

شیخ علی محفوظ نے علامہ ابن حجر (بدعتی) کی کتاب ”الفتاویٰ الکبریٰ“ سے نقل کیا کہ: ”ہمارے استادوں سے مرویہ درود و سلام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ: اصل و مسنون درود، اذان سے جدا، جہر کے بغیر سنت ہے اور یہ مرویہ کیفیت بدعت ہے۔“

شیخ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

”خلاصہ یہ کہ اذان، مسلمانوں کا شعار ہے جو کتب حدیث اور کتب فقہ میں تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اسی پر اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے۔ رہا مرویہ درود و سلام تو یہ بہت بعد والے بدعتی مؤذنین کا اضافہ (اور بدعت) ہے۔“

یہاں پر یاد رہے کہ علماء کا یہ قول کہ ”اصل سنت ہے اور کیفیت بدعت ہے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے بعد (مسنون) درود پڑھنا تو سنت ہے۔ لیکن اسے اونچی آواز (بلکہ خود ساختہ الفاظ کے اضافے) کے ساتھ پڑھنا بری بدعت ہے۔

اذان سے پہلے دعا کرنا یا قرآن کی کوئی آیت (یا آیتیں) پڑھنا بعض لوگ اذان سے پہلے ”وقل الحمد للہ الذی لم یخذ ولدا“ پڑھتے ہیں اور بعض ”یا کریم یارب“ کے نعرے لگاتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”مؤذن کا اذان سے قبل ”وقل الحمد للہ الذی لم یخذ ولدا“ پڑھنا بدعت ہے۔“

نماز کی زبانی نیت

بے شمار نمازیوں کی یہ بڑی مشہور بدعت ہے کہ وہ نماز سے پہلے مختلف الفاظ کے ساتھ زبانی نیتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں مثلاً

((نویت ان اصلی کذا رکعة فرضاً للظہراؤ ونحوہ))

”میں نیت کرتا ہوں کہ اتنی رکعات نماز پڑھوں گا۔ ظہر کی یا اس جیسے الفاظ ہوتے ہیں۔“

یہ پرانی بدعت ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی دلیل نہیں تھی کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اس کی مؤید نہیں ہے۔

بلکہ نیت کا مقام دل ہے جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے اور اسی پر عقل والوں کا اجماع ہے۔ زبان کے ساتھ نماز یا دوسری عبادات میں نیت کرنا نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے، نہ کسی تابعی سے اور نہ کسی معتبر امام سے۔

اس مسئلہ پر نہ کوئی صحیح سند ہے اور نہ ضعیف آپ ﷺ کا افتتاح نماز میں صرف یہی طریقہ ہوتا تھا کہ ”اللہ اکبر“ کہتے تھے۔ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

”رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، اس (تکبیر) سے پہلے آپ کچھ بھی نہ کہتے اور نہ زبانی نیت کرتے۔ نہ یہ فرماتے کہ: میں ایسے، چار رکعتیں، قبلہ رخ ہو کر پڑھتا ہوں، امام یا مقتدی کی حیثیت سے، اور نہ یہ فرماتے کہ: اداء ہے یا قضاء ہے یا (میری یہ نماز) فرض وقت (میں) ہے۔ یہ سب بدعات ہیں۔ آپ سے ان کا ثبوت نہ صحیح سند سے ہے اور نہ ضعیف سند سے۔ ان میں سے ایک لفظ بھی باسند (متصل) یا مرسل (یعنی منقطع) مروی نہیں ہے۔ اور نہ کسی صحابی سے یہ (عمل) منقول ہے۔ تابعین کرام اور آئمہ اربعہ میں سے بھی کسی نے اسے (مستحب و مستحسن قرار نہیں دیا۔“

میں کہتا ہوں کہ یہ ایسا کام ہے کہ زبانی نیت کرنے والا وہی شخص، دوسرے نمازیوں کو تشویش (اور اذیت) میں مبتلا کرتا ہے۔ (حالانکہ) ایسا کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا

یہ عمل (یعنی رکوع سے پہلے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا) نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

لوگوں کو (نبی ﷺ کی طرف سے) یہ حکم دیا جاتا تھا کہ (ہر) آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی (ذراع: ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر کہنی تک) پر نماز میں رکھے۔

اس حدیث کے راوی۔ ابو حازم (تابعی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ:

مجھے یہی علم ہے کہ سہل رضی اللہ عنہما اس حدیث کو نبی ﷺ تک پہنچاتے تھے۔^۱

(یعنی یہ حدیث مرفوع ہے) امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس پر یہ باب باندھا ہے کہ باب وضع الیمنی علی الیسری، باب (نماز میں) دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا۔^۲

جو شخص (نماز میں) ناف سے نیچے ہاتھ باندھے، اس پر انکار کرنا اس (مسئلہ) میں علماء کا اختلاف ہے کہ حالت قیام میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں (ناف سے اوپر، یا نیچے یا ناف پر؟)

بعض (مثلاً امام شافعی وغیرہ) یہ کہتے ہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھے جائیں جیسا کہ

۱ [صحیح البخاری، کتاب الاذان: باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ، ح ۷۴۰، مؤطا امام مالک از ۱۵۹]

۲ [اس مسئلہ میں مؤلف کا موقف صحیح نہیں ہے بلکہ حق یہی ہے کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے ثابت ہیں۔ جبکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے ثابت نہیں، چاہے مردوں یا عورتوں۔]

صحیح ابن خزیمہ (ج ۱ ص ۲۲۳ ح ۲۷۹) میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:
 میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ
 بائیں ہاتھ، پر سینہ پر رکھا ہوا تھا۔^۱
 اس روایت میں ”علی صدرہ“ سینہ پر، کے الفاظ منکر (یعنی ضعیف) ہیں۔^۲
 سفیان (الثوری) سے یہ الفاظ صرف مؤمل بن اسماعیل نے روایت کیے ہیں۔ اس کے
 علاوہ، سفیان (ثوری) کے شاگردوں میں سے کسی ثقہ (قابل اعتماد) یا ضعیف (شاگرد)
 نے یہ الفاظ بیان نہیں کیے۔ اور مؤمل (مذکور) خراب حافظے والا شخص تھا۔ روایت میں
 زیادہ الفاظ صرف اسی راوی کے مقبول ہوتے ہیں جو ثقہ حافظ اور اپنی روایات کو یاد
 رکھنے والا ہو۔

اس حدیث کا ایک شاہد (یعنی وہ روایت جو اس متن کی تائید کرتی ہے) ہلب
 الکائی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز میں (سلام کے بعد) دائیں طرف (اپنے
 رخ مبارک کے ساتھ) پھرتے تھے اور بائیں طرف (بھی) اور میں نے آپ کو (نماز
 میں) دیکھا۔ آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینہ پر رکھتے تھے۔

(راوی حدیث یحییٰ بن سعید (الطائر) نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر،
 جوڑ پر رکھ کر دکھایا۔

اسے امام احمد (ج ۵ ص ۲۲۶) نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس
 میں قبیصہ بن ہلب (راوی) مجہول ہے۔

امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے طاؤس (تابعی) سے نقل کیا کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (قیام کے وقت) اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ

۱ [یہ روایت اپنے شاہد کے ساتھ حسن ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔]

۲ [یہ الفاظ منکر یا ضعیف نہیں ہیں بلکہ اپنے آنے والے شاہد کے ساتھ حسن ہیں۔]

۳ [کتاب الصلوٰۃ باب وضع الیمنی علی اليسری فی الصلاة ح ۷۵۹]

پر رکھ کر ان کو سینہ پر مضبوطی سے باندھتے تھے۔“

اس کی سند مرسل ہے، مرسل ضعیف ہوتی ہے جس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔^۱
 رہا علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ ”اگرچہ (طاؤس کی) یہ روایت مرسل ہے لیکن وہ تمام علماء کے نزدیک (جو مرسل کی حجیت میں باہم مختلف ہیں) حجت ہے کیونکہ اس کے مرسل (تابعی) تک سند صحیح ہے۔ اس کی تائید کئی متصل سندوں سے ہو رہی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کر دیا ہے۔ لہذا یہ سب کے نزدیک حجت ہے“ (ارواء الغلیل: ۲/ ۷۱) صحیح نہیں ہے۔ صحیح السنن مرسل کی حجیت پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔^۲

حافظ ذہبی (احول حدیث کی کتاب) الموقظۃ (ص ۳۹) میں فرماتے ہیں کہ ”اگر درمیانے درجے کے تابعین مثلاً مجاہد، ابراہیم الخلیفی اور شعبی تک سند صحیح ہو تو یہ مرسل بھی صحیح ہے اس سے دلیل پکڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسے ایک قوم نے قبول کیا ہے اور ایک قوم نے رد کیا ہے۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اپنی کتاب ”الرسالہ“ میں کچھ شرطوں کے ساتھ بڑے تابعین کی مرسل روایات سے حجیت کی علی الاطلاق صراحت کی ہے۔ جبکہ یہ طاؤس کی مرسل روایت ہے اور طاؤس درمیانے درجے کے تابعی تھے، لہذا یہ روایت امام شافعی کی شرط پر نہیں ہے۔ پھر اس کے برعکس امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ (۳۰/۱) میں یہ کہہ کر مرسل کے ضعیف اور حجت نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ”ہمارے نزدیک اور علماء کے نزدیک مرسل روایات حجت نہیں ہیں۔“

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حجیت میں صحیح السنن مرسل پر صحابی کے ثابت شدہ قول کو مقدم کرتے ہیں جیسا کہ ان کے شاگرد اسحاق بن ہانیء نے اپنی کتاب ”المسائل“

۱ [یہ اس صورت میں ہے جب اس کا صحیح یا حسن شاہد نہ ہو، اگر صحیح یا حسن شاہد مل جائے تو مرسل بھی صحیح ہو جاتی ہے۔]

۲ [محدث العصر، امام الحدیث شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مرسل کا معتبر شاہد ہو تو وہ صحیح ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مؤلف اس کلام کو سمجھ نہیں سکے، واللہ اعلم!]

(۲/ ۱۶۵) میں ان سے نقل کیا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ نماز میں دونوں ہاتھ رکھنے کا تعین ثابت نہیں ہے اور بعض علماء کا پرانا قول یہی ہے۔

امام ابن المنذر النیسابوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”اللاوسط“ میں لکھتے ہیں:
 ”اور کہنے والا یہ کہتا ہے کہ ہاتھ رکھنے کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔“ (اللاوسط: ۳/ ۹۳)

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح اس باب میں کسی ایک صحابی سے بھی کچھ ثابت نہیں ہے۔ غالباً اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر دونوں طریقے جائز قرار دیے ہیں:
 ”ناف سے تھوڑا اوپر ہاتھ باندھیں اور اگر ناف سے نیچے بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔“ (المسائل لابی داؤد: ۳۱۔ و الاوسط لابن المنذر: ۳/ ۹۳)
 رہا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا عمل تو وہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھتے تھے جیسا کہ ان کے بیٹے عبداللہ نے اپنی کتاب ”المسائل (۶۲۰)“ میں نقل کیا ہے، لہذا ان لوگوں پر انکار نہ کرنا ضروری ہے جو ناف سے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں اس مسئلے میں دونوں طرح وسعت ہے۔^۱

حرکات نماز میں امام سے پہلے یا برابری کرنا

سنت یہ ہے کہ مقتدی امام سے نہ مسابقت (پہلے) کرے اور نہ برابری اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفوں کو قائم کرو اور تم میں سے ایک امام بن جائے
 نب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ غیر المفضوب علیہم

[پچھلے صفحات پر یہ عرض کر دیا گیا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا صحیح حدیث سے ثابت ہیں جبکہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث ثابت نہیں لہذا انکار کرنا صحیح ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ کسی صحیح یا حسن حدیث میں یہ فرق قطعاً ثابت نہیں ہے کہ مرد و نافع کے نیچے ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینے پر ہاتھ رکھیں۔]

ولا الضالین کہے تو تم سب کہو آمین۔ اللہ تمہاری دعا قبول کرے گا پھر جب وہ اللہ اکبر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرو۔ بے شک امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے اٹھتا ہے۔^۱

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کیا تم میں سے ہر شخص اس سے نہیں ڈرتا کہ اگر وہ امام سے پہلے سر اٹھائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے یا اس کی صورت گدھے کی صورت میں تبدیل کر دے۔“^۲

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص (سجدے کے لیے) اپنی پیٹھ نہ جھکا تا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں چلے جاتے پھر ہم آپ کے بعد سجدہ کرنے کے لیے جھکتے تھے۔“^۳

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک کر کے فرمایا:

”اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں لہذا مجھ سے پہلے نہ رکوع کرو اور نہ سجدہ (مجھ سے پہلے) نہ (رکوع اور سجدہ سے) اٹھو اور نہ (نماز سے) فارغ ہو جاؤ۔ بے شک میں تمہیں سامنے سے بھی دیکھتا ہوں (اور نماز میں بطور مجزہ) تم مجھے پیٹھ پیچھے بھی نظر آتے ہو۔“^۴

۱ [صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب التّشہد فی الصلوٰۃ (۴۰۴)]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب اثم من رفع رأسه قبل الامام (۶۹۱) صحیح مسلم،

کتاب الصلوٰۃ، باب تحريم سبق الامام برکوع أو سجود ونحوهما (۴۲۷)]

۳ [صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب متى يسجد من خلف الامام (۶۹۰) صحیح

مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب متابعة الامام والعمل بعده (۴۷۳)]

۴ [صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب تحريم سبق الامام برکوع أو سجود

ونحوهما (۴۲۶)]

سستی کی وجہ سے نماز جمعہ کا ترک کر دینا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز جمعہ کی ادائیگی سنت مؤکدہ ہے، فرض یا واجب نہیں، حالانکہ یہ گمان غلط ہے، اس کا باعث شریعت اسلامیہ کے بارے میں جہالت ہے۔ اس کی تردید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لیے نداء (یعنی اذان) دی جائے تو اللہ کے ذکر (نماز و خطبہ) کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔“

(سورۃ الجمعہ : ۹)

امام موفق الدین (ابن قدامہ) المقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس آیت کریمہ میں دوڑنے کا حکم اس کے وجوب کی دلیل ہے کیونکہ دوڑنا صرف اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب وہ (نماز جمعہ) بذات خود واجب ہو۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لوگوں کو نماز جمعہ ترک کرنے سے باز آجانا چاہیے ورنہ اللہ ان کی دلوں پر (نفاق کی) مہر لگا دے گا، پھر وہ غفلوں میں سے ہو جائیں گے۔“

اس حدیث کی تشریح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے۔“

(شرح صحیح مسلم: ۱۵۲/۲)

نماز جمعہ نہ پڑھنے کا کفارہ

اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ضعیف روایت مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ نہ پڑھے تو ایک دینار صدقہ کرے۔ اگر اس

۱ [بحوالہ فتح الباری: ۲/۲۸۲]

۲ [صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب التغلیظ فی ترک الجمعۃ (۸۶۵)]

کے پاس ایک دینار نہ ہو تو آدھا دینار (ہی) صدقہ کر دے۔^۱
یہ روایت بلحاظ سند منکر یعنی مردود روایت ہے اس سے دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔
لہذا جس نے سستی وغیرہ سے نماز جمعہ ترک کی تو وہ شخص اللہ کے غضب کا مستحق ہے۔ نبی
ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے:
”جو شخص بغیر کسی (شرعی) عذر کے سستی سے تین جمعے ترک کر دے اللہ تعالیٰ
اس کے دل پر (نفاق کی) مہر لگا دیتا ہے۔“^۲

دین سمجھ کر جمعہ کے دن سفر نہ کرنا

اس باب میں دو مسئلے ہیں، موضوعات اور منکر روایات کے سوا کوئی حدیث مروی
نہیں۔ جمعہ کے دن جب تک اذان نہ ہو سفر کرنا جائز ہے جب اذان ہو جائے تو اس کا
جواب دینا ضروری ہے۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ
انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس سامان سفر تھا اس آدمی نے کہا، آج اگر جمعہ
کا دن نہ ہوتا تو میں سفر کے لیے نکلتا۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
”جمعہ کا دن مسافر کو (سفر کرنے سے) نہیں روکتا، دن ڈھلنے سے پہلے تم سفر
کر لو۔“^۳

۱ [ضعیف، سنن ابی داؤد، الجمعة، باب كفارة من تركها (۱۰۵۳) اس کی سند قوادہ راوی کی
تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دوسرے راوی قدامہ بن وبرہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ لہذا یہ
سند منقطع بھی ہے۔]

۲ [اسنادہ حسن، سنن الترمذی، کتاب الجمعة، باب ماجاء فی ترک الجمعة من غیر
عذر (۵۰۰) وقال: حسن، ابو داؤد (۱۰۵۴) ابن اماجہ (۱۱۲۵) نسائی (۱۳۶۸) اسے ابن خزیمہ
(۱۸۵۷) ابن احبان (۶۵) حاکم (۲۸۰/۱) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔]

۳ [حسن، مصنف عبدالرزاق (۳/۲۵۰) ح (۵۵۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۵۱۰۶) البیہقی
(۳/۱۸۷) اسے سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور شریک القاضی نے اسود بن قیس عن ابیہ کی سند سے روایت کیا
ہے یہ اسانید اگرچہ ضعیف ہیں مگر اپنے شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ کے درجہ پر ہیں۔]

جمعہ کی رات، مغرب یا عشاء میں خاص اور مقررہ قرأت کرنا

اس سلسلے میں بھی ایک سخت ضعیف روایت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں ﴿قل یا ایہا الکافرون﴾ اور ﴿قل هو اللہ احد﴾ پڑھتے تھے اور اسی رات کو عشاء کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھتے تھے۔“

اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اس روایت میں (راوی) سعید بن سماک بن حرب متروک الحدیث ہے۔

جمعہ کے فرضوں سے پہلے سنتیں

اس باب کی ساری مرفوع احادیث موضوع یا منکر ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث ہم نے اپنی کتاب ”الغر الدانی المستطاب فی فقہ السنہ والکتب“ میں لکھی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

جمعہ کی تیسری اذان (یعنی اذان عثمانی) پر بدعت کا حکم لگانا

یہ وہ اذان ہے جس کا حکم امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیا تھا صحابہ کے زمانے سے لے کر آج تک اس پر مسلمانوں کے اتفاق سے عمل جاری ہے، شدید شرعی

۱۔ [ضعیف، صحیح ابن حبان، موارد الظمان (۵۵۴) اس کے راوی سعید بن سماک بن حرب کی ابن حبان نے توثیق کی مگر ابو حاتم رازی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہے لہذا جرح ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم!]

۲۔ [مصنف کی مذکورہ کتاب عام اردو دان طبقہ کے پاس موجود نہیں ہے، لہذا عرض ہے کہ اس سلسلہ کی مشہور روایت سنن ابن ماجہ (۱۱۴۹) میں مروی ہے جس میں بشر بن سعید راوی کذاب ہے اس کی سند میں اور بھی بہت سے نقائص ہیں۔ بعض لوگوں نے ان رکعات کے جواز پر بعض آثار صحابہ بھی پیش کیے ہیں اور بہتر یہی ہے کہ خطبہ جمعہ سے پہلے بغیر تعین جو مقدر میں ہو پڑھ لے، خطبہ کے دوران صرف دو رکعات ہی پڑھے۔]

ضرورت بھی اس اذان کے جواز کا تقاضا کرتی ہے۔

السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

”جمعہ کے دن پہلی اذان یعنی اذان خطبہ اس وقت ہوتی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور نماز پڑھنے والے لوگوں کی کثرت ہو گئی تو انہوں نے تیسری اذان (یعنی خطبہ سے پہلے اذان عثمانی) کا اضافہ مدینہ کے بازار زوراء میں کر دیا۔“

بعض علماء کا خیال ہے کہ آج کل اس اذان کا ترک کر دینا بہتر ہے کیونکہ جس وجہ سے اس کا اضافہ کیا گیا تھا وہ جب اب ختم ہو چکی ہے۔ اور آج کل مسجدیں بھی بہت زیادہ ہیں اور لاؤڈ سپیکر بھی کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں۔^۱
لیکن بعض نوآموز لوگوں نے یہ جرات کی کہ اس اذان کو بدعت قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول بذات خود بدعت ہے کسی عالم سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے اذان عثمانی کو بدعت کہا ہو۔^۲

خاص طور پر اس حالت میں کہ جمہور علماء نے آثار صحابہ سے دلائل پکڑنے کا مسلک اختیار کیا ہے بلکہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک یہ سنت ہے۔ اگر اس مسئلہ (حجیت آثار صحابہ) میں عام صحابہ کے بارے میں اختلاف ہو بھی تو خلفائے راشدین کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان کے آثار حجت ہیں۔^۳

۱ (صحيح البخارى 'كتاب الجمعة' باب الاذان يوم الجمعة (۹۱۲))

۲ [یہی قول راجح ہے۔ واللہ اعلم]

۳ [عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے باسند صحیح یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اذان عثمان کو ”بدعت“ کہا ہے دیکھئے

معنف ابن ابی شیبہ (۲/۱۳۰) لیکن ہمارے لیے اس مسئلہ میں سکوت کرنا ہی لازم ہے۔]

۴ [بشرطیکہ یہ آثار ہر لحاظ سے مرفوع حدیث کے مخالف نہ ہوں اور تطبیق ممکن ہو ورنہ مرفوع حدیث پر عمل

میں ہی نجات ہے۔]

اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک ہے:
 ”میری سنت پر عمل کرو اور میرے خلفائے راشدین ائمہ ثلاثین کی سنت پر عمل کرو
 اسے مضبوطی سے پکڑ لینا۔“^۱

جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر خطبہ جمعہ کی اذان دینا

اسے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الاجوبہ النافعة“ (ص ۲۸) میں ترجیح دی
 ہے دلیل اس روایت سے پکڑی ہے جسے محمد بن اسحاق نے عن الزہری عن السائب بن
 یزید کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

”نبی ﷺ جب منبر پر (خطبہ کے لیے) بیٹھتے تو آپ ﷺ کے سامنے مسجد
 کے دروازے پر اذان دی جاتی تھی، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی ایسا ہی
 ہوتا تھا۔“^۲

محمد بن اسحاق بن یسار صدوق (یعنی حسن الحدیث) اور مدلس تھے انہوں نے یہ
 روایت ”عن“ سے یعنی سماع کی تصریح کے بغیر روایت کی ہے لہذا یہ سند ضعیف ہے۔ وہ
 امام زہری کے شاگردوں میں طبقہ اولی کے بھی نہیں ہیں اسی لیے ان کا تفرّد روایت کو منکر
 بنا دیتا ہے اور اس روایت میں ان کی مخالفت بھی کی گئی ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المعجم الکبیر“ (۴/ ۱۷۳) میں المعتز بن سلیمان التیمی
 حدیثی ابی عن الزہری عن السائب بن یزید کی سند سے روایت کیا ہے کہ
 ”رسول اللہ ﷺ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں (خطبہ کی) اذان منبر کے
 قریب ہوتی تھی۔ (خطبہ سے پہلے) تیسری اذان کا اضافہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ

۱ صحیح سنن الترمذی، کتاب العلم، باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة (۲۶۷۶)
 وقال: ”حسن صحیح“ ابو داؤد (۴۶۰۷) ابن ماجہ (۴۲) اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی وغیرہم
 نے صحیح کہا ہے۔

۲ اس کی سند ضعیف ہے جیسا کہ مؤلف نے با دلیل واضح کر دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد الصلوٰۃ،
 باب النداء یوم الجمعة: (۱۰۸۸، ۱۰۸۹) المعجم الکبیر للطبرانی (۴/ ۱۷۳)

نے کیا تھا۔“
اس کی سند صحیح ہے۔

طویل خطبہ اور مختصر نماز

جیسا کہ خطبہ سننے والا شخص اکتا دینے والی تکرار کی کثرت سے زچ اور پریشان ہو جاتا ہے۔ چھوٹی اور تیز پڑھی جانے والی نماز کی وجہ سے نمازی کے دل میں خشوع پیدا نہیں ہوتا۔ یہ عمل نبی ﷺ کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ ”آدمی (یعنی امام و خطیب) کا لمبی نماز پڑھانا اور مختصر خطبہ دینا اس کے فقہ (یعنی فقیہ ہونے) کی علامت ہے لہذا اپنی نمازیں لمبی کرو اور خطبے چھوٹے (اور مختصر) کرو بے شک بعض بیان (خطبے اور تقریریں) جادو (کی طرح اثر کرتے) ہیں۔“^۱

عید کے دن اگر جمعہ ہو تو جمعہ کی نماز ترک کر دینا

یہ مشہور بدعتوں میں سے ہے۔ حالانکہ صرف مسافروں، نواحی بستی والوں اور ان جیسے لوگوں کے لیے یہ جائز ہے کہ جمعہ کے دن اگر عید ہو تو عید پڑھنے کے بعد اپنے ڈیروں میں جا کر ظہر کی چار فرض رکعتیں پڑھ لیں۔ رہے شہری لوگ تو ان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی بلکہ ان پر نماز جمعہ واجب یعنی فرض ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”ہدی النبی ﷺ فی العیدین“ میں لکھی ہے۔^۲

۱ [صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبة (۸۶۹)]

۲ [اس مسئلہ میں مؤلف کی تحقیق صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہی ہے کہ شہری ہو یا دیہاتی، اگر عید کے دن جمعہ ہو تو عید کی نماز کے پڑھنے کے بعد عام لوگوں کے لیے جمعہ کی رخصت ہے لہذا اس دن جمعہ کے بدلے ظہر پڑھنا جائز ہے۔ دیکھئے سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب اذا وافق الجمعة

یوم عید (۴۰/۱۰۷۳ تا ۴۰/۱۰۷۳) ونبیل المقصود لراقم الحروف (۱: /۳۲۵)]

نماز جمعہ کے بعد (بغیر سلام و کلام کے) سنتیں اور نوافل پڑھنا

یہ جائز نہیں ہے بلکہ بری اور منکر بدعت ہے اس بدعت کا وجود نہ نبی ﷺ کے زمانے میں تھا اور نہ صحابہ کرام کے دور میں بلکہ آپ ﷺ سے اس کی مخالفت ثابت ہے۔ عمر بن عطاء بن ابی الخوار سے روایت ہے کہ نافع بن جبیر نے اسے السائب (بن زید) ابن اخت النمرؓ کے پاس اس چیز کے بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا جو انہوں نے معاویہؓ کو نماز میں کرتے دیکھا تھا تو انہوں (السائبؓ) نے کہا: جی ہاں! میں نے المقصورة (مسجد سے متصل حجرہ) میں نماز پڑھی ہے جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا پھر (نفل یا سنت) نماز پڑھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر اپنی جائے نشست میں داخل ہوئے تو مجھے بلایا اور کہا ایسا کام دوبارہ نہ کرنا! جب جمعہ پڑھو تو کلام یا خروج (از مقام جماعت و مسجد) کے بغیر کوئی نماز نہ پڑھو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم فرض نماز کو نفل یا سنت نماز کے ساتھ نہ ملائیں حتیٰ کہ ہم باتیں کریں یا نکل جائیں۔

جمعہ کے دن قبولیت دعا والی گھڑی کا تعیین کہ وہ (خطبہ کے لیے) امام کے

بیٹھنے سے لے کر نماز کے اختتام تک کا وقت ہے

اس وقت میں (دنیاوی) کلام کرنا ناجائز ہے اس میں صرف خطبہ سننے کے لیے خاموش رہنا واجب ہے نہ کہ آدمی دعا میں تندہی سے مشغول ہو جائے۔

صحیح مسلم میں مخرقہ بن بکیر عن ابیہ عن ابی بردہ عن ابی موسیٰ کی سند سے ہے:

”یہ وقت امام کے (خطبہ کے لیے) جلوں سے لے کر نماز کے خاتمہ تک

۱ [صحیح مسلم کتاب الجمعة باب الصلاة بعد الجمعة (۸۸۳)]

۲ [یاد رہے کہ دل میں دعا کرنا نہ تو سکوت کے منافی ہے اور نہ ہی خطبہ سننے کے لہذا دل میں دعا کرنا

جائز ہے خاص طور پر رکوع و سجود میں جس دعا کو اختیار کرے جائز ہے بشرطیکہ الفاظ صرف مسنون اور

عربی کے ہوں۔]

ہے۔^۱

اس حدیث میں بعض اہل علم نے اور ناقدین حدیث نے کلام کیا ہے جو کہ مردود ہے۔ انہوں نے اسے انقطاع کے ساتھ معلول قرار دیا ہے کیونکہ مخرمہ بن بکیر نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔^۲

اس روایت میں اس کی مخالفت بھی کی گئی ہے ایک جماعت نے اسے ابو بردہ سے موقوفاً بیان کیا ہے پھر یہ کہ یہ ان صحیح احادیث کی مخالف بھی ہے جن میں آیا ہے کہ قبولیت دعا کا یہ وقت جمعہ کے دن عصر کے بعد غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”ہدی النبی ﷺ فی یوم الجمعة“ دیکھیں۔^۳

جمعہ کی رات کو خاص طور پر قیام کرنا

یہ بھی بہت سے لوگوں کے درمیان مشہور بدعت ہے اس کے ناجائز ہونے پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دلیل ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ مخصوص نہ کرو۔“^۴

جمعہ کے دن احتباء کی ممانعت

(احتباء پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ لینے کو کہتے ہیں) صحیح یہ ہے کہ جمعہ ہو یا کوئی دوسرا دن احتباء کرنا جائز ہے اس کے جواز کی دلیل وہ روایت ہے جسے

۱ [مسلم، کتاب الجمعة، باب فی الساعة التي فی یوم الجمعة (۸۵۳)]

۲ [مخرمہ بن بکیر، جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہے۔ اس نے اپنے والد سے کچھ احادیث سنیں، باقی وجادہ یا اجازہ ہیں۔ اصول حدیث میں یہ ہے کہ وجادہ یا اجازہ والی روایت صحیح ہوتی ہے۔ لہذا مخرمہ بن بکیر پر جرح یا تہلیل کا الزام مردود ہے۔]

۳ [تطبیق یہ ہے کہ خطبہ سے اختتام نماز اور عصر سے مغرب تک دونوں حصوں میں قبولیت دعا کی گھڑی

ہے۔]

۴ [صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب کراهة افراد یوم الجمعة بصوم لایوافق

عادته (۱۱۳۲)]

ابن ابی شیبہ (مصنف: ۱/ ۳۵۳، ح ۵۲۳۸) نے حسن سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ جمعہ کے دن احتباء کرتے تھے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہوتا تھا۔

جس شخص نے احتباء سے منع کیا ہے اس نے اس ضعیف روایت سے دلیل پکڑی

ہے جسے ابوداؤد (۱۱۱۰) ترمذی (۵۱۳) بیہقی (۳/ ۲۳۵) اور ابن المنذر نے "اللاوسط (۳/ ۸۳)" میں سعید بن ابی ایوب حدیثی ابو مرحوم عن سہل بن معاذ عن ابیہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ "نبی ﷺ نے جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو احتباء کرنے سے منع کیا ہے۔" ۱

ابن المنذر انیسا بوری کہتے ہیں:

"اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے اور میں اسے ثابت نہیں سمجھتا کیونکہ اس کی سند مجہول ہے۔"

مجھے اس سند میں کوئی مجہول راوی معلوم نہیں ہے لہذا یہ کہ ابو مرحوم عبدالرحیم بن میمون اور سہل بن معاذ دونوں ضعیف ہیں لہذا ایسی سند کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ ۲

جمعہ کے دن پہلے خطبہ کے بعد دو رکعتیں پڑھنا

میں نے بہت سے لوگوں کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے خاص طور پر ہندوستان کے متعصب حنفی (دیوبندی و بریلوی) حضرات یہ عمل بغیر کسی شرم و جھجک کے کرتے ہیں؛

۱ [ضعیف، اس کی سند محمد بن عجلان کی تالیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

۲ [اس کی سند حسن ہے اسے ترمذی و بیہقی نے حسن اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ سہل بن معاذ اور ابو مرحوم دونوں جمہور محدثین کے نزدیک موثق یعنی "حسن الحدیث" ہیں۔ مؤلف کتاب کا علی الاطلاق انہیں ضعیف کہا صحیح نہیں ہے]

۳ [راقم الحروف نے نبیل المقصود (۱/ ۳۲۳) میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس کی سند حسن لذاتہ ہے والحمد للہ۔ لہذا اس سے حجت پکڑنا صحیح ہے رہا ابن عمر سے منسوب اثر تو اوپر عرض کیا گیا ہے کہ بخاطر

سند ضعیف و ناقابل حجت ہے۔]

یہ ایسی منکر بدعت ہے کہ اس کے مستحب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، کجا یہ کہ یہ سنت ثابت ہو؟ بلکہ دونوں خطبوں کے درمیان اتنا تھوڑا جلسہ (بیٹھنا) ہوتا ہے کہ خطیب صرف سانس لیتا ہے۔

اور یہ وقفہ ان دو رکعتوں کے پڑھنے کے لیے کافی نہیں اور اس میں خطبہ میں خاموشی کی مخالفت بھی ہے اور لوگوں کو اس کام میں لگا دینا ہے جو واجب نہیں ہے بلکہ جائز بھی نہیں۔

دونوں خطبوں کے دوران اذان دینے والوں کا

گمشدہ چیزوں کا اعلان یا بلند آواز سے دعا کرنا

سابقہ بدعات کی طرح اس بدعت کا بھی عملی ثبوت یا استحباب یا جواز سلف صالحین میں سے کسی سے ثابت نہیں اور نہ کسی قابل اعتماد امام نے اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ یہ صوفیاء ان کے سلسلہ و طریقت پرست پیروکاروں اور تمام نہاد غلط کارزارہدوں کی بہت بری بدعت ہے۔

نماز جمعہ کے بعد غیر شرعی اذکار

یہ بھی طریقت پرست اور جاہل صوفیاء کا طریقہ کار ہے، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کے بعد نمازی دو گروہ بنا کر آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان میں سے بعض آگے پیچھے اس طرح کھڑے ہوتے ہیں کہ جانوروں کے قدموں کی سی آوازیں آتی ہیں، یہ لوگ سریانی ناموں ”ھوھو“ اور اللہ تعالیٰ کے صرف نام ”اللہ“ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

مطلق طور پر یہ بہت بری بدعت ہے، اس کا طریقہ اس کے لیے جمع ہونا اور یہ درج بالا اذکار سب بدعت ہیں، کیونکہ صرف ”اللہ“ کا نام ”ھوھو“ اور ان سریانی ناموں جن کا مطلب بھی معلوم نہیں، کے ساتھ ذکر کرنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ بعض لوگ مصنوعی حال اور وجد کی شدت سے رقص کرنے اور تالیاں بجانے کا مظاہرہ کرتے

ہیں، اسے وہ وجد اور حضور قلب کہتے ہیں، حالانکہ یہ ابلیس اور اس کے ساتھیوں کا حاضر ہونا ہوتا ہے۔

قص کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو فاسق، عنث (بہجڑے) اور زنا (زنانہ) قسم کے لوگ ہیں۔

سورۃ کہف پڑھنے کے لیے جمعہ کے دن اکٹھا ہونا

ابن الحاج نے ”المدخل (۲/۲۸۱)“ میں لکھا ہے:

”لوگوں نے جمعہ کے دن سورۃ کہف کی قراءت کی جو بدعت نکالی ہے اس سے انہیں منع کرنا چاہیے، وہ مسجد میں اکٹھے ہوں یا باہر معاملہ برابر ہے۔ اگرچہ اکیلے آدمی کے لیے پوری سورۃ کہف، خاص طور پر جمعہ کے دن پڑھنا احادیث میں وارد ہے مگر اس کا طریقہ وہی ہوگا جو سلف صالحین سے ثابت ہے نہ کہ آج کل کا طریقہ۔ اسے اکیلا آدمی مسجد میں آہستہ آہستہ اور مسجد سے باہر اونچی آواز سے پڑھ سکتا ہے اور اس مسجد میں اونچی آواز سے بھی پڑھ سکتا ہے جہاں نمازی موجود نہ ہوں تاکہ اونچی قراءت سے لوگوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور جبکہ افضل یہی ہے کہ اسے آہستہ آواز سے پڑھا جائے۔ رہا لوگوں کا اجتماعی طور پر یہ سورت پڑھنا تو یہ بدعت ہے۔“

نماز سے فراغت کے بعد ذکر اور دعا پر اجتماع کرنا

اس مسئلہ پر تفصیلی کلام (ان شاء اللہ) ”دعا اور ذکر“ کی بحث میں آئے گا۔

ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”تمام لوگوں کو اونچی آواز سے ذکر و دعا اور نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ

اٹھانے سے ڈرنا اور باز آنا چاہیے، کیونکہ یہ بدعت ہے۔“

بھکاریوں کا مسجدوں کے دروازوں پر بیٹھ جانا

اس سلسلہ میں بھکاریوں نے بڑے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں، بعض تو ایسے ہیں

جو سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں اور بعض نمازیوں کے انتظار میں اپنی نمازیں ضائع کر دیتے ہیں۔

بعض عام نمازیوں کے ساتھ فرض نماز پڑھ کر ذکر و اذکار سے پہلے ہی فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں اور مختلف انداز سے بھیگ مانتے ہیں۔ ان لوگوں کی اکثریت بے کار کام چور اور پریشان کرنے والے اشخاص پر مشتمل ہوتی ہے۔ حالانکہ مسجدیں ان لوگوں کی ان حرکات کے لیے نہیں بنائی گئیں بلکہ ذکر، نماز، علم اور دعا کے لیے بنائی گئی ہیں۔ بلکہ مساجد کے بعض ذمہ دار حضرات تو دوسرے خطبہ کے بعد لوگوں کا اکٹھ دیکھ کر نماز سے پہلے ہی لاؤڈ سپیکر پر مسجد و مدرسہ کے لیے نان و نفقہ یعنی چندہ مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ ترغیب دیتے ہیں کہ مسجد کے صندوق میں رقم ڈالتے جائیں یعنی اسے بھرتے جائیں یہ سب کام بدعت ہیں جس کی سنت مطہرہ سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔



عیدیں

عیدین کی بدعات اور سنت نبوی سے ان کا رد

عیدین کا شمار ان اہم نشانیوں میں سے ہے جن سے ادیان عالم میں حد امتیاز قائم ہے۔ ہر دین و مذہب والوں میں بعض دن عید کے ہوتے ہیں جن میں وہ اکٹھا ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ان دنوں کو انتہائی بابرکت اور عبادت کا دن سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو بدھ مت جیسے بہت سے باطل مذاہب جنہیں شیطان کے پیروکاروں نے گھڑ لیا ہے، بھی دوسرے لوگوں سے ان بعض تہواروں (عیدوں) میں امتیاز رکھتے ہیں جنہیں وہ بابرکت، قابل احترام اور قابل عبادت سمجھتے ہیں۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے جو قیامت تک باقی رہے گا پہلے تمام ادیان و مذاہب کو اس نے منسوخ کر دیا ہے۔ اس دین حنیف میں صرف دو عیدوں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا ثبوت ہے، تیسری کسی عید کا کوئی ثبوت، بلکہ تصور تک بھی نہیں ہے۔ اسلام نے ان دو عیدوں کے سوا باقی تمام تہواروں کو باطل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے مدینہ والے دو مخصوص دنوں میں کھیل کود اور خوشیوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ

”یہ کون سے دو دن ہیں؟“ انہوں نے کہا، ہم زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کودتے اور خوشیاں منایا کرتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے تمہیں دو بہترین دن دے دیے ہیں، ایک عید الاضحیٰ اور دوسرا عید الفطر کا دن۔“

پس نبی ﷺ نے انہیں زمانہ جاہلیت کے تمام تہواروں سے کلیتاً منع کر دیا اور یہ ایسی ممانعت ہے کہ اس کے بعد ان تہواروں میں شامل ہونے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ آپ ﷺ نے انہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں اسلامی عیدوں کو منانے کی تلقین کی اور سمجھایا کہ یہ دو عیدیں تمام سابقہ تہواروں پر فضیلت رکھتی ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ حدیث سابق سے آپ اس شرعی قاعدے کا اشارہ سمجھ لیں جس کے تحت بہت سے احکام شریعت درج ہیں اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ

عیدیں اور تہوار مذاہب و ادیان کی خاص نشانیاں ہوتی ہیں اور ان کا ثبوت صرف کتاب و سنت سے ہی لیا جاسکتا ہے لہذا بغیر شرعی دلیل کے کسی دن یا رات کو تہوار والا اجتماع اور نماز یا روزہ کے استحباب کے عقیدہ سے خاص عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس بات کو جب آپ نے سمجھ لیا تو آپ پر درج ذیل عیدوں اور تہواروں کا بدعت ہونا خود بخود واضح ہو جائے گا۔

معراج کی عید یعنی شب برأت

یہ بدعت وسیع پیمانے پر پھیل چکی ہے لوگ اسے ستائیس رجب کی رات کو دھوم دھام سے مناتے ہیں اور لوگ اسے پرسوز تقریروں، تلاوت قرآن اور گڑگڑا کر دعاؤں میں گزارتے ہیں۔ بعض لوگ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب من گھڑت قصہ معراج عزت و احترام سے پڑھتے ہیں۔ ابو ہارون العبیدی کذاب متروک کی طویل من گھڑت حدیث پڑھتے ہیں جس میں واقعہ معراج افسانوی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ نہ معراج کی رات کا تعین ثابت ہے اور نہ صحیح تاریخ کا ثبوت ہے کسی صحابی سے یہ رات منانا ثابت نہیں اور نہ اس میں کوئی خاص عبادت ہوتی ہے۔ سلف صالحین میں سے بھی نہ کسی نے معراج کی رات کا تعین کیا ہے اور نہ دن یا مہینے کا نہ کسی نے اس مخصوص رات میں قیام یا مخصوص دن میں روزہ کی ترغیب دی ہے بلکہ یہ

← (۱۵۵۷) اس کی سند صحیح ہے۔ حمید الطویل نے مسند احمد (۲/۲۵۰) میں معراج کی تصریح کر رکھی ہے۔ اسے حاکم

اور ذہبی (۱/۲۹۴) نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

تمام چیزیں بعد والے لوگوں کی ایجاد ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

”اس رات کے تعین، تاریخ یا مہینہ پر کوئی دلیل نہیں ہے، اس سلسلہ کی روایات بے سند اور من گھڑت ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں۔“

انہوں نے مزید فرمایا:

”صحابہ کرام اور تابعین عظام معراج کی رات میں عبادت کے خاص کام نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لیے یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ کون سی رات تھی۔ اگرچہ یہ مسلم ہے کہ معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اور عظیم الشان فضائل اور معجزوں میں سے ہے، اس کے باوجود اس کے لیے شرعی عبادت کی تخصیص ثابت نہیں۔“ (زاد المعاد: ۱/ ۵۷)

شب معراج اور کسی خاص جگہ یا وقت میں عبادت کرنے کے بطلان پر وہ دلیل بھی ہے جس میں آیا ہے کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو دیکھا جو اس مسجد میں نماز پڑھنے کی (سرتوڑ) کوشش کر رہے تھے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو آپ نے انہیں فرمایا کہ

”اے لوگو! تم سے پہلی قوموں کو انہی حرکتوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا حتیٰ کہ انہوں نے ان مقامات کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا۔ جو آدمی یہاں سے گزرے اور نماز کا وقت ہو تو نماز پڑھ لے اور اگر (فرض) نماز کا وقت نہ ہو تو خاموشی سے گزر جائے۔“

پندرہ شعبان کی رات

یہ رات آج کل بہت سے لوگوں کے لیے بڑی آزمائش بن چکی ہے۔ اس کی فضیلت میں بہت سی روایات مروی ہیں جن میں سے راجح قول کے مطابق کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابو الخطاب بن دحیہ نے کہا ہے کہ

”جرح و تعدیل کے علماء کے نزدیک پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کے

بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔^۱

ابن دحیہ سے پہلے یہ بات امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے:

”پندرہ شعبان کو نزول باری تعالیٰ میں تمام روایات کمزور ہیں۔“

(الضعفاء: ۳/۲۹)

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت میں دوسری کئی احادیث بھی ہیں جن کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے اور اکثریت نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دے کر

اپنی کتاب ”اصح“ میں روایت کیا ہے۔“ (لطائف المعارف: ص ۱۳۳)

راویوں کی توثیق اور احادیث کی تصحیح میں ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ بعض

محققین نے اس رات کی ہر مخصوص فضیلت کا انکار کیا ہے۔

ابن وضاح نے ”البدع والنہی عنہا (۱۱۲)“ میں صحیح سند کے ساتھ عبدالرحمن

بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

”میں نے اپنے استادوں اور فقہائے کرام میں سے کسی شخص کو بھی پندرہ شعبان

کی رات کا اہتمام کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ کسی کو مکحول رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ذکر کرتے

ہوئے سنا ہے اور نہ انہیں دوسری راتوں پر اس کی کوئی فضیلت بیان کرتے ہوئے سنا

ہے۔ فقہاء ایسے کام نہیں کرتے تھے۔“

اور ابن وضاح ہی نے صحیح سند (البدع والنہی عنہا: ص ۱۱۳) کے ساتھ ابن ابی

ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ انہیں کہا گیا زیاد النمیری رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کی

اجرو ثواب لیلۃ القدر جیسا ہے تو ابن ملیکہ نے فرمایا کہ

”اگر یہ بات میں خود اس (زیاد النمیری) سے سن لیتا اور میرے پاس لائھی ہوتی

۱ [الباعث علی انکار البدع والحوادث: ص ۵۲ لابی شامۃ المقدسی]

۲ [جمہور علماء کے نزدیک یہ شخص خود ضعیف ہے۔]

۳ [اسماء الرجال کے جمہور علماء کے نزدیک یہ شخص بذات خود ضعیف ہے۔]

تو اسے لائھی سے مارتا۔“

زیاد مذکور قاضی (یا قاص یعنی قصہ گو) تھا۔

لوگوں میں اس رات کی تعظیم و احترام بعض شامی تابعین مثلاً مکحول، لقمان بن عامر اور خالد بن معدان رضی اللہ عنہما کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ انہی سے بعض زاہد قسم کے لوگوں نے یہ مسئلہ لے لیا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان تابعین وغیرہم کو اس سلسلے میں بنی اسرائیل کی بعض روایات پہنچی تھیں۔ ابن رجب کہتے ہیں کہ

”علمائے حجاز عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ اور ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ نے اس پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کا انکار کیا ہے۔ عبدالرحمان بن زید بن اسلم نے اس انکار کو مدینہ کے فقہاء سے نقل کیا ہے امام مالک کے شاگردوں کا یہی موقف ہے۔ اور یہ تمام علماء اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔ (الطائف المعارف: ص ۱۱۴)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے میلاد رسول والے دن میں کوئی خاص اجتماع کیا ہو یا روزوں نماز کھانا کھلانا وغیرہ سے اس دن کی کوئی تخصیص کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ”عید“ کی ایجاد کا ”سہرہ“ رافضیوں اور گمراہ اسماعیلی فاطمیوں کے سر پر ہے جنہوں نے میلاد والی عیدیں گھڑ لیں۔ ان میں وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے مال و دولت خرچ کرتے اور جلسے جلوس کرتے تھے۔

مشہور صوفی السخاوی کہتے ہیں کہ

”خیر القرون میں کسی ایک سے بھی یہ عید منقول و ثابت نہیں یہ بعد میں گھڑی گئی ہے۔ اس کے بعد اہل اسلام (یعنی اسلام کے نام نہاد و عویداروں) نے اسے (سخاوی کے علم کے مطابق) تمام شہروں اور علاقوں میں عزت و احترام

۱ اس کی سند حسن لذاتہ ہے، نعیم بن حماد کو جمہور علماء نے نقد و صدوق قرار دیا ہے۔ لہذا وہ حسن الحدیث

ہیں۔ نعیم پر جرح مردود ہے۔]

سے جلسے جلوس کر کے منانا شروع کر دیا ہے۔ اس عید پر وہ بڑی عظیم الشان دعوتیں اڑاتے ہیں، طرح طرح کے صدقے کرتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، خوشحالی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور میلاد رسول ﷺ کے واقعات پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔“ (الاجوبہ المرضیۃ: ۳ / ۱۱۱۶)

پھر انہوں نے اس میلاد کی فضیلتیں بیان کرنا شروع کر دیں اور ابن الجزری سے اپنی تائید نقل کی اور یہاں تک لکھا کہ

”بلکہ ہمارے استاذ، استاذ الاساتذہ عظیم الشان اماموں کے خاتم (یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کی دلیل بخاری و مسلم کی اس حدیث سے لی ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے ان یہودیوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اس دن اللہ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ کو نجات دی تھی، پس ہم (موسیٰ کے زمانے سے) یہ روزہ اللہ کے شکر کے لیے رکھتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں تم سے زیادہ موسیٰ کے قریب ہوں، پھر آپ ﷺ نے روزہ رکھا اور اس روزے کا حکم بھی دیا اور فرمایا، اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو۔۔۔ الی آخر الحدیث۔“

ہمارے استاذ (یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس فعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی خاص دن میں کوئی نعمت عطا فرمائی ہو یا کسی مصیبت کو دور کیا ہو تو اس کا شکر ہر سال اسی دن منانا صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کئی عبادات مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت قرآن سے منایا جاتا ہے اور ثواب حاصل ہوتا ہے، اس دن نبی ﷺ کی پیدائش سے بڑی کون سی نعمت ہو سکتی ہے؟“ (الاجوبہ المرضیۃ: ۳ / ۱۱۱۷) سخاوی کا کلام ختم ہوا۔

اس کلام اور طریقہ استدلال میں نظر ہے کیونکہ اگر یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوتی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عید میلاد منانے سے نہ رکتے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ دن منانے سے پیچھے رہتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عید میلاد نہ منانا اس کی دلیل قاطع ہے کہ یہ فعل یعنی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں وہ غلو ہے جس سے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”جس طرح عیسائیوں نے (عیسیٰ) ابن مریم کو حد سے بڑھایا تم مجھے حد

سے نہ بڑھانا میں اللہ کا بندہ ہوں لہذا مجھ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔“

اور اگر یہ دلیل آپ کا میلاد منانے کی اصل دلیل ہے تو پھر دیگر انبیاء کی میلادیں منانے کی بھی اکمل دلیل یہی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ آپ نے کسی نبی کا میلاد منایا ہو اور نہ کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ یا تابعی رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہے بلکہ علماء کا غیر مسلموں کے تہواروں کے بارے میں شدید کلام ہے جو عنقریب آئے گا (ان شاء اللہ) اور یہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز ہے تو مسیح کے حق میں بھی جائز ہے حالانکہ یہ عیسائیوں کا مخصوص تہوار ہے اور کسی عالم نے بھی عید میلاد مسیح کو جائز نہیں کہا لہذا یہ استدلال سرے سے ہی مردود ہے۔

پھر یہ کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ یہ دلیل ایک خاص حادثہ اور واقعہ کے بارے میں ہے اسے عام دلیل بنا کر پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وہی عبادت کرتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ ”یہ صرف وحی ہے جو آپ پر وحی کی جارہی ہے۔“

پس ہر عبادت جو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے تو صحیح یہی

ہے کہ وہ عبادت ناجائز و حرام ہے، لہذا یہ کہ اس کے جواز پر کوئی دلیل قائم ہو اور مروجہ میلاد النبی ﷺ منانے پر کوئی دلیل نہیں لہذا اس کا حکم ناجائز اور حرمت والا ہی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کو سختی سے منع کیا تھا جو اکٹھے ہو کر ذکر، تسبیح حمد باری تعالیٰ اور تکبیرات کہہ رہے تھے، انہوں نے اس پر سخت انکار کیا حالانکہ ذکر کرنا فی نفسہ اچھی بات ہے اور عمومی دلائل اس کے مؤید بھی ہیں لیکن ان لوگوں کی خاص ہیئت سنت نبوی یا آثار صحابہ سے ثابت نہیں، لہذا ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے ان ذاکرین پر انکار کیا تھا۔ اسی طرح خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے منع کیا تھا جو قرآن کی تلاوت کرتے اور اس پر روتے (رلاتے) تھے، حالانکہ قرآن کا سننا سنانا فی نفسہ اچھی بات ہے لیکن اس خاص حالت میں سماع قرآن بدعت ہے۔

(البدع والنہی عنہا: ص ۳۶)

تو وہ چیز کیوں نہ ممنوع ہوگی جس کی فضیلت یا خصوصیت پر کوئی دلیل نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ

”جو شخص ہر سال میلاد نبی ﷺ والی رات قرآن کو ختم کرتا ہے، کیا یہ مستحب ہے یا نہیں؟“ تو انہوں نے جواب دیا کہ

”الحمد للہ، عیدین اور ایام تشریق (عید الاضحیٰ کے بعد تین دن) میں لوگوں کو کھانے پینے کے لیے جمع کرنا سنت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لیے مسنون قرار دیا ہے۔ رمضان کے مہینے میں فقیروں اور مساکین کو کھانا کھلانا بھی دین اسلام کے عظیم الشان طریقوں میں سے ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((مَنْ فَطَرَ صَائِمًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ))^۱

”جس نے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا تو اسے اس روزہ دار جیسا ثواب

۱ [صحیح سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل من فطر صائما (۸۰۷) با

ملے گا۔“

فقیر و محتاج حافظوں کو صدقہ و خیرات دینا ہر وقت جائز ہے جو ان کی مدد کرے گا تو ان کے ثواب میں شریک ہو جائے گا۔

رہا بغیر کسی شرعی دلیل کے بعض اوقات کو جمع ہونے کے لیے مقرر کر لینا مثلاً ربیع الاول کے مہینے کی بعض راتیں یا دن میلاد کے لیے مقرر کرنا، رجب کی چند راتیں، اشہارویں ذوالحجہ، رجب کا پہلا جمعہ یا آٹھویں شوال جسے جاہل لوگ ”عید الابرار“ (نیک لوگوں کی عید) کہتے ہیں، یہ سب بدعات ہیں جنہیں سلف صالحین نے پسند نہیں کیا اور ان کا منانا سلف صالحین میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں ہے۔“

(مجموع الفتاوی: ۲۵ / ۲۹۸)

عید میلاد کے جلوس، اہل کتاب کی اہم خصوصیت ہے۔ وہ اپنے انبیاء اور پادریوں کی عید میلادیں مناتے ہیں اور ہمیں ان لوگوں کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں (عیسائیوں) کے طرز عمل کی موافقت کرنا، بظاہر دلی طور پر ان کی حمایت کے مترادف ہے، اسے ہی عقیدہ (کی برابری) کہا جاتا ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ))^۱

”مشرکوں کی مخالفت کرو۔“

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

((خَالِفُوا الْمَجُوسَ))^۲

”مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“

مسند احمد میں ہے کہ

۱ [صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب تفلیم الاظفار (۵۸۹۲) صحیح مسلم، کتاب

الطہارة، باب خصال الفطرة (۲۵۹)]

۲ [صحیح مسلم، کتاب الطہارة، باب خصال الفطرة: ۳۶۰]

((خَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ))^۱

”اہل کتاب کی مخالفت کرو۔“

نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اہل کتاب اور مشرکین کے خاص اعمال کی علانیہ مخالفت کرتے تھے چاہے لباس کا معاملہ ہو یا جماع کا حتیٰ کہ دس محرم کے روزہ میں بھی آپ ﷺ نے اہل کتاب کی مخالفت کر کے نو محرم کے روزے کا حکم دیا بشرطیکہ وہ آئندہ سال زندہ ہوں لیکن اس سے پہلے ہی آپ کی وفات ہو گئی لہذا (یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کی) مخالفت والا حکم اپنے وجود (یعنی لازمی عمل) پر باقی رہا نہ کہ استحباب پر اور اس سے مذکورہ تہوار کا بدعت ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

”عیدوں اور تہواروں کا شریعت منہج (نصب العین) اور عبادات سے تعلق

ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

((لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا))

”ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے شریعت اور نصب العین بنایا ہے۔“

اور فرمایا کہ

((لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ))

”ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کا ایک طریقہ بتایا ہے جس پر وہ عمل پیرا

ہیں۔“

(جیسے قبلہ نماز، روزہ لہذا ان لوگوں کے تہواروں میں شمولیت ہو یا عبادات میں) میں کوئی فرق نہیں ہے پورے تہوار و عید میں موافقت پورے کفر میں موافقت ہے در بعض میں موافقت بعض کفر میں موافقت ہے۔ بلکہ عیدیں اور تہوار قوموں کا خاص لخاص امتیازی نشان ہوتے ہیں ان عیدوں سے ان لوگوں کی عبادات اور مذاہب کا

اظہار ہوتا ہے تو جو شخص ان عیدوں میں جس قوم کی حمایت کرے گا اس نے گویا کفر میں ان کی حمایت کی۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ حمایت و موافقت کفر و ارتداد کا باعث بھی بن سکتی ہے۔“ (افتضاء الصراط المستقیم: ص ۱۸۶)

اس کی تائید قول باری تعالیٰ سے ہوتی ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ (الفرقان: ۷۲)

”اور وہ لوگ جو جھوٹ میں حاضر نہیں ہوتے۔“

سلف صالحین میں سے ایک جماعت مثلاً ابن سیرین، طاؤس، ابوالعالیہ وغیرہم نے اس آیت میں ”الزور“ سے مراد مشرکوں کی عیدیں اور تہوار لیے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۳۱)

نبی ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ

”اے ابو بکر! بے شک ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔“

نبی ﷺ نے ہر قوم کی خصوصیت اس کی عید بتائی ہے کیونکہ اس کا تعلق اس کے خاص شمار و نشان سے ہوتا ہے اس لیے غیر مسلموں کے ساتھ ان کے تہواروں میں کسی قسم کی شرکت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ انہیں مبارک باد بھی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس طرح ان کی مدافعت و حمایت ہوتی ہے اور ان کی شریعت جو کہ محرف و منسوخ ہے اس کا اقرار ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد آپ۔ ک، دین اسلام کے علاوہ کسی دین پر عمل جائز نہیں ہے۔

سلف صالحین سے ایسے اقوال بھی مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کی عیدوں اور تہواروں کی سختی سے مخالفت و حرمت کے قائل تھے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

”جو شخص بلاد عجم میں (کافروں کے ساتھ) رہے ان کے (تہواروں) نیروز اور

مہر جان میں شرکت اور مشابہت کرے اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے تو اس شخص کا حشر انہی (کافروں) کا سا ہوگا۔^۱

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) نے اس شخص کو کافروں کی مکمل حمایت کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے یا اسے ایسا کبیرہ گناہ قرار دیا ہے جس کی وجہ سے آدمی دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے، اگرچہ اول الذکر مفہوم زیادہ ظاہر (اور واضح) ہے۔ لہذا ان تہواروں وغیرہ میں جزوی مشارکت بھی گناہ ہے کیونکہ اگر وہ عذاب کا مستحق نہیں تو تب بھی اس کے لیے یہ کام مباح نہیں ہے اور مباح پر ملامت نہیں کی جاتی، جبکہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی سخت مذمت کر رکھی ہے اور یہ مذمت کسی خاص تہوار یا شخص کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے جس میں تمام لوگ شامل ہیں۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ ”جو کافروں کے علاقے میں رہے“ تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ کے زمانے میں دارالاسلام میں کافروں کو ان (تہواروں) سے روک دیا گیا تھا، مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان تہواروں میں کافروں کی مشابہت نہیں کرتا تھا۔ ایسا کرنا صرف کافروں کے علاقے میں ہی ممکن تھا۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم : ص ۱۷۹)

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس نیروز کا تحفہ لایا گیا تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا، اے امیر المومنین! یہ نیروز کا دن ہے رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہر روز ضرور کرو۔“ یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے نیروز کا لفظ تک استعمال کرنا ناپسند کیا۔^۲

[حسن السنن الکبریٰ بیہقی (۲۳۳/۹)]

[ضعیف البیہقی (۲۳۵/۹) اس کی سند ابن سیرین تک صحیح نہیں ہے اور نہ ابن سیرین کی علی

رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے۔]

اس روایت سے استدلال کی یہ وجہ ہے کہ جب انہوں نے نیروز کا نام تک ناپسند کیا ہے تو نیروز کے عمل اور جلسہ میں کس طرح شرکت کر سکتے تھے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے مشرکین کی تحقیر اور اہانت کے لیے نیروز کا نام تک بدل دیا ہے لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے کاموں کے انکار میں مبالغہ اور سختی کرنا چاہیے۔

عطاء بن دینار سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ

”عجمیوں کی بولیاں نہ سیکھو اور نہ ان کے کنیساؤں (عبادت گاہوں) میں داخل ہو کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔“

امام الخلال رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ”احکام اهل الملل“ میں مہنا بن یحییٰ سے نقل کیا ہے کہ میں نے احمد ابن حنبل سے پوچھا: ”ہمارے ہاں شام میں جو عیدیں ہوتی ہیں جن میں عام مسلمان حاضر ہوتے ہیں بازاروں کو جاتے ہیں ان میں وہ گائیں بکریاں وغیرہ لے کر جاتے ہیں یہ لوگ بازاروں میں خرید و فروخت کرتے ہیں مگر کافروں کی عبادت گاہوں میں داخل نہیں ہوتے۔“ تو امام احمد نے کہا کہ

”اگر یہ ان کی عبادت گاہوں میں داخل نہ ہوں اور صرف بازاروں میں خرید و فروخت میں حاضر ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔“

(الرسائل والمسائل: ۲/۳۳۶)

امام احمد نے عبادت گاہوں کے بجائے بازاروں میں حاضری کو اس لیے جائز رکھا ہے کہ یہ ان لوگوں کے تہواروں میں شرکت سے علیحدہ ہے حالانکہ اس میں بھی ان غلط باتوں پر ان لوگوں کی ضمنی موافقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاقے میں نہ اہل کتاب کی عیدیں منائی جائیں اور نہ ان کا اظہار کیا جائے اور مسلمانوں کو بھی ان کی ذرہ برابر پروا نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان تہواروں کو ختم کر دینا چاہیے۔

۱ [صحیح مصنف ابن ابی شیبہ (۵/۳۰۰) ح ۲۶۲۷۴] عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہے۔ ابن ابی رباح کا زبانوں کے بارے میں یہ قول مرجوح ہے اور حق یہی ہے کہ سب زبانیں سیکھنا

امام احمد رضی اللہ عنہ کے درج بالا قول کی تائید سنت نبوی سے بھی ہوتی ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”الحجر“ لوالوں کے علاقے کے بارے میں فرمایا تھا: ”ان لوگوں کے علاقے میں جن پر عذاب نازل ہوا ہے صرف رونے والی حالت میں داخل ہو کر گزر دو اور اگر رونا نہیں تو پھر اس علاقے میں داخل نہ ہونا، کہیں تمہارے اوپر بھی عذاب نہ آجائے۔“^۱

ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ نے منع کر دیا اور اس علاقے سے بہت جلدی گزر کر اسے اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔^۲

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے قوم ثمود کی زمین ”الحجر“ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑاؤ کیا، وہاں کے کنوؤں سے پانی بھر لیا اور آنا گوندھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پانی بہانے اور آنا مویشیوں کو کھلانے کا حکم دے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ اس کنویں سے پانی بھریں جہاں (صالح کی) اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔^۳

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”اس حدیث میں ظالموں کے علاقے اور عذاب کی سر زمین کی طرف خاص توجہ دینا مقصود ہے اور یہ کہ ایسے علاقے سے جلدی نکل جائے۔ اسی طرح وادی حمر، جہاں ہاتھی والے ہلاک ہوئے تھے اس سے بھی جلدی گزرنا چاہیے اور ایسے علاقوں میں سے سفر کرنے والے کو پوری دیکھ بھال، خوف، گریہ و زاری کا مظاہرہ کرنا چاہیے کہ وہ اس منظر سے عبرت حاصل کرے اور اللہ کی پناہ مانگے۔“ (شرح صحیح مسلم: ۳۱۱/۱۸)

۱ [قوم ثمود کا علاقہ، جن کی طرف صالح بھیجے گئے]

۲ [صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی مواضع الخسف والعذاب (۳۳۳) صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب النهی عن الدخول علی اهل الحجر الامن یدخل باکیا (۲۹۸۰)]

۳ [ایضاً، مسلم (۲۹۸۰)]

۴ [صحیح البخاری، احادیث الانبیاء (۳۲۷۹، ۳۳۷۸، ۳۳۷۹، ۳۳۸۰) مسلم (۲۹۸۱)]

بالکل اسی طرح کفار و مشرکین کے یہ تہوار ہیں یہ بھی اللہ کے عذاب کے مستحق ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول، جس کی سابقہ انبیاء نے بشارت دی ہے، پر ایمان نہ لا کر ان ظالم لوگوں نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ ان بعض بشارتوں کا ذکر ان لوگوں کی تحریف شدہ کتابوں میں بھی موجود ہے، اس کے باوجود انہوں نے رب کے حکم کی مخالفت کر کے دین میں من مانی کی ہے اور ان لوگوں نے اللہ پر افتراء باندھا ہے۔ اور جس شخص نے ان کے بعض قوانین و رسوم میں موافقت کی تو اسے کفر و ظلم سے اتنا ہی حصہ ملے گا اور جس نے ان کے تہواروں پر خوشی منائی تو گویا وہ اس کفر سرکشی اور انکار پر راضی ہے اور جس نے انہیں تحفے تحائف دیے یا ان لوگوں کے لیے خوب کھانے پکائے تو ایسے آدمی کے بارے میں علماء نے سخت کلام کیا ہے بلکہ بعض نے تو ایسا کرنے والے کے لیے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے قول کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے۔

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”حنفیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص ان (کافروں) کی عید کے دن بطور تعظیم ایک خربوزہ انہیں تحفہ دے تو اس نے یقیناً کفر کیا۔“ (احکام اہل الذمہ: ۲/۴۲۵)

اور نیز یہ بھی کہا ہے کہ

”عبدالملک بن حبیب کہتا ہے ابن القاسم (شاگرد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) سے ان کشتیوں میں سواری کے بارے میں پوچھا گیا، جن میں عیسائی اپنے خاص تہواروں میں سفر کرتے ہیں؟ تو انہوں نے اسے مکروہ یعنی حرام قرار دیا کہ کہیں اس اجتماع و شراکت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل نہ ہو جائے۔ راوی کہتا ہے کہ عبدالرحمن بن القاسم نے اسے بھی مکروہ یعنی حرام سمجھا ہے کہ کوئی مسلمان کسی نصرانی کی عید والے دن اس کی دلجوئی کے لیے کوئی تحفہ پیش کرے اور انہوں نے اسے اس تہوار کی تعظیم اور اس کے کفر کی حمایت قرار دیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمانوں کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ عیسائیوں کی عید کے لیے انہیں گوشت، سالن یا کپڑا بچھیں اور نہ انہیں عاریتاً کوئی

جانور (سواری کے لیے) دیں اور ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کریں، کیونکہ اس میں ان کے شرک کی تعظیم اور کفر پر تعاون ہے، لہذا مسلمان حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ ایسے کاموں سے منع کر دیں۔ یہی قول امام مالک وغیرہ کا ہے اور اس میں مسلمان علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

(احکام اهل الذمة: ۲/ ۴۲۳، ۴۲۵)

یہ حکم جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تمام ایجاد کردہ غیر شرعی عیدوں اور تہواروں پر عائد ہوتا ہے جنہیں کفار اور مشرکین مناتے ہیں مثلاً عید میلادُ میلادُ مسیح، کنواری مریم کی عید پادریوں کے ایام منانا، ماں کی عید (عید الام) تازہ ہوا سو گھنٹے کا تہوار، نیروز و مہر جان کی عید اور اس قسم کی وہ تمام عیدیں جو غیر مسلم مناتے ہیں۔

ان تمام عیدوں اور تہواروں کے بارے میں وہی قاعدہ ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اس دن کوئی خاص کام نہیں کیا جائے گا بلکہ مسلمان بغیر کسی خصوصیت کے عام دنوں کی طرح ہی اسے گزاریں گے۔

(اقتضاء الصراط المستقیم: ۲/ ۵۱۸)

وہ ان دنوں میں غیر مسلموں کی مخالفت سے نہ روزہ رکھیں گے اور نہ ان کی ضد سے افطار کریں گے، وہ ان ایام میں ایسی کوئی خاص عبادت نہیں کریں گے جو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے تہواروں کے دن مدینہ والوں کو روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ انہیں ان تہواروں میں شرکت سے منع کیا ہے لہذا ان عیدوں کے بارے میں سنت نبوی بس یہی ہے۔

عاشوراء کی بدعات اور باطل رسوم

پہلے یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا تھا اور مسلمانوں کو یہ روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن موسیٰ اور بنی اسرائیل کو نجات دی،

۱۔ [یہ ضعیفوں کے ایک گروہ کا خاص تہوار ہے جیسے عید نیروز بھی کہتے ہیں۔ از افادات شیخ ابوفراس

فرعون اور اس کی فوجوں پر غالب کر دیا۔ اس دن کی سب سے بڑی یہی خصوصیت ہے اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے اس دن کا روزہ رکھنا مسنون ہے۔ رہا اس دن قسما قسم کے کھانے پکا کر کھانا اور اپنے اہل و عیال وغیرہ کو کھلانا، حلوہ تقسیم کرنا یا اس دن سرمہ ڈالنا وغیرہ ان کاموں میں سے کوئی کام نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ سلف صالحین سے اور نہ ہی کسی مستند عالم نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس دن کے استحباب و فضیلت کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ تمام ضعیف و ناقابل حجت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”اس سلسلے میں نہ نبی ﷺ سے کوئی صحیح حدیث وارد ہے اور نہ کسی صحابی سے نہ اسے ائمہ مسلمین بشمول ائمہ اربعہ وغیرہم نے مستحب گردانا ہے اور نہ کسی مستند کتاب میں اس کا تذکرہ منقول ہے۔ نبی ﷺ صحابہ اور تابعین سے کوئی روایت نہیں، نہ صحیح نہ ضعیف، نہ کتب صحاح میں اس کا ذکر ہے اور نہ کتب سنن میں اور خیر القرون سے بھی ایسی کوئی روایت معلوم نہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: ۲۵/۲۹۹)

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اور ان (موضوع احادیث) میں سے عاشوراء کے دن سرمہ ڈالنا، زیب و زینت و سبوح خریج کرنا اور (مخصوص) نمازیں پڑھنا وغیرہ فضیلتوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے، صرف روزوں کی فضیلت ثابت ہے، ان کے علاوہ سب کچھ باطل ہے۔“ (المنار المنیف: ص ۱۱۱)

اور مزید لکھتے ہیں کہ

”سرمہ ڈالنے، تیل لگانے اور خوشبو لگانے کی جملہ احادیث جھوٹے لوگوں کی وضع کردہ ہیں، ان کے مقابلے میں دوسرے جھوٹے لوگوں نے تکلیف اور غم کی روایات وضع کر دی ہیں لہذا یہ دونوں گروہ بدعتی اور اہل سنت سے خارج

ہیں اور اس دن اہل سنت (وہ) روزے رکھتے ہیں جن کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے اور شیطان کی جاری کردہ بدعات سے کلی اجتناب کرتے ہیں۔“ (ایضاً)
حافظ ابن رجب الحسنبلی نے لکھا ہے بل

”عاشوراء کے دن سرمہ ڈالنے، خضاب لگانے اور غسل کرنے کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ سب موضوع اور من گھڑت ہے صحیح نہیں۔“

(لطائف المعارف: ص ۵۳)

اس میں سے اس دن والدین کے ساتھ خاص طور پر نیکی کرنے کا عقیدہ و عمل ہے اس بارے میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ رہا والدین کے ساتھ نیکی کرنا تو یہ ہر وقت فرض ہے کسی خاص دن یا وقت کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

ان خوشیوں اور جلوں و اجتماع کے مقابلے میں روافض اور شیعہ کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ اس دن قتل حسین علیہ السلام پر ماتم اور غم کا مظاہرہ کرتے ہیں، بہت زیادہ روتے پٹیتے ہیں، کالا لباس پہنتے اور اپنے آپ کو اپنے گھر والوں کو مختلف ضربوں اور ظالمانہ رسوم سے سخت تکلیف پہنچاتے ہیں پھر اسے دین بھی سمجھتے ہیں۔^۱

حافظ ابن رجب علیہ السلام نے کہا کہ

”یہ ایسے لوگوں کا عمل ہے جن کے اعمال دنیا کی زندگی میں ہی ضائع اور ختم ہو چکے ہیں جبکہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بڑائیگی کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے انبیاء کی مصیبتوں والے دنوں اور ان کی دردناک وفات کا ماتم منانے کا حکم نہیں دیا تو کسی غیر نبی کے بارے میں یہ عمل کیوں کر جائز

۱ [یعنی ان کا عقیدہ اور طریقہ استدلال امام احمد بن حنبل علیہ السلام جیسا تھا نہ کہ یہ امام احمد علیہ السلام کے مقلد تھے ان تمام علماء کا یہی نعرہ ہے کہ ”لسنا مقلدین“ ہم مقلدین نہیں ہیں۔ دیکھئے تقریرات الرافعی (۱/۱۱)

۲ [حالانکہ ان کی اپنی مذہبی کتابوں میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ ”ومن لامحضرہ الفقہ ۱/۲۵۱ نمبر ۷۶“ میں کالے لباس کو فرعون کا لباس قرار دیا گیا ہے]

ہو سکتا ہے؟“ (طائف العارف: ص ۵۳)

سرمہ ڈالنے والی حدیث اور اہل و عیال پر وسیع خرچ والی حدیث کی تخریج ہماری کتاب ”صون الشرع الحسیف“ کی دوسری جلد میں موجود ہے۔

ماہ رجب

مشہور غیر شرعی عیدوں میں سے ماہ رجب کی وہ عید بھی ہے جسے لوگ بطور عادت و رواج اور بڑے ذوق و شوق سے مناتے ہیں، خاص طور پر ستائیس رجب کی رات۔

میرے خیال میں اس میں مبالغہ نہیں ہے کہ بہت سے نا سمجھ مسلمان اس مہینے میں وہ عبادات کرتے ہیں جو رمضان میں بھی نہیں کرتے، مثلاً روزے، صدقات، کھانا کھلانا اور عمرہ وغیرہ، حالانکہ فضیلت میں یہ مہینہ بھی عام مہینوں کی طرح ہے اور اس کی مخصوص فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ ملا علی القاری حنفی نے بڑا تکلف کر کے اس مہینے کی فضیلت میں ایک رسالہ لکھ دیا ہے جس میں موضوع، منکر اور مردود روایات جمع کر کے اس کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ لوگ اس میں روزے رکھیں، ملا علی القاری نے اس مسئلہ میں قابل اعتماد اماموں کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”اس مہینے میں روزوں کی فضیلت کے بارے میں ضعیف روایات مروی ہیں جو کثرت طرق کی وجہ سے قوی بن جاتی ہیں۔“

(الادب فی رجب للقاری: ص ۲۳)

بلکہ ملا صاحب نے اس مہینہ میں سلف صالحین اور امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہے۔ خرشہ بن الحر سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ رجب میں عمر رضی اللہ عنہ مار مار کر لوگوں کو برتنوں میں ہاتھ ڈالنے یعنی کھانا کھانے پر مجبور کرتے اور فرماتے کہ

”کھاؤ، کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جس کی زمانہ جاہلیت والے لوگ بڑی تعظیم

۱ [موضوع، انظر الموضوعات لابن الجوزی (۲/۲۰۱) دیمبرہ]

۲ [ضعیف، انظر مشکوٰۃ (۱۹۳۶، ۱۹۳۷) بتحقیقی]

کرتے تھے۔“^۱

محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب لوگوں کو رجب کی تیاریاں کرتے دیکھتے تو ناپسند فرماتے تھے۔“^۲

علماء نے اس مسئلہ پر کافی و شافی یعنی تفصیل سے کلام کیا ہے۔

حافظ المومنین الساجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”امام عبداللہ الانصاری خراسان کے مشہور شیخ رجب کا روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے وہ فرمایا کرتے کہ رجب یا اس کے روزے کی فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور اس کے روزے کی کراہیت و ناپسندیدگی ابو بکر و عمر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔“^۳

شیخ الاسلام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

”رجب کے روزے یا اس کی بعض راتوں کی نماز کے بارے میں ہر مروی حدیث جھوٹ و افتراء ہے۔“ (المنار المنیف: ص ۹۶)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”رجب کی فضیلت اس کے خاص و معین روزوں یا خاص رات کے قیام کے بارے میں کوئی ایسی حدیث مروی نہیں جو صحیح اور قابل استدلال ہو اور یہ بات مجھ سے پہلے امام ابو اسماعیل الہروی الحافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے۔“^۴

رہا عمرہ تو ایک جماعت نے اسے مستحب سمجھا ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی

۱ [ضعیف، مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۳۵، ح ۹۷۵۸) اگلی سند ابو محابہ اور الامش کی تالیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

۲ [صحیح، ابن ابی شیبہ (۲/۳۳۶، ح ۹۷۶۱) کو سندہ صحیح]

۳ [الباعث علی انکار البدع والحوادث لابن شامہ المقدسی، ص ۷۱]

۴ [تبيين العجب بماورد في فضل رجب، ص ۲۱]

ہے کہ نبی ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا تھا، یہ سن کر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمر رضی اللہ عنہما پر انکار کیا اور فرمایا کہ

”اللہ ابو عبد الرحمن (عبداللہ بن عمر بن الخطاب) کی مغفرت کرے، نبی ﷺ نے رجب میں عمرہ نہیں کیا تھا (کیونکہ) آپ ﷺ نے جتنے عمرے کیے ہیں میں ان میں آپ کے ساتھ تھی۔“

ابن عمر رضی اللہ عنہما جب عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول سنتے تو خاموش ہو جاتے نہ تائید کرتے اور نہ تردید۔^۱

امام شوکانی نے علی بن ابراہیم العطار سے نقل کیا ہے کہ ”مکہ والوں کا صرف رجب میں بہت زیادہ عمرے کرنا میرے علم کے مطابق اس کی (صحیح دلیل سے) کوئی اصل نہیں ہے۔“ (الفوائد المجموعہ: ص ۴۴۰)

بعض لوگ میلاد نبوی کا خاص عمرہ کرتے ہیں جسے ”عمرۃ المولد“ کہتے ہیں اور یہ بدعت ہے کہ اس مہینے (رجب) اور اس دن میلاد کی وجہ سے عمرہ کیا جائے، ہاں البتہ یہ جائز ہے کہ کوئی آدمی اس مہینہ میں اتفاقاً بغیر کسی تعین کے عمرہ کر لے یا روزے رکھ لے۔ رہا اس مہینے (رجب) میں خاص طور پر زکوٰۃ نکالنا اور ادا کرنا تو اس کے بارے میں حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”اور رہی زکوٰۃ، تو یہ ہمارے علاقے کے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ رجب میں زکوٰۃ نکالتے ہیں جبکہ اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی یہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔“ (لطائف المعارف: ص ۱۲۵)

اللہ ہی توفیق عطا فرمائے تاکہ لوگ کتاب و سنت پر صحیح طریقے سے عمل کر سکیں۔



۱ [صحیح البخاری، کتاب العمرة، باب کم اعتمر النبی ﷺ (۱۷۷۵، ۱۷۷۷) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر النبی ﷺ، وزمانہن (۱۲۵۵)]

الجمائز

جنازے کی بدعات اور ان کا رد

جنازے کے سلسلہ میں کی جانے والی بدعات تو بہت زیادہ ہیں ہم ان میں سے اہم ترین اور مشہور بدعتوں کا یہاں تذکرہ کرتے ہیں۔

مرنے والے کے پاس شیاطین کا حاضر ہونا

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے والے کے پاس شیاطین اس کے ماں باپ کی شکل میں اور یہود و نصاریٰ کے بھیس میں آکر ادیان باطلہ اس کے سامنے پیش کر کے اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابن حجر اسیمتی نے "الفتاویٰ الحدیثیہ" میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ "اس بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہے۔"

میت کے پاس قرآن رکھنا اور سورۃ یاسین پڑھنا

مرنے والے کے سر کے پاس قرآن مجید رکھنا اور اس کے اور میت کے پاس سورۃ یاسین پڑھنا تاکہ اس کی جان کنی کی سختی میں تخفیف ہو اور سوال و جواب میں وہ ثابت قدم رہے اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ اس بارے میں جتنی مرویات ہیں وہ یا تو موضوع ہیں یا منکر۔ مثلاً:

❶ **بخاری**: اپنے مرنے والوں پر یاسین پڑھو۔

❷ **بخاری**: جو بھی مر رہا ہو اگر اس کے پاس یاسین پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

ل [یہ شخص بذات خود بدعتی تھا یہ روایت حدیث میں سخت ضعیف بلکہ متروک تھا۔ اعاذنا اللہ من

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”یہ مستحب ہے کہ مرنے والے کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے۔“^۱

ابراہیم نخعی نے کہا:

”وہ یہ پسند کرتے تھے کہ مرنے والے کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے۔“^۲

اس باب میں سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کا قول دو وجہوں سے مقدم ہے ایک یہ کہ سعید بن المسیب ان سے علم میں بڑے ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ اصل دین کتاب و سنت کے عمومی دلائل کے مطابق ہے۔^۳

اس کی تائید ابن الحجاج کے نقل کردہ اس قول سے ہوتی ہے جس میں امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”اس پر لوگوں کا عمل نہیں“ امام مالک نے اس فعل کو بطور سنت کرنا ناپسند فرمایا۔ (المدخل: ۳/۲۲۹، ۲۳۰)

اس کے بعد مجھے البراء بن معرور رضی اللہ عنہ جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ نقیبوں میں سے ایک تھے ان سے منسوب ایک مرسل (یعنی منقطع و مردود) خبر مل گئی انہوں نے مدینہ میں وفات کے وقت اپنے گھر والوں کو کہا تھا کہ میرا رخ کعبہ کی طرف کر دو۔^۴ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو بھی اس میں دلیل نہیں تھی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل ثابت نہیں اور نہ ہی کسی صحابی سے یہ فعل ثابت ہے جیسا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

حافظ ابن حزم نے ”المحلی“ میں کہا ہے کہ ”میت کا چہرہ قبلہ رخ کر دینا بہتر ہے

۱ [اس کی سند صحیح ہے اضعف سے مراد ابن عبد الملک الحمرانی ہے لہذا اس مسئلے میں مؤلف کا موقف مرجوح ہے۔ ابن ابی شیبہ ۱۰۸۷۲]

۲ [ضعیف ابن ابی شیبہ (۱۰۸۷۱) اس کی سند سفیان ثوری اور مغیرہ بن مقسم کی تالیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

۳ [یاد رہے کہ سعید کا یہ قول سعید سے ثابت ہی نہیں ہے۔]

۴ [ضعیف مصنف عبدالرزاق (۳/۳۹۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/۳۸۴) وقال: وهو

اور اگر نہ کرے تو کوئی حرج نہیں (کیونکہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جدھر منہ کرو گے ادھر ہی اللہ کا وجہ (چہرہ) ہے۔ (لہذا اس مسئلہ میں) ایسی کوئی نص (دلیل) نہیں آئی کہ لازمی طور پر میت کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیرنا چاہیے۔“
یاد رہے کہ میت کا منہ پھیرنا ایک الگ مسئلہ ہے اور قریب المرگ کا منہ پھیرنا ایک الگ مسئلہ ہے لہذا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

میت کے پیٹ پر تلوار رکھنا

حافظ ابن المنذر نے ”اللاوسط (۵/۳۲۱)“ میں لکھا ہے کہ
”میت کے پیٹ پر تلوار یا لوہا رکھنے کے بارے میں سنت سے کوئی چیز (یا سلف کا عمل) ثابت نہیں ہے۔“

حائضہ، جنبی اور بچوں کو میت کے پاس آنے سے منع کرنا

ابن الحاج نے ”المدخل (۳/۲۲۹)“ میں لکھا ہے کہ
”میت کے قریب حائضہ، جنبی اور چھوٹے بچے کو نہیں جانا چاہیے (کیونکہ) بچہ فضول حرکتیں کرے گا اس سے نہ منع ہوگا اور نہ کسی کا حکم مانے گا۔“
ابن الحاج کا یہ قول فی نفسہ بدعت ہے شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں اور علماء کے درمیان اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ آیا میت کو حائضہ یا جنبی غسل دے سکتا ہے؟ اور (جبکہ) راجح یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔

میت کے پاس جان کنی لے کر دفن تک قرآن کی تلاوت کرنا

یہ بدعت آج کل بہت زیادہ مشہور ہے ان لوگوں کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ شاید جان کنی کے وقت اسے آسانی رہے گی اور روح آسانی سے نکل جائے گی اور موت کے بعد اس کی دلجوئی ہوتی ہے۔ بعض اسے اس قراءت کا ثوب ہد یہ کر دیتے ہیں اس پر تفصیلی کلام عنقریب آئے گا اور بعض لوگ فخر و نمود و نمائش کے لیے یہ حرکت کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ قراءت کرنے والے کرائے کے قاری ہوتے ہیں بعض ٹیپ ریکارڈر کی

کیٹیش لگادیتے ہیں یہ تمام چیزیں سنت سے ثابت نہیں اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی نے یہ کام کیا ہے بلکہ مردوں پر قرأت کی اجرت کے بارے میں تفصیلی کلام آرہا ہے۔ ان شاء اللہ!

میت پر بین کرنا، باواز بلند رونا اور میت کی خوبیاں بیان کرنا، کپڑے

پھاڑنا اور سر منڈانا وغیرہ

یہ بھی ان بدعتوں کی مشہور بدعتیں اور کتاب و سنت کی مخالفتیں ہیں اور عام طور پر یہ حرکتیں عورتیں کرتی ہیں تاکہ ان کی مبالغہ آمیز محبت اور نام نہاد غم کا اظہار ہو۔ اس کا فائدہ نہ میت کو پہنچتا ہے اور نہ زندہ کو بلکہ زندہ گناہ گار اور میت کو وہ اگر زندگی میں ان بدعات پر راضی و خوش تھا، تو عذاب ہوتا ہے جیسا کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس پر وہ نوحہ (بین) کیا گیا (اور وہ اس پر راضی تھا تو) اس پر قیامت کے دن عذاب ہوگا۔“

”الندب“: میت کی خوبیاں اور محاسن بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ ابو القاسم الرافعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”واکھفاه..... واجبلاہ“ وغیرہ کہنے کو کہتے ہیں یعنی کتنی بڑی پناگاہ تھا، کتنا بڑا پہاڑ تھا (اس قسم کے تمام الفاظ کا یہی حکم ہے کہ ممنوع ہیں) اور یہ بذات خود نوحہ میں سے ہے، لیکن عام طور پر نوحہ میں اونچی آواز سے رویا پٹا جاتا ہے جو کہ شریعت کی حد سے خارج ہے اور میت پر عورتیں ایک دوسرے کا استقبال کرتے ہوئے ایسی حرکتیں کرتی ہیں۔ نوحہ کا اصل مفہوم سختی اور ہٹ دھرمی ہے کیونکہ اس میں سختی اور ہٹ دھرمی سے رویا جاتا ہے۔ (دیکھئے غریب الحدیث لابن الاثیر: ۵/۱۳۰)

۱ [صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت (۱۲۹۱) مسلم]

کتاب الجنائز باب المیت یعب بکاء اہلہ علیہ (۹۳۳)

۲ [روضۃ الطالبین للنووی: ۲/۱۳۵]

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورتیں ایک دوسرے کا استقبال کرتے ہوئے یہ کرتی ہیں۔
(غریب الحدیث للحرسی: ۲/۷۰۰) اور یہ سب باتیں یکساں احتمال رکھتی ہیں۔

بین کرنا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کی مشہور رسم ہے دوسری بدعات کی طرح یہ بدعت بھی عورتوں میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ عورتوں کی بیعت اس پر لیتے کہ وہ گناہ نہیں کریں گی اور گناہوں میں نوحہ بھی شامل ہے جو بہت بڑا جرم ہے۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”وہ تیری بیعت کریں گی کہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کریں گی اور معروف (نیکی) میں تیری مخالفت نہیں کریں گی“ تو انہوں (ام عطیہ) نے فرمایا اسی میں سے نوحہ بھی ہے۔^۱
ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر ہم سے بیعت لی کہ ہم نوحہ (بین) نہیں کریں گی۔^۲

اس عہد کو صرف پانچ عورتوں نے پورا کیا، ام سلیم، ام العلاء ابوسبرہ کی بیٹی معاذ کی بیوی اور دو عورتیں (رضی اللہ عنہما)۔

نووی نے کہا اس حدیث میں دلیل ہے کہ نوحہ (بین کرنا) حرام ہے اور اس حرمت پر اجماع ہے۔ (شرح صحیح مسلم النووی: ۲/۵۹۶)

ابوما لک الأشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”میری امت میں جاہلیت کی چار باتیں ہمیشہ رہیں گی، جنہیں وہ (عام لوگ) کبھی ترک نہیں کریں گے۔ حسب و نسب میں فخر، دوسرے کے نسب میں طعن، ستاروں کے ذریعے بارش برسنے کا وقت و علم معلوم کرنا اور نوحہ (بین)۔“

۱ [صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب المیت یعذب بیکاء اہلہ علیہ (۴۳۷)]

۲ [صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما بینہی من النوح والبکاء (۱۳۰۶) صحیح

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

”نوحہ کرنے والی عورت اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو اسے قیامت کے دن اس حالت میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر گندھک کی شلوار اور خارش کی اوڑھنی (قیص) ہوگی۔“^۱

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے کہا: اجنبی تھا، اجنبی زمین میں فوت ہوا، میں اس پر ایسا روؤں گی کہ لوگ یاد رکھیں گے اور قصے بیان کریں گے۔ میں جب رونے کے لیے تیار ہوئی، ایک عورت بھی اس کام میں میری مدد کے لیے آگئی۔ نبی ﷺ نے (یہ معلوم ہونے پر) اس کی طرف چہرہ مبارک کر کے فرمایا کہ

”کیا تو چاہتی ہے کہ اس گھر میں شیطان کو (دوبارہ) داخل کر دے جہاں سے اللہ نے اسے نکال دیا ہے۔“ یہ بات آپ نے دو دفعہ فرمائی، وہ عورت بھی رک گئی اور میں بھی نہ روئی۔^۲

اسے بدعت اسعاد کہا جاتا ہے۔ یعنی عورتوں کا نوحہ اور بین میں بطور فخر اور حسن سلوک ایک دوسرے کی مدد کرنا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ فلاں میت پر بہت زیادہ بین کیا گیا تھا۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ شریعت اس کے فاسد اور جاہلیت کی پیداوار ہونے پر دلیل ہے۔ اس پر تو عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی کہ وہ اسے کلیتاً ترک کریں گی۔

نبی ﷺ سے ایک ضعیف روایت
((أَلَا اسْعَادَ فِي الْإِسْلَامِ))^۳

۱ [صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب التشلید فی النیاحۃ (۹۳۳)]

۲ [صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت (۹۲۲)]

۳ [صحیح سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب النیاحۃ علی المیت (۱۸۵۳)] اس کی

سند بالکل صحیح ہے، معلوم نہیں کہ مؤلف نے کس وجہ سے اسے ضعیف کہہ دیا ہے۔

”اسلام میں کوئی اسعاد (نوحہ پر ایک دوسرے کی مدد) نہیں“ تلمروٹی ہے۔ تاہم اس کی تائید ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث سے ہوتی ہے۔
امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لا اسعاد“ عورتوں کا نوحہ اور بین میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے، ایک عورت ماتم میں کھڑی ہو جاتی تو اس کے ساتھ دوسری بھی کھڑی ہو جاتی۔ تو کہا جاتا ہے کہ اس دوسری عورت نے اسعاد کیا ہے اور یہ مسعدہ (اسعاد کرنے والی) ہے۔
اس کے ساتھ عام طور پر کپڑے پھاڑنا، رخسار پیٹنا اور بال منڈا دینا بھی ہوتا ہے۔ یہ ان بڑی منکرات میں سے ہے جن سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو (مصیبت میں) اپنے رخسار پیٹے یا گریبان پھاڑ دے یا جاہلیت کی آوازیں لگانا شروع کر دے۔“

یہ رسم صرف عورتوں سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے رافضیوں کے فرقہ امامیہ سے منسوب کر کے یہ لکھا ہے کہ یہ لوگ باپ یا بھائی وغیرہ کی مصیبت میں اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔ (احکام الجنائز: ص ۲۳۵)

مصیبت کے وقت سنت طریقہ

ان مقامات پر یعنی موت اور مصیبت میں سنت یہ ہے کہ شفقت اور صبر کا اظہار کیا جائے اور ((انا لله وانا اليه راجعون اللهم اجرنا فی مصیبتنا واخلفنا خیراً منها)) پڑھا جائے۔

اگر وقار و خاموشی میں آنسو بہہ جائیں بشرطیکہ کوئی قابل اعتراض اور غلط بات نہ ہو تو یہ جائز ہے اور یہ وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔

۱۔ غریب الحدیث للخطابی: ۱/۳۶۸

۲۔ [صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجيوب (۱۲۹۳) صحیح

مسلم، کتاب الایمان، باب تحريم ضرب الخدود.. الخ (۱۰۳) ۲

جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ سعد بن معاذ کی وفات پر آپ آنسوؤں سے روئے اور فرمایا:

”اللہ آنکھوں کے آنسوؤں سے عذاب نہیں دے گا اور نہ دل کے غم سے لیکن وہ زبان کی وجہ سے عذاب دے گا یا رحم کر دے گا۔“
اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر بھی آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے (حیرت سے) پوچھا ”اور آپ بھی رورہے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ!“

تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اے ابن عوف! یہ رحمت ہے۔“ پھر کہا:
”آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غمگین ہے، ہم صرف وہی کہتے ہیں جس پر ہمارا رب راضی ہے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر ضرور غمگین ہیں۔“

میت کی شرمگاہ، ناک، کان اور حلق یعنی (منہ) میں روئی رکھنا

ابن الحاج نے ”المدخل (۳/۲۴۰)“ میں لکھا ہے کہ
”اس بدعت سے ڈرنا (یعنی بچنا) چاہیے اور یہ حرام ہے کہ میت کی دبر میں روئی داخل کر کے اس کی حرمت کو تار تار کر دیا جائے۔ اسی طرح اس کے حلق اور ناک میں روئی رکھنا یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اس میں سنت کی مخالفت اور میت کی بے حرمتی ہے۔“

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”احکام الجنائز (ص ۳۰۹)“ میں ابن الحاج کی موافقت کی ہے۔

اس کا جواز سلف صالحین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

۱ [صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب البكاء عند المریض (۱۳۰۳) صحیح مسلم

کتاب الجنائز، باب البكاء علی المیت (۹۲۳)]

۲ [صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ، انابک لمخزونون

(۱۳۰۳) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ، الصبیان والعیال (۲۳۱۵)]

عبدالرزاق نے "المصنف (۳/۳۲۷)" میں اور "ابن ابی شیبہ (۲/۳۶۰)" نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ ابن جریج رضی اللہ عنہ نے عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا (سوراخوں کو) روئی (یا اون سے) بھرا جائے گا؟ تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں! تاکہ کوئی چیز اس سے بہہ نہ نکلے۔

"کرسف" روئی کو کہتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ ابراہیم التحمی سے نقل کیا ہے کہ میت کو بھرا جائے گا اس خوف کی وجہ سے کہ اس سے کچھ چیز باہر نہ نکل آئے، لیکن یہ مغیرہ بن مقسم کی ابراہیم سے روایت ہے کہ مغیرہ مشہور مدلس ہیں۔^۱

ابن ابی شیبہ نے ضعیف اسانید کے ساتھ اس کا جواز جابر بن زید (ابو الشعثاء) حسن بھری اور محمد بن سیرین سے بھی نقل کیا ہے، لیکن حجت صرف صحیح سندوں سے ہی قائم ہو سکتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے اور جو حدیث مروی ہے وہ سنداً ضعیف ہے۔

امام طبرانی نے "المعجم الکبیر (۲۵/۱۲۳)" میں اور بیہقی نے (سنن الکبریٰ: ۳/۴۰۵) میں لیث بن ابی سلیم عن عبد الملک بن ابی بشر عن حفصہ بنت سیرین عن ام سلیم رضی اللہ عنہا کی سند سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب عورت فوت ہو جائے اور لوگ اسے نہلانا چاہیں۔"

راوی نے لمبی حدیث بیان کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: "پھر اس کے نیچے روئی سے حسب استطاعت بھر دو۔"

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ لیث بن ابی سلیم کا اپنے آخری زمانے میں حافظہ شدید کمزور و متغیر ہو گیا تھا لہذا وہ ضعیف ہے۔ طبرانی کی روایت میں جنید بن ابی وہرہ یعنی جنید بن العلاء نے اس کی متابعت کی ہے اور جنید کو ابو حاتم نے "صالح الحدیث" اور ابن ہزرنے "لیس بہ بأس" کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس کی حدیث سے بچنا

چاہیے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، اس نے غسل میت کے بارے میں ایک لمبی اور منکر روایت بیان کی ہے۔ ابن حبان نے اسے مدلس بھی قرار دیا ہے لہذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس کا تعلق عادات سے ہے یا عبادات سے؟
تو عرض ہے، ظاہر یہی ہے کہ اس کا تعلق عبادات سے ہے کیونکہ سنت میں اس (یعنی میت کو نہلانے وغیرہ) کی صفت کا بیان ہوا ہے اس وجہ سے اصل مسئلہ یہی ہے کہ یہ عمل ناجائز ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

میت کے ناخن تراشنا اور شرمگاہ کے بال موٹنا

عبدالرحمن بن القاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ”میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ میت کے ساتھ آگ کی انگیٹھیں لے جائیں یا اس کے ناخن تراشیں یا اس کی شرمگاہ کے بال موٹ دیں۔ میرے خیال میں یہ تمام کام بدعت ہیں۔ (لہذا) میت کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔“
ابن الحاج نے ”المدخل (۳/۲۴۰)“ میں کہا ہے کہ میت کے ناخن تراشنا امام مالک کے مذہب و تحقیق پر بدعت ہیں۔

سلف صالحین کی ایک جماعت نے اس کام سے منع کیا ہے۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ”وہ موت کے بعد میت کے ناخن تراشنے یا شرمگاہ کے بال موٹنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ مریض کے گھر والوں کو چاہیے کہ یہ کام اس کی وفات سے پہلے بیماری میں ہی کر لیا کریں۔“ شعبہ نے حماد بن ابی سلیمان کے سامنے ذکر کیا کہ حسن بصری اسے جائز سمجھتے ہیں تو انہوں نے (حسن بصری پر) انکار کیا اور کہا کہ ”جس کا ختنہ نہ ہو تو کیا اس کا ختنہ بھی کیا جائے گا؟“^۱

۱ [المدونة الكبرى (۱/۲۵۶) یہ کتاب مستند نہیں ہے اور نہ ہی امام مالک سے ثابت ہے اور اس

کتاب میں ایسی منکر باتیں ہیں جو عقل و نقل دونوں کے خلاف ہیں۔]

۲ [صحیح ابن ابی شیبہ (۲/۴۵۳ ح ۱۰۹۲۶) وسندہ صحیح]

امام احمد رضی اللہ عنہ ان کاموں کے جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ بال یا ناخن حد سے بڑھے ہوئے ہوں اور انہوں نے اپنی دلیل کے طور پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے جس کی سند مرسل (یعنی منقطع) ہے۔ مسائل عبداللہ بن احمد ابن حنبل (۳۹۵) میں لکھا ہے کہ

”میں نے اپنے باپ کو پڑھ کر سنایا کہ میت کے ناخن تراشے جائیں گے یا بال کاٹے جائیں گے یا مونچھیں کاٹی جائیں گی؟ تو انہوں نے کہا: اگر حد سے بڑھے ہوئے ہوں تو جائز ہے اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک میت کو غسل دیا تو استرہ منگوا لیا۔“

اس بارے میں منع کا قول زیادہ قوی ہے اور اس کے جواز پر سنت سے کوئی دلیل وارد نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے یہ فعل ثابت ہے۔ واللہ اعلم!

ابن المنذر نے بھی ”اللاوسط (۳۲۹/۵)“ میں یہ کہتے ہوئے منع کو ہی راجح قرار دیا ہے: ”میرے نزدیک اس کام سے رک جانا زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے کیونکہ ان افعال کا زندہ کو حکم ہے پس جب وہ فوت ہو گیا تو تمام امور منقطع ہو گئے اب اس کا سارا بدن گل سڑ سکتا ہے سوائے عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی) کے جس کا استثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔“

داڑھی منڈوں کا میت پر غم کی وجہ سے (عارضی طور پر) داڑھیاں بڑھانا

عام طور پر یہ لوگ اس عرصہ غم کے کچھ بعد ہی داڑھیاں دوبارہ منڈا دیتے ہیں۔ اس کا وہی درجہ ہے جو مصیبت میں عورتوں کا بال منڈانا یا کالا لباس پہننا ہے اور اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ داڑھی چھوڑنا حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب سنت یعنی فرض ہے اسے غم و پریشانی اور تکلف کے لیے چھوڑنا بدعت اور گمراہی ہے اور ایسا کرنے والے کو کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ وہ گنہگار ہوگا۔ یاد رہے کہ حقیقت میں داڑھی منڈانا

گناہ اور نافرمانی ہے اور مصیبت و غم کی وجہ سے اسے چھوڑنا تاکہ ثواب ملے بدعت منکرہ ہے اور بدعات کا تعلق کبیرہ گناہوں سے ہے۔ والعیاذ باللہ۔

خاوند کی وفات اور ایام غم میں بیوی کا سیاہ لباس پہننا

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”مصیبتوں کے وقت کالا لباس پہننا باطل شعار ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“

اور مزید فرماتے ہیں کہ ”تعزیه کے لیے معین لباس کی تخصیص کرنا ہماری تحقیق میں بدعت ہے اس میں اس کا اشارہ ہے کہ یہ انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناراض ہے۔ بعض لوگ اسے جائز سمجھتے ہیں لیکن سلف صالحین ایسے کام ہرگز نہیں کرتے تھے چونکہ اس میں ناراضی کا شائبہ ہے لہذا اسے ترک کر دینا ہی اولیٰ ہے کیونکہ یہ معین لباس پہننے والا سلامتی کے بجائے گناہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔“

میت پر سوگ و غم کے سلسلے میں عورت کا سیاہ لباس پہننا یا بُرا (ردی) لباس پہننا جیسا کہ جاہلیت کی عورتیں پہنتی تھیں۔ سنت نہیں ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ رنگین و زرخش کپڑا نہ پہنے، خوشبو اور خضاب نہ لگائے، زیب و زینت کی عام چیزیں جن کا تعلق شوہر اور جماع کے ساتھ ہوتا ہے کلیتاً ترک کر دے۔

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”سوگ یہ ہے کہ زینت اور ان کاموں سے رک جائے جن سے (خاوند کے لیے) جماع کی ترغیب ہوتی ہے، مثلاً زیور پہننا، خوشبو، خضاب، مہندی اور سیاہ سرمہ ڈالنا۔“ (احکام النساء لابن الجوزی: ص ۳۵۱، ۳۵۲)

اس کی تائید ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ ”جس کا خاوند مر جائے وہ نہ زیور پہنے اور نہ خضاب و مہندی لگائے اور نہ خوشبو لگائے۔“

۱ [البدع والمحدثات ومالا اصل له: ص ۲۹۹]

۲ [صحیح، مصنف عبدالرزاق (۴/۳۳، ۳۴ ح ۱۲۱۱۳) بیہقی (۴/۳۳۰) بن عمر کا قول ہے

یاد رہے کہ وہ ان ایام میں نہانا بکھرے ہوئے بالوں کو کنگھی کرنا نہیں چھوڑے گی جیسا کہ آج کل کی اکثر عورتوں نے عادت بنا رکھی ہے بلکہ یہ تمام باتیں اس کے لیے جائز ہیں۔ اسلام صاف سترادین ہے صفائی کو پسند کرتا اور اس کا حکم دیتا ہے۔

میت پر شرعی حد سے زیادہ سوگ منانا

کالا لباس پہن کر بعض عورتیں ان پر سوگ منانا لازم سمجھتی ہیں جن پر لازم نہیں یہ سب باتیں سنت کے خلاف ہیں۔

زینب بنت ام سلمہ سے روایت ہے کہ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت گئیں جب کہ ان کے والد ابوسفیان فوت ہوئے تھے (یعنی ان کی وفات کے تین دن بعد) ام حبیبہ نے زرد رنگ کی یا دوسری خوشبو منگائی انہوں نے یہ خوشبو ایک لڑکی (یا لونڈی) کو لگائی اور خود بھی اپنے رخساروں پر مل لی پھر فرمایا کہ

”اللہ کی قسم! مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے سنا آپ نے فرمایا تھا کہ

”اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والی کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی

میت پر تین دنوں سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کے وہ اپنے خاوند پر

چار مہینے اور دس دن سوگ منائے گی۔“

زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں زینب بنت جحش کے پاس گئی جب ان کے بھائی

فوت ہوئے تھے تو انہوں نے خوشبو منگوا کر لگائی پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس کی کوئی

ضرورت نہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ

”اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والی کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی

← کہ نہ سرمہ ڈالے اور نہ کسی دوسرے گھر میں رات گزارے (ہاں البتہ کسی شرعی ضرورت کی وجہ سے) دن کو

دوسرے گھر جا سکتی ہے۔ بیہقی (۴/۳۴۰) وسندہ صحیح، علیٰ تصحیف فی المطبوع

لہ | صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب احداث المرأة علی غیر زوجها (۱۲۸۱، ۱۲۸۲)

صحیح مسلم، کتاب انطلاق، باب وجوب الاحداث فی عدة الوفاة... الخ (۱۲۸۶)

میت پر تین دنوں سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کے وہ اپنے خاوند پر چار مہینے اور دس دن سوگ منائے گی۔^۱

ایام مصیبت میں ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر نہ سننا اور ٹی وی نہ دیکھنا

سوگ کی یہ مشہور بدعت ہے کہ جب کوئی مر جائے تو اس کے گھر والے اور رشتہ دار اس پر اتفاق کر لیتے ہیں کہ ریڈیو نہیں لگائیں گے ٹی وی نہیں دیکھیں گے وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ چالیس دن گزر جائیں۔ اس پر بھی کلام عنقریب آرہا ہے۔^۲

ہمارا یہ کلام ٹی وی دیکھنے کے جواز کی دعوت نہیں ہے اور نہ ہم گانے سننے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ یہ چیزیں ہمارے نزدیک شدید حرام ہیں لیکن باقی دنوں میں ان حرام کاموں کا ارتکاب اور سوگ کے دنوں میں ان سے رکنا اس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس نیت سے ان چیزوں کے ترک پر سوگ منانے والے کو کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ ان چیزوں کے دیکھنے اور سننے سے زیادہ عذاب ہوگا اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو سنت کی مخالفت اور دین میں بدعت پھیلاتے ہوئے ایام سوگ میں داڑھی بڑھانے اور بعد میں استرا پھیر دینے کا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

مرنے والے کی اطلاع منبر، لاؤڈ سپیکر اور گاڑیوں پر دینا

”العی“ کا اصل مطلب وہی ہے جو امام ترمذی نے بیان کیا ہے کہ ”لوگوں میں اس کی منادی کرنا کہ فلاں شخص مر گیا ہے لہذا اس کے جنازے کے لیے آ جاؤ۔“ (جامع ترمذی: ۳ / ۳۱۳)

اس کی دو قسمیں ہیں:

۱ [بخاری: ۱۲۸۱، ۱۲۸۲۔ مسلم ایضاً: (۱۳۸۶)]

۲ [ہمارے ہاں پاکستان میں ڈرائیور حضرات محرم کے پہلے عشرے میں ریڈیو، ٹیپ اور گانے بند کر دیتے ہیں اور دس محرم کے بعد ایسے گندے اور قحش گانے اونچی آوازوں سے لگا کر سوار یوں کو ایسا پریشان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہی پناہ حالانکہ گانے بجانے اور موسیقی ہر وقت حرام ہے اور مسلمانوں کو تکلیف دینا بھی ہر وقت حرام ہے۔]

پہلی قسم (شرعی)

جس میں کوئی مصلحت راجح ہوتی ہے کہ نمازی زیادہ ہو جائیں یا اس کے گھر والوں اور رشتہ داروں، دوستوں کو اطلاع دی جاتی ہے تاکہ کفن دفن اور نماز جنازہ کا اہتمام کریں یا اگر دارالکفر^۱ میں مرجائے تو غائبانہ نماز جنازہ کے لیے اطلاع دیں بشرطیکہ جاہلوں جیسا مبالغہ نہ ہو اس کی تائید دو احادیث سے ہوتی ہے۔

پہلی حدیث

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن نجاشی کی موت کی خبر دی جس دن وہ فوت ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ گاہ کی طرف گئے، صف بنائی اور چار تکبیریں کہیں۔“^۲

دوسری حدیث

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور شہید ہو گئے پھر عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا وہ بھی شہید ہو گئے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی (سابق) امارت کے (یعنی خود بخود) جھنڈا پکڑ لیا تو اللہ نے اسے اور مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔“^۳

دوسری قسم (بدعت)

انہی کی وہ قسم جو ممنوع ہے اس کی حد و شرح عبد اللہ بن عون رضی اللہ عنہ نے بھی

۱ [جہاں کافروں کی حکومت ہو یا در ہے کہ دارالاسلام میں مرنے والے مسلمان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی جائز ہے۔]

۲ [صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الرجل ینعی الی اهل المیت بنفسه (۱۲۳۵)]

۳ [صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنائز (۹۵۱)]

۴ [صحیح البخاری، ایضا (۱۲۳۶)]

بیان فرمائی ہے کہ

”جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو ایک آدمی سواری پر چڑھ کر اونچی آواز سے

لوگوں میں اعلان کرتا ہے کہ میں فلاں کی موت کی خبر دیتا ہوں۔“^۱

بدعتیوں کی یہ وہ ”النعی“ ہے جو ہر طرف لوگوں میں منتشر ہے آج کل یہ زیادہ ہی پھیل گئی ہے اس کے لیے مختلف وسائل استعمال کیے جا رہے ہیں مثلاً اخباروں میں اعلان گاڑیوں پر نصب لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے گلی کوچوں پر سڑکوں پر اعلانات یا مسجدوں پر لاؤڈ سپیکر پر نمازوں سے پہلے اور نمازوں کے بعد اعلانات۔

اطلاع کا یہ طریقہ بدعت ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہاں جاہلیت میں اصل ضرور موجود ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حدیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ

”جب میں مرجاؤں تو کسی کو اطلاع نہ دینا مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ ”النعی“ نہ

ہو میں نے رسول اللہ ﷺ کو ”النعی“ سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔“^۲

بدعتیوں کی اس ”النعی“ سے میت کے رشتہ داروں کا کافی مال تلف ہو جاتا ہے ان میں بسا اوقات کمزور بچے بھی ہوتے ہیں ان کے مال باطل طریقے سے کھائے جاتے ہیں اور بے فائدہ کام پر ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ مقصد صرف جھوٹا فخر باطل وقار لینے دینے کے لیے بیٹھنا، میت کی غیبت اور اس کے اموال کا حساب وغیرہ ہوتا ہے یہ ماتم کی مصیبتیں ہیں جو آج کل ہر سو پھیلی ہوئی ہیں۔“^۳

اللہ ہی اپنی پناہ میں رکھے۔ ابن العربی المالکی نے کہا کہ

۱ [اسے سعید بن منصور نے صحیح سند سے بیان کیا ہے مؤلف کتاب]

۲ [ضعیف سنن الترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی کرامیة النعی (۹۸۶) وقار : حسن صحیح۔ امام ابن معین نے بلال بن یحییٰ کے بارے میں فرمایا اس کی حدیفہ سے روایت مرسل اور منقطع ہے لہذا انقطاع کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں۔]

۳ [میت کے لیے حیلہ اسقاط بھی بدعت اور حرام ہے اس بدعت کے ذریعے میتوں کا مال کھایا جاتا ہے]

۴ [اس سے مراد مقلد ہونا نہیں ہے جیسا کہ پہلے نزر چکا ہے۔]

مجموعہ احادیث سے تین حائث معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ خاندانِ ساتھیوں اور نیک لوگوں کو «طلاق» یہ سنت ہے۔

۲۔ فخر و ناموری کے لیے اکٹھا ہونے کی دعوت یہ مکروہ ہے۔

۳۔ نوحہ وغیرہ کی قسم کا اعلان یہ حرام ہے۔ (فتح الباری: ۹۱/۳)

میری تحقیق میں دوسری حالت بھی حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے مطلقاً منع کر دیا ہے اور یہاں ممانعت کا تقاضا یہی ہے کہ یہ حرام ہو الا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ اسے کراہیت تنزیہی کی طرف پھیر دے اور یاد رہے کہ یہاں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے۔^۱

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”آپ کی سنت یہ تھی کہ آپ میت کا اعلان (النعی) نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ”یہ جاہلیت کا عمل ہے۔“^۲ حذیفہ رضی اللہ عنہ

نے اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ ان کے گھر والے ان کی موت کی خبر لوگوں کو دیں اور فرمایا مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ ”النعی“ میں سے ہوگا۔“ (زاد المعاد: ۱/۵۲۸)

طرطوشی نے ”الحوادث والبدع (ص ۱۳۹)“ میں نقل کیا ہے کہ

”امام مالک سے روایت ہے کہ لوگوں کو مسجدوں کے دروازوں پر جنازوں کی خبر نہ دی جائے، اگر لوگوں کے پاس جا کر خفیہ طریقے سے اس کی خبر دی جائے تو جائز ہے اور راستوں میں اونچی آواز سے اعلان نہ کیا جائے۔ امام

ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔“

[مؤلف کی ذکر کردہ روایت سنداً ضعیف ہے۔]

۱۔ [مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ ہم نے ”الصون: (ص ۳۷۲)“ میں بیان کیا ہے اور یاد رہے کہ حذیفہ والی روایت بھی ضعیف ہے لہذا امام ابن قیم کا بیان محتاج تحقیق

وفات یا تعزیت کے وقت لوگوں کا ”البقیۃ فی حیاتکم“ کہنا

یعنی اللہ تمہیں زندہ رکھے

یہ بھی آج کل مشہور بدعات میں سے ہے، خاص طور پر مصر^۱ میں حالانکہ یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں بلکہ نبی ﷺ نے تعزیت میں اس کے خلاف ثابت ہے:

((اللَّهُ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ))

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بلایا کہ میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے اسے سلام کہلا بھیجا اور دعا^۲ کی پھر (راوی نے) درج بالا دعا ذکر کی۔

میت کی اولاد اور گھر والوں کے لیے دعائیں کرنا مستحب و جائز ہے۔ نبی ﷺ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس کے بیٹے عبداللہ اور گھر والوں کے لیے دعا کی تھی: ”اے اللہ! جعفر کے بعد اس کے گھر والوں کی تو نگہبانی کر اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو تجارت میں برکت عطا فرما۔“^۳

وفات کی اطلاع کے وقت کہنا کہ فلاں پر فاتحہ پڑھو

یہ بھی جنازوں کی مشہور بدعات میں سے ہے، شریعت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس کی مؤید ہو بلکہ صحیح اور راجح یہی ہے کہ میت کو قراءت قرآن کا ثواب نہیں پہنچتا جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ!

۱ [ہمارے ہاں پاکستان میں بھی لوگوں نے مختلف الفاظ گھڑ رکھے ہیں مثلاً حق کا راستہ ہے دعا کریں وغیرہ یہ سب الفاظ بدعت ہیں۔]

۲ [صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ يعذب الميت ببعض بكاء اهله عليه (۵۶۵۵، ۱۲۸۴) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب البكاء علی الميت (۹۲۳)]

۳ [صحیح مسند احمد (۱/۲۰۴) وسندہ صحیح]

میت کے دفن میں کئی دنوں تک تاخیر کرنا

بعض لوگ میت کو کسی دوسرے ملک یا علاقے میں لے جانے کے لیے دفن میں کئی دنوں تک تاخیر کرتے ہیں، لوگوں کا یہ فعل نبی ﷺ کے اس فرمان کے مخالف ہے جس میں جلدی جنازہ لے جانے کا حکم ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ

”جنازہ جلدی لے چلو اگر وہ نیک ہوگا تو تم اسے اچھی حالت کی طرف لے جاؤ گے اور اگر وہ برا تھا تو اس برے کو جلدی اپنی گردنوں سے اتارو گے اور جان چھڑا لو گے۔“^۱

بہت سے لوگ جو اپنے وطن سے دور کام وغیرہ کے لیے رہتے ہیں جب ان کی پردیس میں وفات واقع ہو جاتی ہے تو ان کے اہل و عیال اس ملک میں دفن کرنے سے منع کر دیتے ہیں تاکہ قانونی کارروائی اور اجازت وغیرہ حاصل کر کے کئی دنوں کے بعد اس کی نعش کو اس کے آبائی گھر میں پہنچادیں، حالانکہ یہ سنت کے مخالف ہے بلکہ اس نقل و حمل پر کافی اخراجات بھی آتے ہیں اور اگر یہ مال اس میت کے یتیموں پر صرف کیا جاتا تو کتنا اچھا ہوتا؟

جنازہ پر زینت کے لیے پھول پھینکنا اور تصاویر بنانا

ابوشامۃ المقدسی نے ”الباعث علی انکار البدع والحوادث“ (ص ۱۳۷) میں لکھا ہے کہ ”لوگ آج کل جنازے میں بہت سی بدعتیں اور سنت کی مخالفت کرتے ہیں مثلاً جنازہ جلدی نہ لے جانا، اس کے قریب ہونے اور خاموشی سے اجتناب، خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنا، اس کی زیب و زینت کرنا، ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش۔“

۱ [صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب السرعة بالجنائز (۱۳۱۵) و صحیح مسلم کتاب

ہمارے زمانے میں میت اور چارپائی کو ایک ایسی سبز چادر سے ڈھانپ دیتے ہیں جس پر اللہ اور نبی ﷺ کے نام اور بعض آیات لکھی ہوئی ہوتی ہیں یہ سب غلط بدعتیں ہیں سنت میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

میت کے آگے اس کے لیے استغفار اور دعا کی منادی کرنا

یہ بذات خود بدعت ہے سلف میں سے کسی سے بھی اس کی تائید ثابت نہیں بلکہ سلف صالحین نے اس پر سخت انکار کیا ہے۔ بکیر بن عتیق سے روایت ہے کہ میں سعید بن جبیر کے ساتھ ایک جنازے میں تھا تو کسی آدمی نے کہا ان کے لیے استغفار و مغفرت کی دعا کرو اللہ تمہاری مغفرت کرے۔

یہ سن کر سعید بن جبیر نے فرمایا: ”اللہ تمہاری مغفرت نہ کرے۔“^۱
 عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ”غفر اللہ لکم“ (اللہ تمہاری مغفرت کرے) کو مکروہ اور بدعت سمجھتے تھے۔ (صحیح مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱۱۹۳)
 عبدالرحمن بن حرمہ سے روایت ہے کہ میں سعید بن المسیب کے ساتھ ایک جنازہ میں تھا انہوں نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا کہ استغفار کرو تو انہوں نے فرمایا: ”یہ تمہارا رجز گو شاعر کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے اپنے گھر والوں کو اس قسم کے رجز گو لوگوں سے منع کر رکھا ہے۔“^۲

جنازہ لے جاتے ہوئے فضول باتیں کرنا اور لہو و لعب کا ارتکاب

یہ سلف صالحین کے عمل کے خلاف ہے البتہ وہ موت اور اس کے بعد کی ہولناکی کے بارے میں غور و فکر کرتے اور یہ سوچتے کہ آدمی اپنے ساتھ کون سے اعمال چھپا کر لے جا رہا ہے۔

آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ میت کے ترکہ اور مال سے متعلق جنازہ لے جاتے

۱ [حسن مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۷۴ ح ۱۱۱۹۲)]

۲ [ضعیف ایضاً (۱۱۱۹۸) اکل سنت و مطبوع کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

ہوئے باتیں ہو رہی ہیں، بعض لوگ میت کا ذکر برائی سے کر رہے ہیں اور بعض ریا کے لیے اس کی تعریف کر رہے ہیں، بعض کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں، انہیں موت کی شدت اور ہولناکی کا کوئی احساس ہی نہیں۔

ایوب السخنیانی سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازے میں تھے، بعض قصہ گوؤں نے اپنی آوازیں بلند کرنا شروع کیں تو ابو قلابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”سلف صالحین سکون و احترام کے ساتھ میت کی تعظیم کرتے تھے۔“^۱

قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین مقامات پر آواز آہستہ کرنا پسند کرتے تھے، میدان جنگ میں قتال کے وقت، قرآن کی قراءت اور جنازے کے وقت۔“^۲

جنازہ بہت آہستہ لے جانا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گزر چکی ہے جس میں جنازہ جلدی لے جانے کا حکم ہے۔ عبدالرزاق (۴۴۱/۳) نے صحیح سند کے ساتھ ابراہیم الخلیفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ یہ کہا جاتا تھا کہ ”جنازہ جلدی لے جاؤ، یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح آہستہ آہستہ (چیونٹی کی رفتار سے) نہ لے جاؤ۔“^۳ معلوم یہ ہوا کہ جنازہ آہستہ آہستہ لے جانا یہودیوں اور نصرانیوں کا طریقہ ہے، یہ مسلمانوں کا طریقہ ہرگز نہیں ہے۔

قبروں پر اور خاص مقامات پر جنازہ پھرانا

شیخ علی محفوظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

۱۔ (صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۴۷۳ ح ۱۱۲۰۰))
 ۲۔ (ضعیف، ایضاً (۱۱۲۰۱)) اگلی سند قتادہ اور حسن بصری دونوں کی تالیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔
 ۳۔ (ضعیف، مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۸۰ ح ۱۱۲۷۲)) اس کی سند سفیان ثوری کی تالیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

”یہ بھی بدعت ہے کہ قبروں پر جنازہ پھرایا جائے جیسے امام حسین یا سیدہ زینب رضی اللہ عنہما کی قبریں (وغیرہ) میت کو قبر کے دروازے پر ٹھہرایا جاتا ہے پھر اس قبر (مقام) کا خادم چند باتیں کہتا ہے گویا کہ وہ صاحب قبر (جس کی قبر کے سامنے اس کا جنازہ ٹھہرایا جاتا ہے) کے سامنے اس کی سفارش کر رہا ہے یہ بات شریعت یا اہل شریعت سے ثابت نہیں۔ اس سے عام لوگوں کے عقائد خراب ہو جاتے ہیں اور اس میں جنازہ جلدی لے جانے کی بھی مخالفت ہے۔“ (الابداع فی مضار الابتداع: ص ۲۲۱)

اگر یہ شرک نہیں تو شرک کے دروازوں میں سے ہی ہے۔ والعیاذ باللہ! (مترجم کی تحقیق میں یہ عمل کھلم کھلا شرک ہے)

قبرستان پر جنازہ پہنچنے کے وقت جانور ذبح کرنا

ایام جاہلیت میں یہ بدعت (بہت) مشہور تھی یہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

((أَلَا عَقْرَ فِي الْإِسْلَامِ)) ”اسلام میں (قبروں کے پاس) ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔“

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

”لا عقور“ کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ قبروں کے پاس اونٹ ذبح کرتے تھے۔ اگر کوئی شریف اور سخی انسان مر جاتا تو اس کی قبر کے پاس ذبح کر کے کہتے یہ قبر والا اپنی زندگی میں مہمانوں کے لیے جانور ذبح کر کے انہیں پیش کرتا اور کھلاتا نا، آج اسی کا بدلہ اتارا جا رہا ہے۔“ (غریب الحدیث للخطابی: ۱/۳۶۹)

[صحیح سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب کراہیۃ الذبح عند القبر (۳۲۲۲) سندہ صحیح۔ اسے ابن حبان (۷۳۸) نے صحیح کہا ہے۔ اس کتاب ”السنن والبدعات“ کے مؤلف کا بغیر کسی دلیل کے اسے ضعیف کہہ دینا صحیح نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے میری کتاب نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داؤد (۲/۷۴۱) لیسر الہ لناطبعہ]

قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قربانی وغیرہ کے جانور قبروں کے پاس ذبح کرے بلکہ حقیقی عبادات مثلاً نماز، روزہ اور صدقہ میں سے کوئی چیز بھی قبروں کے پاس (خاص کرنا) جائز نہیں۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ قبروں کے پاس قربانی کرنا مستحب یا افضل ہے تو ایسا شخص جاہل اور گمراہ ہے اور مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس جانور وغیرہ ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے بزرگ کی موت پر اس کی قبر کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔“

(مجموع الفتاوی: ۲۷ / ۳۹۵)

قبر کے پاس جنازہ پہنچنے کے وقت

بین کرنے والوں کا رونے پینے کے لیے نکلنا

نوحہ (بین) کے سلسلہ میں اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے کہ یہ کئی لحاظ سے شریعت کے مخالف ہے۔ ان عورتوں (مردوں) کا سابقہ بدعات اور گناہوں پر اضافہ یہ ہے کہ یہ مال و دولت کمانے کے لیے نکلتی ہیں ان میں سے اکثر کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس شخص پر بین کر رہی ہیں، میت کون سی ہے، مزد یا عورت؟ بعض عورتیں میت کا نام پوچھتی ہیں تاکہ اس پر بین کریں۔ لوگوں کی یہ بدعت کتنی بڑی مصیبت ہے اللہ ہی مدد کرے۔

میت کے سر کے پاس سورۃ البقرہ کا ابتدائی حصہ پڑھنا اور اس سورۃ بقرہ

کا آخری حصہ اس کے قدموں کے پاس پڑھنا

یہ مشہور بدعت ہے جس پر لوگ ایک منکر حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ابن

عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ

”جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو انتظار نہ کرو اسے جلدی اس کی قبر تک لے جاؤ (اور دفن کر دو) اور اس کے سر کے پاس سورۃ بقرہ کی پہلی آیات اور اس کے پاؤں کے پاس آخری آیات پڑھو۔“ اسے محدث الحدیث نے اپنی کتاب ”القرآء عند القبور“ (قلمی: ۲۵/ الف۔ ب) میں ”یحییٰ بن عبد اللہ بن الضحاک عن ایوب بن نہیک سمعت عطاء بن ابی رباح قال سمعت ابن عمر“ کی سند سے روایت کیا ہے۔ ایوب بن نہیک منکر احادیث بیان کرنے والا اور یحییٰ بن عبد اللہ بن الضحاک ضعیف تھا۔ اس کی ایک دوسری سند بھی ہے جو اس سے زیادہ کمزور ہے جسے ہم نے ”القرآء عند القبور“ کی تحقیق کے پیش لفظ میں ذکر کیا ہے۔

میت کو قبر میں رکھتے وقت آیت ﴿منہا خلقنا کم و فیہا نعید کم

ومنہا نخرجکم تارۃً اُخری﴾ پڑھنا

اس بارے میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ام کلثوم کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

﴿منہا خلقنا کم و فیہا نعید کم و منہا نخرجکم تارۃً اُخری﴾

بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ﴾

اسے احمد (۲۵۳/۵) اور حاکم (۳۷۹/۲) نے یحییٰ بن ایوب عن عبید اللہ بن زحر عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامۃ کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اس پر سکوت کیا تو حافظ ذہبی نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا کہ

”حاکم نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور یہ خبر (حدیث) کمزور ہے کیونکہ اس کا

راوی علی بن یزید متروک ہے۔“

میت کے دفن کے بعد اسے تلقین کرنا

اس باب میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کی سند بہت

زیادہ کمزور ہے جیسا کہ ہم نے ”العون (۳۷۳)“ میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”قبر کے پاس قراءت کے لیے نہ بیٹھے اور نہ اسے تلقین کرے جیسا کہ آج

کل بعض لوگ کرتے ہیں۔“ (زاد المعاد: ۱/ ۵۲۲)

علامہ الصنعانی کہتے ہیں کہ

”محققین کے کلام کا حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر

عمل بدعت ہے لہذا کہیں اس دھوکے میں نہ پڑنا کہ لوگوں کی کثرت اس پر

عامل ہے۔“ (سبل السلام: ۲/ ۵۷۸)

دفن کے وقت خطبہ دینا

اس پر تفصیلی کلام میں نے اپنی کتاب ”صفۃ خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں لکھا ہے۔ لہذا

اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

میری اس کتاب کے چھپنے کے بعد بعض طالب علموں کی طرح طویل گفتگو کرنے

والوں نے مجھ پر رد لکھا کہ میں حالت مذکورہ کی تفصیل کے ساتھ مروجہ تقریروں کو بدعت

قبیحہ سمجھتا ہوں زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ وعظ و نصیحت کرنا مستحب ہے نہ کہ خطبہ دینا

جیسا کہ علماء کے درمیان (مشہور و معروف) ہے۔ پھر مجھے اپنی تائید شیخ ابن عثیمین حفظہ

اللہ سے مل گئی جسے میں علمی فائدہ کے اتمام کے طور پر نقل کرتا ہوں:

”ابن عثیمین حفظہ اللہ سے پوچھا گیا: آج کل میت کو دفن کرتے وقت قبروں

پر جو وعظ ہوتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے اور تحقیق ہے؟“

تو انہوں نے جواب دیا کہ ”میرے خیال میں قبروں کے پاس وعظ کرنا شریعت

سے ثابت نہیں ہے اسے لازم نہ سمجھا جائے (ہاں) اگر کوئی ضرورت یا سبب ہو تو جائز

ہے مثلاً اگر دیکھے کہ لوگ دفن کے وقت قبرستان میں ہنسی مزاح کر رہے ہیں اور لہو و لعب

میں مصروف ہیں تو یہاں نصیحت کرنا بے شک اچھی بات ہے کیونکہ اس کا سبب یہاں

پایا گیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ انہیں وعظ کیا جائے اور رہا یہ کہ (بلا وجہ) انسان دفن کے

وقت خطیب بن کر کھڑا ہو جائے تو اس کی نبی ﷺ کی سنت سے کوئی اصل معلوم نہیں ہے لہذا ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔“

اسی طرح کے ایک دوسرے سوال کے بارے میں انہوں نے جواب دیا کہ ”اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ واعظ قبر پر خطبہ کے لیے کھڑا نہ ہو کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے، نبی ﷺ میت کے دفن کے وقت یا بعد میں کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب نہیں کرتے تھے اور نہ ہی سلف صالحین سے یہ ثابت ہے اور یہ لوگ ہم سے سنت کے زیادہ قریب تھے اور نہ ہی یہ عمل خلفائے راشدین، ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور نہ ان کے زمانے میں لوگوں نے یہ عمل کیا ہے۔ بہترین نمونہ وہی ہے جو حق کے موافق سلف صالحین سے ثابت ہے۔“

(البدع والمحدثات و مالا اصل له: ص ۲۷۰-۲۷۳)

قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا کرنا

یہ ان شیخ اور بری بدعات میں سے ہے جس کا مشاہدہ میں نے خود بعض نیم عالموں کو خطبے کے بعد کرتے ہوئے دیکھا ہے، خطبہ دینے والا کہتا ہے کہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرو اور اللہ سے اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو، پھر وہ لوگ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر گڑا گڑا کر دعا مانگتے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں میت کے لیے استغفار اور ثابت قدمی کے سوال کا ذکر ہے، اس کے لیے قبلہ رخ ہونا، ہاتھ اٹھانا اور دعا کرنا لازم نہیں ہے اور عام طور پر قبرستان میں قبلہ رخ ہونے میں سامنے قبریں ہو جاتی ہیں تو اس طریقے سے اور بھی بہت سی بدعات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

دفن کے بعد تعزیت کے لیے اکٹھا ہونا، شامیہا نے نصب کرنا، تعزیت

کرنے والوں کے لیے کھانا تیار کرنا، تین دن مسلسل تعزیت کرنا

”تعزیت“ تسلی دینے، اجر کے وعدے پر صبر کی ترغیب، میت اور مصیبت زدہ

کے لیے دعا مانگنے کو کہتے ہیں، یہ بغیر کسی ترتیب، دعوت اور اجتماع کے جائز ہے۔ عام

لوگ جو خاص طور پر خیمے نصب کرتے ہیں اور تعزیت کے مکانات مقرر کرتے ہیں، حافظوں کے ساتھ میت کی روح کے ثواب کے لیے قراءت کا معاملہ طے کرتے ہیں، مال و دولت کی ایک بڑی مقدار اس پر خرچ کرتے ہیں، مشروبات خاص طور پر قہوہ کا اہتمام کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ یہ تمام کام ناجائز ہیں، ان میں وارثوں کا مال تلف کرنے کے علاوہ کچھ (اجر) نہیں ہوتا اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ تمام کام دین میں بدعت بھی ہیں، تو ان سے بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔

جریر بن عبداللہ الجلیلی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ
 ”ہم میت کے لیے اکٹھا ہونا اور (لوگوں کے لیے) کھانا تیار کرنا نوحہ میں سے یعنی حرام سمجھتے تھے۔“^۱

اس وجہ سے مختلف لوگوں کے نزدیک ان کے مستند مسالک کے علماء نے بھی اسے مکروہ اور بری بدعات میں شمار کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”میں ماتم کو مکروہ سمجھتا ہوں، یہ لوگوں کے اکٹھے ہونے کا نام ہے اگرچہ وہ نہ روئیں لیکن اس سے غم تازہ اور تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔“ (الام للشافعی: ۱/۲۳۸)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا میت کے گھر میں رات گزاری جاسکتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ”میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں۔“^۲

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”امام شافعی، مصنف کتاب (یعنی ابواسحاق الشیرازی صاحب المہذب) اور تمام علماء کے نزدیک تعزیت کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح لوگ ایک خاص مقام پر بیٹھ جاتے ہیں اور دوسرے ان کے پاس آکر

۱ [ضعیف، سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی النهی عن الاجتماع الی اهل الميت (۱۲۱۲) احمد (۲/۲۰۴) اس کی سند اسماعیل بن ابی خالد کی تالیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

۲ [مسائل اسحاق بن ابراہیم بن ہانی: ۹۶۱]

تعزیت کرتے ہیں (یہ مکروہ ہے)۔ اہل میت کو چاہیے کہ اپنے کاموں میں مصروف رہیں پھر جو شخص انہیں ملے تعزیت کر لے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ مرد بیٹھیں یا عورتیں ان سب کے لیے بیٹھنا مکروہ (یعنی ناجائز) ہے۔“

(المجموع: ۵/۳۰۶)

امام الرافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح الوجیز“ میں کہا:

”تعزیت سنت ہے اور اس کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے۔“

ابوالمظفر بن ہمیرہ نے کتاب ”الافصاح عن معانی الصحاح“ میں کہا کہ ”میت کی تعزیت پر اتفاق ہے اور رہا تعزیت کے لیے بیٹھنا تو یہ مالک شافعی اور احمد کے نزدیک مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں کوئی روایت ہمیں معلوم نہیں ہے۔“

اسی طرح اکثر علماء نے تعزیت والوں کے لیے کھانا تیار کرنا بدعت قرار دیا ہے۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا ”کیا میت والوں کا کھانا تیار کرنا مکروہ ہے؟“ تو انہوں نے کہا ”اگر شادی کی طرح ہو تو جائز نہیں لیکن اہل میت کو کھلانے کے لیے کھانا تیار کرنا صحیح ہے۔“ (مسائل ابن ہانی: ۹۶۰)

انہوں نے صرف اہل میت کے لیے کھانا پکانا جائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ مصیبت زدہ ہیں ان کی مصیبت نے انہیں کھانا پکانے سے روک رکھا ہے نہ یہ کہ عام رشتہ داروں کے لیے دعوتیں شروع ہو جائیں جو تعزیت کے لیے آئے ہوتے ہیں لہذا تعزیت کرنے والوں کے لیے کھانا تیار کرنا بطریقہ اولیٰ سخت ممنوع ہے۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ ”بدعت ہے مستحب نہیں ہے۔“

کمال ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ”یہ قبیح بدعت ہے۔“

۱ [روضۃ الطالبین: ۲/۱۳۴]

۲ [روضۃ الطالبین: ۲/۱۳۵]

۳ [شرح الہدایہ: ۱/۴۷۳]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ”اہل میت کا لوگوں کی دعوت کے لیے کھانا تیار کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔“ (مجموع الفتاوی: ۲۳ / ۱۶ : ۳)

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ اہل میت لوگوں کے لیے کھانا تیار نہیں کریں گے بلکہ آپ لوگوں کو حکم دیتے کہ کھانا پکا کر اہل میت کے پاس لے جائیں اور انہیں کھلائیں۔ یہ انتہائی اعلیٰ اخلاق کی تربیت ہے اس طریقے سے میت کا غم ہلکا کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اپنی مصیبت میں مصروف ہیں انہیں لوگوں کو کھانا کھلانے کی فرصت نہیں۔“ (زاد المعاد: ۱ / ۵۲۸)

اصل میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ

”آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ انہیں مصیبت نے مشغول کر دیا ہے۔“

یہ حدیث ضعیف ہے اس میں ایک راوی مجہول ہے۔

میت پر قرآن پڑھنا اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: قبروں کے پاس قراءت تو یہ منکر بدعت ہے اہل علم نے اس کا انکار کیا ہے اور اس میں قراءت قرآن کی اجرت بھی ہے جو کہ حرام ہے اور اس سے اس کی ممانعت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ احمد مالک اور ابو حنیفہ نے اس سے منع کیا ہے۔

احمد سے ایک روایت میں جواز مروی ہے۔ جواز والی یہ روایت ضعیف اور غیر معتبر ہے جیسا کہ ہم نے خلال کے ”جزء القراءۃ عند القبور“ کی تحقیق میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔

امام شافعی اسے جائز (لابأس بہ یعنی اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں) کہتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ آج کل کے مروجہ عمل کے حامی نہیں بلکہ اس کی اجازت دیتے ہیں کہ

۱۔ (اسنادہ حسن سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب صنعة الطعام لاهل الميت (۳۱۳۲)۔ اس کو حاکم ذہبی اور ابن اسکن نے صحیح کہا ہے امام ترمذی نے کہا: ”حسن صحیح۔“ اس کا راوی خالد بن ساریہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہے لہذا مؤلف کتاب کا اس روایت کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔]

کوئی آدمی اپنے دل میں قرآن پڑھے نہ کہ قاریوں کو اجرت پر لے آئے یہ جائز نہیں ہے اور اس کا بیان آرہا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے مسلک کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ”موت کے بعد میت پر قراءت بدعت ہے قریب المرگ پر نہیں کیونکہ اس پر یاسین کی قراءت مستحب ہے۔“^۱

قریب المرگ پر قراءت بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے اور رہا قاریوں کا اجرت پر لانا تو اس کے بارے میں شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ

”لوگوں کو اجرت پر قراءت کے لیے لانا تاکہ وہ اس کا ثواب میت کو پہنچادیں جائز نہیں ہے۔ کسی عالم نے اسے مستحب نہیں کہا ہے، صرف قرآن کا ثواب پہنچتا ہے بشرطیکہ اللہ کے لیے پڑھا جائے۔ اگر اللہ کے لیے اجرت پر قراءت کرائی جائے اور قراءت کرنے والا اسے میت کی طرف سے صدقہ نہ کرے بلکہ بطور عبادت قراءت کرے تو میت تک ثواب نہیں پہنچتا۔“^۲

ابن ابی العزائمی نے کہا:

”ایک قوم کا اجرت پر لانا تاکہ قرآن پڑھیں اور اس کا ثواب میت کو بخش دیں یہ کام سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کیا اور نہ کسی امام نے اس کا حکم یا اجازت دی ہے بذات خود تلاوت کے لیے اجرت پر لانا بالاتفاق ناجائز ہے۔“ (شرح عقیدہ طحاویہ: ص ۳۸۸)

دوسری صورت: میت کی وفات کے بعد قرآن پڑھنا اور اس کا ثواب میت کو بخش دینا۔ علماء کے اقوال میں سے صحیح اور راجح یہی قول ہے کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ دلیل وہ آیت کریمہ ہے جس میں ارشاد ہے کہ ﴿وَإِنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ (النجم: ۳۹)

۱ | الاختیارات العلمیہ: ص ۵۳

۲ | مجموع فتاویٰ: ۳۰۰/۲۳

”اور کسی انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہ جس کی وہ کوشش کرے۔“

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

”امام شافعی اور ان کے تبعین نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ قراءت

کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا کیونکہ یہ ان کا عمل و کسب نہیں ہے۔ اسی لیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی ترغیب نہیں دی نہ صریحاً اور نہ اشارتاً

اور نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہے۔ اگر یہ کام صحیح ہوتا تو صحابہ کرام

اسے کرنے میں پہل کرتے۔ (عبادات اور) تقرب (والے افعال) میں

دلائل پر اکتفاء کیا جاتا ہے اس میں قیاس و آراء کا کوئی دخل نہیں۔“

البتہ دلائل شرعیہ میں بعض نیک کاموں کا ذکر ہے جنہیں اگر ولی (وارث میت)

کرے تو میت کو ثواب پہنچتا ہے مثلاً دعا، صدقات وغیرہ لیکن قراءت قرآن کے

بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

مختلف مناسبتوں پر میت کا ذکر خیر

ان میں سے جمعرات، چالیسواں اور سا لگرہ منانا ہے۔ اس ذریعے سے غم دوبارہ

تازہ اور بھڑکایا جاتا ہے، فضول مال و دولت خرچ کر کے پر تکلف و لیمہ نما دعوتیں دی جاتی

ہیں، مختلف مشروبات کی مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ پس اللہ ہی مددگار ہے۔

تعزیت ایک دفعہ ہی مسنون ہے اور اس کے لیے اجتماع کرنا مستحب نہیں جیسا

کہ گزر چکا ہے۔ اس لیے ایک سے زیادہ دفعہ یا بار بار تعزیت کرنا مستحب نہیں بلکہ جائز

نہیں ہے۔ میت تو اپنے اعمال کے پاس پہنچ چکی ہے جو پیچھے رہ گئے وہ ان بدعات کے

ذریعے شریعت کی مخالفت کر کے اپنے قدیم و فاسد عقائد کا اظہار کرتے ہیں۔

ہر جمعہ کو والدین کی قبر کی زیارت کرنا اور وہاں سورہ یاسین پڑھنا

اس بارے میں ایک موضوع حدیث مروی ہے جسے ابن عدی نے الکامل

(۱۸۰۱/۵) میں ”عمرو بن زیاد حدثنا يحيى بن سليم الطائفي عن هشام بن عروه عن ابيه عن جده“ کی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

((مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَرَأَ بِسْمِ غُفْرَانَهُ))

”جس نے اپنی ماں یا باپ یا دونوں کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی اور وہاں سورۃ یاسین پڑھی تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔“
ابن عدی نے کہا کہ

”یہ حدیث اس سند کے ساتھ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔“

اس حدیث کے گھڑنے کی تہمت عمرو بن زیاد بن عبد الرحمن بن ثوبان پر ہے جو وضع حدیث اور حدیث کی چوری کے ساتھ موصوف ہے۔

عورتوں کا عیدوں، خاص اوقات اور جمعرات کے دن جماعتوں کی شکل

میں قبروں کی زیارت کرنا

اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ قبروں کی زیارت صرف رقت قلب اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے بشرطیکہ کسی خاص قبر کا تعین نہ کیا جائے الا یہ کہ وعظ و نصیحت میں مبالغہ مقصود ہو جیسا کہ نبی ﷺ کی حدیث ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

”میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو رب تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی، پھر میں نے ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو یہ اجازت دے دی گئی۔“

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ

”آپ کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کا سبب یہ ہے کہ آپ قبر کا مشاہدہ کر کے وعظ و نصیحت کی تقویت چاہتے تھے۔“ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۲/۲۳۹)

پس باقی قبریں چھوڑ کر کسی خاص قبر کا دعا کے لیے تعین کرنا جائز نہیں ہے بلکہ قبرستان میں جا کر عام مسلمان فوت شدگان کے لیے نبی ﷺ سے مروی ماثورہ دعائیں پڑھنی چاہیں۔

رہی یہ عورتیں تو ان کا بینا روئے پٹنے اور ”قرص الرحمۃ“ (رحمت کی ٹکلیا) تقسیم کرنے کے لیے جمع ہونا وغیرہ یہ سب بدعت ہے اور شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔

نامعلوم فوجی (شہید) کی قبر کی زیارت اور

نیک و صالح لوگوں کی قبروں کی طرف سفر

ان پر کلام ابواب المساجد میں گزر چکا ہے اور ان کے حرام ہونے پر دلائل بیان کر دیے گئے ہیں۔

جھوٹی قبروں کی طرف سفر

اس کے ناجائز ہونے کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ”مجموع الفتاویٰ (۲۷/۳۹۰-۳۹۳) میں کون دیکھے؟“

نبی ﷺ کی قبر کی طرف سفر

یہ بدعت ہے سفر صرف مسجد نبوی کی طرف کرنا جائز ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے۔ جب آدمی مسجد نبوی میں داخل ہو جائے تو مشروع و مسنون یہ ہے کہ نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہما و عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں کے پاس سلام کہے اور سلام کہنے سے زیادہ نہ ٹھہرے۔

ابن ابی شیبہ (۳/۲۸) نے صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ ”وہ جب (مدینہ سے) نکلنے کا ارادہ کرتے تو مسجد نبوی میں آ کر نماز پڑھتے

پھر نبی ﷺ کی قبر پر آکر ”السلام علیکم یا رسول اللہ“ کہتے پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں پر (السلام علیک یا ابابکر) ”السلام علیک یا ابتاہ“ کہتے پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو گھر جانے سے پہلے اسی طرح کرتے۔“

آپ مسجد کے ساتھ ابتداء کر کے دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر سلام کہتے کیونکہ توجہ اور ارادے کی اصل مستحق تو مسجد ہے اگر قبر کا قصد کرنا جائز ہوتا تو وہ سفر اور واپسی میں قبر سے ابتداء کرتے۔

نبی ﷺ کی قبر کو چھونا

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں غلط موقف اختیار کر کے ایک دلیل کشید کر کے اسے پر لگا دیتے ہیں۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الشیوخ (۱/ ۵۵) میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے کہ ”امام احمد ابن حنبل سے نبی ﷺ کی قبر چھونے اور چومنے کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ یہ بات آپ سے عبداللہ بن احمد نے روایت کی ہے۔“

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بڑے معتبر امام محقق اور مدقق تھے مگر ان کا یہ قول عالم کی غلطی ہے جس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور کسی نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی متابعت نہیں کی اور ان کا امام احمد سے نقل کرنا وہم کے زیادہ قریب ہے۔ انہوں نے سیر اعلام النبلاء (۱۱/ ۲۱۲) میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے عبداللہ بن احمد کی روایت میں صرف یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ (یعنی احمد) سے منبر کی لکڑی اور حجرہ نبویہ کے چھونے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: ”میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے“ اور یہ روایت پہلی روایت سے زیادہ آسان ہے کیونکہ اس کی اصل موجود ہے۔ میں نے مسائل عبداللہ میں اسے تلاش کیا تو مجھے اس کا حوالہ نہیں ملا اس کے ثبوت سے اللہ ہی باخبر ہے۔

پتہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے پہلے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس سے پہلے صحیح

سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو چھونا مکروہ سمجھتے تھے۔ (یاد رہے کہ اس اثر پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ فضول اور باطل ہے اور علماء پر لازم ہے کہ وہ اس باطل حاشیہ پر رد کریں)

میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس اثر کے مخالف ہیں جبکہ ان کے نزدیک آثار صحابہ سے حجیت اور سنیت دونوں ثابت ہیں۔

پھر مجھے وہ دلیل مل گئی جس سے میرے اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو وہم ہوا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم (۲/ ۷۲۶)" میں نقل کیا ہے: "ابو بکر الاثرم نے کہا میں نے ابو عبد اللہ احمد ابن حنبل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر چھونے کے بارے میں پوچھا؟ تو انہوں نے فرمایا: "میں (دلیل کے لحاظ سے) اسے نہیں جانتا۔" پھر فرمایا: "کیا منبر چھونا صحیح ہے اس کے بارے میں دلیل آئی ہے؟ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "وہ روایت جو ابن ابی فدیق عن ابن ابی ذئب عن ابن عمر کی سند سے مروی ہے کہ انہوں نے منبر کو چھوا تھا اور منبر کی لکڑی کے بارے میں سعید بن المسیب سے مروی ہے میں نے کہا: یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ جب انہوں نے عراق کی طرف خروج کا ارادہ کیا تو منبر کے پاس آئے اسے چھوا اور دعا کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ (احمد) اسے مستحسن (اچھا) سمجھ رہے تھے تو فرمایا کہ "ہو سکتا ہے کہ یہ کسی چیز یا ضرورت کے لیے ہو؟"

ابو عبد اللہ (احمد) سے کہا گیا کہ بعض لوگ اپنے پیٹ قبر کی دیوار سے لگا دیتے ہیں اور میں نے کہا میں نے مدینہ کے علماء کو دیکھا ہے وہ اسے نہیں چھوتے تھے دور ایک کونے پر کھڑے رہتے اور سلام کہتے تو ابو عبد اللہ (احمد) نے کہا: "جی ہاں! ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"احمد وغیرہ نے منبر، منبر کی لکڑی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ اور جہاں آپ ہاتھ رکھتے تھے کو چھونے کی اجازت دی ہے لیکن انہوں نے آپ کی قبر کو چھونے کی

اجازت نہیں دی۔ ہمارے بعض علماء نے ایک روایت قبر کو چھونے کے بارے میں بیان کی ہے کیونکہ احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بعض جنازوں کے ساتھ گئے پھر آپ نے میت کی قبر پر ہاتھ رکھا اور اس کے لیے دعا کی۔ تاہم ان دونوں باتوں میں فرق ظاہر ہے۔“

ظاہر یہی ہے کہ وہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کا ذکر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے کیونکہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شاگردوں اور ساتھیوں میں سے تھے۔ اور جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کردہ بات ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے سراسر خلاف ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

جنازے کے سلسلے کی بہت سی بدعات (کے تذکرے) باقی ہیں ہم نے صرف مشہور بدعات ذکر کی ہیں رہا ان کا استیعاب اور مکمل تفصیل تو اس کے لیے بہت زیادہ کوشش بلکہ نو جلدوں کی ضرورت ہے۔



روزے

روزوں کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

روزے ان عظیم ترین عبادات میں سے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے چاہے فرض روزے ہوں جیسے رمضان کے مہینے کے روزے یا نفل ہوں جیسے ایام بیض کے تین روزے (۱۳، ۱۴، ۱۵) ہر ہفتے سوموار اور جمعرات کے روزے یا عرفات، نو محرم اور دس محرم کے روزے وغیرہ ہوں جن کا فضیلت والے اوقات سے تعلق ہے۔ مگر قابل افسوس بات یہ ہے کہ دوسری عبادات کی طرح اس عبادت میں بھی بہت سی بدعات داخل ہو چکی ہیں حتیٰ کہ غلط کار پرہیزگاروں کے حصے میں ثواب و مغفرت کے بدلے گناہ اور خسارہ ہی آتا ہے۔

اور اب میں یہاں روزوں کی چند مشہور بدعات کا تذکرہ کرتا ہوں۔

رمضان کے روزے کی معرفت میں حساب اور فلکیات سے مدد لینا

اس بات کے جواز کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس شریعت اس کی مخالفت اور تردید کر رہی ہے۔ روزے کے انعقاد کے لیے اعتبار صرف رویت ہلال کا ہے نہ کہ حساب فلکیات اور علم نجوم کا۔ اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

((لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْا الْهِلَالَ وَلَا تَفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ فَأَقْدُرُوا لَهُ))^۱

”جب تک رمضان کا ہلال (چاند) نہ دیکھ لو روزے رکھنا شروع نہ کرو اور نہ

۱ صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ اذ اربأبہ الہلال فصوموا (۱۹۰۶)

۲ صحیح مسلم، کتاب الصوم، باب وجوب صوم رمد

افطار (یعنی عید) کرو جب تک ہلال دیکھ نہ لو، اگر تمہارے اوپر بادل آجائیں تو اندازہ لگا لو یعنی تیس دن پورے کرلو۔“

اور آپ نے فرمایا کہ

ہم امی (ان پڑھ) لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ (ستاروں کا) حساب کرتے ہیں مہینہ اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے۔“

یعنی ایک دفعہ ایتیس اور ایک دفعہ تیس (کا آپ نے اشارہ کیا)۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”امی جس پر ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے ہم نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ

حساب کرنا۔“ (شرح صحیح مسلم: ۷/ ۱۹۲)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

”حساب سے مراد ستاروں اور ان کی چال کا حساب ہے، عرب لوگ اس سے

بہت تھوڑا تعلق رکھتے تھے۔ پس آپ نے روزے وغیرہ کا حکم رفع حرج کے

لیے رویت ہلال پر معلق کیا، کیونکہ ستاروں کی رفتار کا حساب رکھنا مشکل

ہے۔ روزے کے بارے میں یہ حکم جاری رہا۔ اگرچہ ان کے بعد کوئی ایسا

پیدا ہو جائے جو یہ حساب جان لے۔ بلکہ حدیث کا ظاہری سیاق اس کی

صراحت کرتا ہے کہ حساب پر روزوں کو موقوف سمجھنا غلط ہے۔ اس کی توضیح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے کہ ”اگر بادل چھا جائیں تو تیس کی گنتی

پوری کرلو“ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ حساب دانوں سے پوچھ لو۔“

(فتح الباری ۳/ ۱۵۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ

”ایک قوم (مثلاً) رافضیوں کا یہ مذہب ہے کہ ستاروں کی چال اور رفتار کا علم

رکھنے والوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور بعض فقہاء سے ان (رافضیوں) کی موافقت بھی مروی ہے۔

علامہ البانی نے کہا کہ سلف صالحین کا اجماع ان لوگوں پر حجت ہے۔
ابن بزیہ نے کہا اور یہ مذہب باطل ہے۔

شریعت نے علم نجوم میں غور و خوض کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ قیاس آرائی اور تخمینہ ہے اس میں قطعیت نہیں اور نہ ہی ظن غالب ہے اگر معاملہ اس کے ساتھ مربوط ہوتا تو بڑی تنگی ہوتی، کیونکہ بہت تھوڑے لوگ ہی اس علم سے واقف ہیں۔“

(فتح الباری: ۱۵۱/۴)

اپنے رہائشی علاقے، شہر یا ملک کے علاوہ

دوسرے علاقے کی رویت پر روزہ رکھنا یا عید کرنا

آج کل کی یہ بہت زیادہ مشہور بدعت ہے کہ تشددین کی ایک جماعت اپنے رہائشی علاقے (شہر یا ملک) کی رویت ہلال رمضان ہو یا شوال پر قناعت نہیں کرتی، وہ دوسرے ملک کی رویت کے مطابق روزہ رکھتے ہیں، حالانکہ علماء کے نزدیک مطالع کا اختلاف معتبر ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ بعض مسجدوں میں خفیہ طور پر عید کی نماز پڑھ لیتے ہیں جب کہ اس علاقے والے رمضان کا تیسواں روزہ پورا کر رہے ہوتے ہیں یا آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں سے ایک دن پہلے روزہ رکھ رہے ہوتے ہیں حالانکہ یہ بذاتہ شک کا روزہ ہے جس پر کلام بعد میں آ رہا ہے۔

احتیاط اور ورع کے طور پر شک کے دن روزہ رکھنا

اور یہ بھی سنت کے مخالف ہے، شک کا روزہ رکھنے والے نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سابق حدیث کی مخالفت کی ہے اور اس طرح اس نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کی بھی مخالفت کی ہے جس میں ہے:

”رسول اللہ ﷺ شعبان میں (تاریخ) اچھی طرح یاد رکھتے جبکہ غیر شعبان

میں اس کا اتنا خیال نہیں رکھتے تھے۔ پھر رمضان کی رویت ہلال پر روزہ رکھتے اگر شعبان میں بادل ہوتا تو تیس دن پورے کر لیتے پھر (رمضان کا) روزہ شروع کر دیتے۔“

اور اس طرح وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بھی مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی بھی رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے سوائے اس آدمی کے جو پہلے سے ہی روزے رکھ رہا تھا تو وہ اس دن روزہ رکھ سکتا ہے۔“

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہا رضی اللہ عنہ والے دن روزہ نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کا حکم دیتے تھے بلکہ آپ نے بادل والے دن شعبان کے تیس دن پورے کرنے کا حکم دیا، آپ اسی پر عمل کرتے تھے اور یہی آپ کا فعل اور حکم تھا۔“ (زاد المعاد: ۳۹/۲)

لیکن ہم نے شک والے دن کے روزے کی بدعت اور حرام ہونے کا جو ذکر کیا ہے یہ اس حالت میں ہے جب کوئی شخص احتیاط اور پرہیزگاری کے جذبے اور خوف سے یہ روزہ رکھے۔ اگر وہ پہلے سے ہی ورع اور شک کے بغیر بطور عادت روزے رکھتا تھا تو سابق حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رو سے یہ جائز ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”شک والے دن اگر رمضان کی نیت نہ کرے تو روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ (مسائل عبد اللہ: ۶۷۵)

۱ [صحیح سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب اذا اغمی الشهر (۲۳۲۵) سے ابن خزیمہ ابن حبان حاکم اور ذہبی وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔]

۲ [صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب لا یتقدم رمضان بصوم یوم ولا یومین (۱۹۱۳) صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب لا تقدموا رمضان بصوم یوم أو یومین (۱۰۸۲)]

۳ [امام صاحب کا یہ قول بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے شک والے دن روزے کا چوردروازہ کھل سکتا ہے۔]

رمضان کے ہمیشہ تیس روزے رکھنا

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح و مشہور احادیث، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ مہینہ تیس کا بھی ہوتا ہے اور انتیس کا بھی اور جو شخص چاند دیکھنے کے بغیر ہمیشہ تیس روزے رکھے تو وہ سنت اور اجماع کا مخالف ہے اور دین میں اپنی مرضی سے بدعت جاری کرنے والا ہے۔“^۱

موذن کی اذان سنتے وقت کھانا نگلنا یا پانی پینا

یہ مسئلہ خطرناک مسائل میں سے ہے جس پر علماء ان دلائل سے استدلال کرتے ہیں جو ضعیف سندوں کی وجہ سے حجت نہیں ہیں۔ ان کی بڑی دلیل اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ایک حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمْ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءَ فِي يَدِهِ فَلَا يَضَعُهُ حَتَّى يَقْضَى حَاجَتَهُ مِنْهُ))^۲

”اگر کوئی تم میں سے اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اسے اس وقت تک نہ رکھے جب تک اپنی ضرورت پوری نہ کر لے۔“

اس حدیث کو ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے معلول قرار دیا ہے بلکہ متن میں نکارت (یعنی منکر ہونا) ظاہر ہے۔ پھر یہ اس صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”اس وقت تک کھاؤ پیو جس وقت تک ابن ام مکتوم اذان نہ دے کیونکہ وہ طلوع فجر کے بعد ہی اذان دیتا ہے۔“^۳

۱ البدع والمحدثات ومالا اصل له: ص ۱۵۳۳

۲ اسنادہ حسن سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب الرجل یسمع النداء والانیاء فی یدہ (۲۳۵۰) اسے حاتم نے اور زہبی نے صحیح کہا ہے سند بھی حسن لذات ہے۔ ابو حاتم، تہذیبی اور مصنف کا اس ضعیف یا منکر صحیح نہیں ہے۔ وانحق احق ان یتبع ا

۳ صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعکم من سحورکم اذان

بلال (۱۹۱۸، ۱۹۱۹) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب (۱۰۹۴)

اس حدیث سے یہ فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی انتہا اذان کا سننا ہے۔ امام ابیہتی رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے اور "السنن الکبریٰ (۲۱۸/۳)" میں اس سے یہ کلام لکھ کر جواب دیا ہے کہ "یہ حدیث اگر صحیح ہو تو عام علماء کے نزدیک اس پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ مؤذن طلوع فجر سے پہلے اذان دیتا ہے اس طریقے سے اس کا کھانا پینا طلوع فجر سے پہلے ہوتا تھا۔ اذان دینے والے طلوع فجر کے ساتھ ہی اذانیں دینا شروع کر دیتے تھے۔ اس کا احتمال ہے کہ یہ خبر ابو ہریرہ سے نیچے سند میں منقطع ہو یا اذان ثانی کی خبر ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ "اگر کوئی تم میں سے اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو" اذان اول سے متعلق ہے۔ اس طریقے سے احادیث میں موافقت ہو جاتی ہے۔"

میرے خیال میں یہ تطبیق بہتر ہے پھر مجھے امام شافعی کا کلام مل گیا جو میری تائید کرتا ہے ان کے نزدیک بھی یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔
امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں سحری میں دیر کرنے کو مستحب سمجھتا ہوں جب تک کہ طلوع فجر کا وقت قریب نہ ہو جائے جس میں طلوع فجر کا خوف رہتا ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ کھانا پینا اس وقت موقوف کر دیا جائے۔ پھر اگر صبح طلوع ہو جائے اور اس کے منہ میں کچھ چیز ہو جسے وہ کھا رہا ہے تو اسے باہر نکال کر پھینک دے کیونکہ منہ میں ہونے سے تو کچھ نہیں ہوتا لیکن پیٹ میں داخل ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔" (الام: ۹۶/۲)

اس پر امام شافعی کے شاگرد ربیع بن سلیمان نے یہ حاشیہ لکھا ہے کہ "سوائے اس کے کہ وہ مغلوب و مجبور ہو جائے اسے نکالنے پر قادر نہ ہو تو ایسا کھانا مکروہ ہے تاہم اس پر کوئی چیز (جرمانہ یا کفارہ نہیں ہے۔) یہ ہے مفہوم امام شافعی کے قول کا۔"

میرے نزدیک مجبوری اور اکراہ کی صورت میں نکلنا جائز ہے جبکہ وہ اسے لوٹانے پر قادر نہ ہو، اگر وہ اس مجبوری سے اسے نکل لے تو معذور ہے اور اگر وہ مشکل سے اسے نکالتا ہے تو اسے قے آجائے گی جو بذات خود روزہ توڑنے والی ہے، لہذا اس معنی پر غور و خوض کریں اور یاد کر لیں، پس یہ اس مسئلے کا لب لباب اور چابی ہے۔^۱

اعتکاف کے لیے تین مسجدوں کی شرط لگانا

یعنی اعتکاف صرف تین مسجدوں میں جائز ہے، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اس سلسلے میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے ضعیف معلول^۲ حدیث مروی ہے۔ ہم نے یہ بات اپنی کتاب ”فقہ اعتکاف“ طبع دوم میں بیان کی ہے، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

رجب اور پندرہ رمضان کا روزہ

عیدوں کی بدعات میں اس پر کلام گزر چکا ہے۔



۱۔ امام شافعی، امام بیہقی اور فاضل مؤلف کی تحقیق مروج ہے، جب حدیث بذات خود حسن لذات ہے تو یہ اصل ہے، لہذا اس سے دوسری حدیث کی تخصیص کی جائے گی اور حق یہی ہے کہ اذان کے وقت جو کھانا کھا رہا ہے اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے کھانے کی تکمیل کرے۔ [

۲۔ اس کی سند سفیان بن عیینہ کی تالیس اور دیگر علل کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

صحیح احادیث میں مذکور اجناس کے علاوہ دوسری اقسام سے صدقہ فطر نکالنا ان اجناس سے صدقہ فطر نکالنے میں اصل یہ ہے کہ توقف کیا جائے یہاں عقل یا استحسان پر مجرد اعتماد صحیح نہیں۔

ابن حزم ظاہری نے امام مالک پر حدیث میں مذکورہ اجناس کے علاوہ صدقہ فطر کی اجازت دینے پر انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”تعب ہی تعب ہے کہ امام مالک نے مکئی عام کھانا اور چاولوں سے صدقہ فطر نکالنا جائز سمجھا ہے بشرطیکہ یہ اجناس لوگوں کی خوراک ہو حالانکہ احادیث میں ان اجناس کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔“ (المحلی: ۳/۲۳۹)

درج ذیل اجناس سے صدقہ فطر نکالنا جائز ہے:

”جو کھجور، پنیر، انگور اور گندم۔“

پہلی چار اقسام پر ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث دلیل ہے کہ ”ہم صدقہ فطر ایک صاع کھانے جو کھجور، پنیر یا میوے سے نکالتے تھے۔“^۱

بعض لوگوں کو ”ایک صاع کھانے سے“ کے لفظ سے یہ وہم ہوا ہے کہ اس عموم میں علاقے میں کھائی جانے والی عام اجناس مثلاً چاول، لوبیا وغیرہ شامل ہیں حالانکہ یہ استدلال غلط ہے۔

اس روایت میں طعام سے مراد وہی اجناس ہیں جن کی تفصیل بعد میں ذکر کر دی

[صحیح البخاری: کتاب الزکاۃ: باب صدقۃ الفطر صاع من طعام (۱۵۰۶) صحیح

مسلم: کتاب الزکاۃ: باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر (۹۸۵)]

گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں عید الفطر کے دن کھانے سے ایک صاع نکالتے تھے۔

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اور ہمارا کھانا جو میوہ، پنیر اور کھجور ہوتا تھا۔^۱ اگر بطور الزام اس وہم کو صحیح مان لیا جائے تو طعام کا لفظ عام ہے جو علاقے کے ہر مشہور کھانے پر مشتمل ہوگا، بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں عام طور پر گوشت کھایا جاتا ہے۔^۲ اور عام علماء یہی کہتے ہیں کہ صدقہ فطر میں گوشت دینا جائز نہیں ہے۔ گندم سے صدقہ فطر ادا کرنے کی دلیل وہ صحیح احادیث ہیں جو معاویہ بن ابی سفیان، ام المومنین عائشہ، جابر بن عبد اللہ اور اسماء رضی اللہ عنہا سے ثابت ہیں جن کی تفصیل ہم نے مستقل ایک رسالے ”زکوٰۃ الفطر“ میں لکھی ہے۔

محققین کے نزدیک زیادہ سے زیادہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا اجناس نہ ہوں تو پھر چاول، لوبیا اور معروف کھانے سے فطرانہ ادا کرنا جائز ہے۔

موفق الدین ابن قدامہ کہتے ہیں کہ

”جو شخص ان چار اجناس سے ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسری جنس سے صدقہ فطر نکالے، کیونکہ ان پر نص موجود ہے ان میں سے جو بھی نکالے گا جائز ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس جنس کو کھاتا ہے یا نہیں اور حدیث کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے۔ (الکافی: ۱/ ۳۲۲)

اس کی تائید ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ

”میں تو ہمیشہ جب تک زندہ رہا اسی سے صدقہ فطر نکالوں گا جس سے میں پہلے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں) نکالتا تھا۔“

۱ [صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ قبل العید (۱۵۱۰)]

۲ [میرے علم میں ایسا کوئی علاقہ نہیں جہاں کھانے میں ہمیشہ صرف گوشت ہی کھایا جاتا ہو اور روٹی

یا چاول وغیرہ اس کے ساتھ نہ ہوں۔ واللہ اعلم]

نقدی یعنی رقم سے صدقہ فطر نکالنا

کسی ایک صحابی سے بھی قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے نقدی سے صدقہ فطر ادا کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو اس کا جواز صرف عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصری سے مروی ہے۔^۱

جو قول حدیث رسول اللہ ﷺ کا مخالف ہو اس میں کوئی حجت نہیں ہے اور آثار تابعین سے شرعی حجت قائم نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "الحیة والانصاف بین الغلو والاحفاف" میں بیان کیا ہے۔

مسائل عبداللہ بن احمد ابن حنبل (۶۴۷) میں لکھا ہوا ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا آپ صدقہ فطر کی قیمت نکالنا مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ "مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر وہ (یعنی کوئی شخص) قیمت دے گا تو اس کا صدقہ فطر ہی جائز نہیں ہوگا۔"

اور ایسا ہی ابو داؤد کی احمد سے روایت میں آیا ہے۔

ابوطالب (امام احمد کے شاگرد) کی روایت میں ہے کہ

"امام احمد سے کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز صدقہ فطر میں

قیمت قبول کر لیتے تھے تو امام احمد نے کہا کہ (لوگ) رسول اللہ ﷺ کا قول

چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں یہ کہتا ہے۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر فرض کیا ہے

اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔"

اور کہا کہ لوگ سنت کو فلاں نے کہا فلاں نے کہا کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔"

اسے ابن قدامہ نے المغنی (۲/۶۵) میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ امام مالک و شافعی

کا یہی قول ہے۔

آٹھ قسم کے مستحقین میں صدقہ فطر تقسیم کرنا

اس غلط رواج میں سے یہ بھی ہے کہ بعض لوگ ان آٹھ اقسام کے مستحقین میں صدقہ فطر تقسیم کر دیتے ہیں جنہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر اس لیے فرض کیا ہے کہ روزہ دار لغو اور فحش کا (اگر مرتکب ہوا ہو تو) کفارہ دے اور یہ مسکینوں کا کھانا ہے جو نماز عید سے پہلے یہ صدقہ ادا کرے تو عند اللہ مقبول ہے اور جو بعد میں ادا کرے گا تو یہ عام صدقہ بن جائے گا۔“

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ مساکین کو خاص طور پر یہ صدقہ دیتے تھے اسے (مستحقین کی) ان آٹھ اقسام پر تقسیم نہیں کرتے تھے اور نہ اس کا آپ نے حکم دیا ہے نہ اس پر کسی صحابی یا بعد والے تابعی نے عمل کیا ہے بلکہ ہمارا ایک قول یہ بھی ہے کہ مساکین کے علاوہ صدقہ فطر دینا جائز ہی نہیں ہے اور یہ قول اس قول سے راجح ہے جس میں آٹھ اقسام پر صدقہ فطر کی تقسیم کو لازم قرار دیا گیا ہے۔“ تذکرۃ المعاد ۲/۲۲

رجب کے مہینے میں زکوٰۃ نکالنا

شیخ ابن تیمیہ حفظہ اللہ سے پوچھا گیا کہ

۱۔ [اسنادہ حسن سنن ابی داؤد کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الفطر (۱۶۰۹) اسے حاکم اور ذہبی نے بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (۳۰۹/۱)]

۲۔ آج کل بعض تنظیمیں جہاد کے نام پر صدقہ فطر (وغیرہ سب کچھ) لے جاتی ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

”یہاں لوگ صرف رجب میں ہی زکوٰۃ نکالتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رجب میں زکوٰۃ ادا کرنا افضل اور بہترین ہے اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“

تو انہوں نے جواب دیا کہ

”یہ صحیح نہیں ہے اگر وہ اس ذریعے سے اللہ کی عبادت کریں گے تو یہ بدعت ہے اور اگر ان کے اموال پر نصاب زکوٰۃ رجب میں لازم ہوتی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔“ (البدع والمحدثات ومالا اصل له، ص ۳۶۱، ۳۶۲)



حج اور عمرہ

حج اور عمرے کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

زبانی نیت کرنا

یہ حج اور عمرہ کے سلسلے میں مشہور ترین بدعت ہے، اس پر طہارت اور نماز کے مسائل میں کلام گزر چکا ہے، یہاں اس پر یہ اضافہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حج اور عمرہ کی لبیک کہنا ہی زبانی نیت کا جواز ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔ نیت تو صرف ارادے کو کہتے ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، بلند آواز سے جو لبیک کہی جاتی ہے وہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے قائم مقام ہے اور کوئی عقل مند آدمی تکبیر کو نماز کی نیت نہیں کہتا اور نہ وضو پر بسم اللہ کو وضو کی نیت سمجھتا ہے۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”ان مسائل میں ہمیں نہ سلف صالحین سے کوئی ثبوت ملا ہے اور نہ ہی کسی امام سے۔“

پھر مزید کہا کہ

”اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو احرام باندھنے کے وقت یہ کہتے سنا کہ اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو لوگوں کو بتا رہا ہے؟ کیا تیرے دل میں جو کچھ ہے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر نہیں ہے؟“ (جامع العلوم والحکم : ص ۴۰)

یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ حج اور عمرہ میں لفظی نیت جائز نہیں، جو اسے ضروری سمجھتے ہیں اور خواہ مخواہ اس پر زور دیتے ہیں تو انہوں نے دین میں ایسی بدعت ایجاد کی ہے جس کی نہ اللہ نے اجازت دی اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

گھر سے حج کے لیے نکلنے وقت دو رکعتیں پڑھنا، پہلی رکعت میں

سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھنا

یہ وہ بدعت ہے جس کے ساتھ غزالی نے اپنی کتاب ”احیاء علوم الدین“ کو آلودہ کیا ہے، غزالی کہتے ہیں کہ

”جو حج کے لیے خروج کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ پہلے دو رکعتیں پڑھے

اور پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکافرون پڑھے اور

دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے“ (احیاء الدین : ۴۵۰۰۱)

اس مسئلے میں کوئی صحیح سنت قابل ذکر نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ ایک منکر حدیث

اور ایسا ہی موقوف اثر ہے جس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ اس حدیث کو ابن ابی

شیبہ (۱/ ۴۲۳) نے حدیثنا عیسیٰ بن یونس عن الاوزاعی عن المطعم

بن مقدم قال قال رسول اللہ ﷺ کی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے

فرمایا:

((مَا خَلَفَ عَبْدٌ عَلَىٰ أَهْلِهِ أَفْضَلَ مِنْ رُكْعَتَيْنِ يَرْكَعُهُمَا

عِنْدَهُمْ حِينَ يُرِيدُ السَّفَرَ))

”آدی جب سفر کا ارادہ کرتا ہے تو دو رکعتوں سے زیادہ افضل کوئی چیز اپنے

گھر میں نہیں چھوڑتا۔“

امام نووی نے اپنی کتاب ”الاذکار“ (ص ۴۹۶) میں اسے طبرانی کی طرف

منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سند معطل (یعنی منقطع) ہے کیونکہ مطعم بن مقدم

تابعین کے شاگرد ہیں اور غزالی کا ان دو رکعتوں کو ان مذکورہ سورتوں کے ساتھ خاص

کرنا مزید دوسری بدعت ہے۔ اگرچہ نووی نے ”الاذکار“ میں اس کی متابعت کی ہے مگر

عبادات میں اصل یہی ہے کہ توقف کیا جائے گا یعنی بغیر دلیل کے کوئی عبادت جائز

نہیں ہے۔

رہا اثر تو اسے عبدالرزاق (۹۲۵۷) نے ”عن الثوری عن ابی اسحاق عن الحارث وهو الاغور کی سند سے روایت کیا ہے کہ جب تو سفر کے لیے نکلے تو اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھ لے اور جب سفر سے واپس آئے تو بھی دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھ۔“

اسے ابن ابی شیبہ نے عن وکیع عن سفیان عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی بن ابی طالب کی سند سے متصلاً بیان کیا ہے جو زیادہ راجح ہے مگر حارث الاغور سخت ضعیف اور اس کی علی سے روایت اور ابواسحاق کی حارث سے روایت میں بھی کلام ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو یہ ثابت ہے کہ وہ جب سفر کا ارادہ کرتے تو مسجد نبوی میں داخل ہو کر دو رکعتیں پڑھتے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہما پر سلام کہتے پھر سفر کے لیے نکلتے، میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی ہوتی تھیں نہ کہ سفر کی۔ واللہ اعلم۔

حاجیوں کی گاڑیوں پر سفید جھنڈے لہرانا

اجتماعی طور پر لبیک کے ساتھ آوازیں بلند کرنا

ابن الحاج نے ”المدخل (۳/۲۲۱)“ میں لکھا ہے کہ

”بعض لوگ حلق پھاڑ پھاڑ کر اجتماعی طور پر لبیک کی جو آوازیں بلند کرتے ہیں اس سے بچنا چاہیے۔ بعض آواز اتنی آہستہ کر لیتے ہیں کہ تقریباً کچھ بھی سنائی نہیں دیتا، سنت ان دونوں کی درمیانی راہ ہے بشرطیکہ یہ تلبیہ (لبیک کہنا) ایک آواز نہ ہو کیونکہ یہ بدعت ہے، بلکہ ہر انسان دوسرے کی آواز کی پرواہ کیے بغیر خود لبیک کہتا رہے۔“

اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ بعض لوگ سر کے ساتھ پڑھنے والا ایک شخص مقرر کر کے اس کی سر میں سر ملانا شروع کر دیتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے۔

مکہ اور مدینہ میں اولیاء کی قبروں اور متبرک مقامات پر جانا

غزالی نے ”احیاء علوم الدین“ میں یہ کہہ کر اس کی ترغیب دی ہے کہ
 ”ان کی قبروں کی زیارت کی برکت اللہ کے ہاں ان کے درجات کے مطابق
 ملتی ہے۔“ (احیاء الدین: ۱/ ۳۳۳، ۳۳۵)

حالانکہ شرعی طور پر یہ کلام ساقط اور مردود ہے۔ اور ابواب المساجد میں اس پر تنقید
 گزر چکی ہے۔

مکہ اور مدینہ کے درختوں اور پتھروں سے تبرک حاصل کرنا

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ نے کہا کہ ”حرم یا مکہ کے پتھروں میں سے کوئی ایسی چیز
 نہیں جسے چھو کر تبرک پکڑا جائے یا اسے اپنے علاقے میں لے جایا جائے وغیرہ۔

(البدع والمحدثات ومالا اصل له: ص ۳۸۱)

مجھے میرے گھروالوں میں سے ایک ثقہ نے یہ خبر دی کہ اس نے عورتوں کو وسیع
 توسیع کے دوران حرم مدنی کے ٹکڑوں سے تبرک حاصل کرتے دیکھا وہ انہیں چھو کر اپنے
 چہروں پر مل رہی تھیں اور اس طریقے سے وہ بزم خود تبرک حاصل کر رہی تھیں۔ حالانکہ
 یہ ان کا عمل ہے جن کی تمام کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہو چکی ہے اور وہ یہ سمجھ رہے
 ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں یا درہے کہ شریعت میں اس عمل کی کوئی اصل نہیں۔

عمرہ کرنے والے کا برکت اور عبادت کے لیے حج کے مقامات کی زیارت کرنا

شریعت میں اس کی کوئی دلیل وارد نہیں ہے واجب یہ ہے کہ یہ شخص مسجد حرام
 میں نمازیں پڑھ کر برکت اور ثواب حاصل کرے اور حرم میں ٹھہرنا، ذکر، عبادت، تلاوت
 قرآن اور طواف میں کثرت کرنے نہ یہ کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونے
 میں وقت ضائع کر دے کہ جس میں گناہ تو ہے ثواب نہیں۔

طواف کے وقت بیت اللہ کے چاروں ارکان کا چومنا یا چھونا

یہ بدعت ہے اور نبی ﷺ سے یہ کام اس کی اجازت یا ترغیب ثابت نہیں ہے۔ مسنون تو صرف حجر اسود چھونا یا چومنا ہے بشرطیکہ دوسروں کو تکلیف نہ دے ورنہ پھر حجر اسود کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔ اور رکن یمانی کا بھی یہی معاملہ ہے کہ بغیر تکلف کے نہ اپنے آپ کو تکلیف دے نہ دوسروں کو تو اسے چھوسکتا ہے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اشارہ وغیرہ کرنا مسنون نہیں ہے۔ حجر اسود کے بعد پہلا رکن رکن عراقی ہے اسی طرح اس کے بعد رکن شامی ہے ان کا چھونا استلام یا اشارہ مسنون نہیں اور اس سلسلے میں کچھ بھی مروی نہیں ہے۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل

کیا ہے کہ

”میں نے نبی ﷺ کو صرف دونوں رکن یمانی کو چھوتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔“^۱

صحیح بخاری میں بطور تعلق بالکل صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ معاویہ چاروں ارکان کا چھونا جائز سمجھتے تھے جس کا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان پر انکار کیا ہے۔

(بخاری: ۱۱۸۶)

کعبہ کی دیواروں، غلاف اور حلقاات کو تبرک کے لیے چھونا

عوام خاص طور پر جاہل لوگوں کے درمیان یہ بدعت بہت زیادہ مشہور ہے اس پر رد کرنے سے زیادہ اس کا فاسد و باطل ہونا واضح ہے۔

۱ [جو عمل معاویہ سے ثابت ہے اسے بدعت کہنا صحیح نہیں ہے 'ناہم راجح یہی

ہے کہ ارکان اربعہ کو نہ چھویا جائے صرف رکن یمانی کو ہی چھویا جائے۔]

۲ [صحیح البخاری، کتاب الحج، باب من لم يستلم الا الرکنین الیمانین (۱۶۰۹) صحیح

مسلم، کتاب الحج، باب (۱۱۸۶)]

زمزم کے پانی سے نہانا

سلف صالحین میں سے کسی سے یہ فعل ثابت نہیں، مستحب صرف یہ ہے کہ خوب سیر ہو کر زمزم پیا جائے اور گرمی کی وجہ سے سر پر بھی اٹھایا جائے۔

خاص طور پر ستائیس رمضان کو عمرہ کرنا

اس کی تائید میں بھی کوئی دلیل وارد نہیں، بلکہ اس رات کی وجہ سے عمرہ کی خصوصیت بذات خود بدعت ہے اور صحیح یہی ہے کہ شروع ہو یا آخر، جو بھی وقت ہو رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت تلاش کرنا چاہیے۔

بے شک نبی ﷺ نے ایک عورت کو کہا تھا:

((فَإِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَأَعْتَمِرِي فِيهِ فَإِنَّ عُمْرَةَ فِيهِ تَعْدِلُ حَجَّةً))^۱

”پس اگر رمضان آجائے تو اس میں عمرہ کر لینا کیونکہ رمضان میں عمرہ حج کے

برابر ہے۔“

یہ حدیث پورے رمضان کے بارے میں عام ہے، اگر رمضان کی راتوں میں سے کسی رات مثلاً ستائیسویں رات جس میں لیلۃ القدر کا احتمال ہے، عمرہ کرنے کی فضیلت ہوتی تو آپ اپنی امت کو ضرور بتاتے۔

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ستائیسویں رمضان کی رات کی (عبادت کے لیے) تخصیص بدعت ہے۔“^۲

جس عمرہ کرنے والے کا اپنا احرام نہ کھلا ہو اس کا

دوسروں کے بال بطور اجرت یا خدمت کا ثنایا موٹنا

یہ بھی مشہور ترین بدعات میں سے ہے، بہت سے چلنے پھرنے والے دکاندار

۱ [صحیح البخاری، کتاب العمرة، باب عمرة فی رمضان (۱۷۸۲) صحیح مسلم، الحج

باب فضل العمرة فی رمضان (۱۲۵۶)]

۲ [البلدع والمحللات ومالا اصل له؛ ص ۳۸۷]

تینچیاں بیچنے کی آوازیں لگاتے ہیں، پھر ایک شخص جس کا احرام بندھا ہوا ہوتا ہے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے سر کے بال کاٹنا یا مونڈنا ہے (یاد رکھئے کہ) اس اجنبی عمل سے عمرہ کو نقصان پہنچتا ہے اور دم واجب ہو جاتا ہے۔

سر کے بال مونڈتے یا کٹاتے وقت قبلہ رخ ہونا
غزالی نے کہا:

”پھر اس کے بعد سر کے بال مونڈ دے اور سنت یہ ہے کہ قبلہ رخ ہو۔“

(احیاء علوم الدین: ۱/ ۴۶۶)

غزالی کے اس قول پر کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی یہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔

سر مونڈنے کے وقت دعا

غزالی نے اس کی ایک دعا بھی ذکر کی ہے:

((اللَّهُمَّ اثْبِتْ لِي بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةً وَأَمْسَحْ عَنِّي بِهَا سَيِّئَةً
وَأَرْفَعْ لِي بِهَا عِنْدَكَ دَرَجَةً))^۱

”اے اللہ! ہر بال کے بدلے میرے لیے ایک نیکی عطا کر اور میرا ایک گناہ مٹادے اور اپنے ہاں میرا درجہ بلند کر۔“

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”میرے علم کے مطابق سنت میں اس کی کوئی

اصل نہیں ہے۔“ (حجة النبی ﷺ: ص ۱۳۳)

عورت کا نقاب اور دستانوں کے ساتھ طواف کرنا

یہ ممنوع ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَا تَتَّقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةَ وَلَا تَلْبِسِ الْقَفَازِينَ))^۲

”احرام والی عورت نہ نقاب پہنے اور نہ دستان پہنے۔“

۱ [صحیح البخاری، کتاب جراء الصيد، باب ما ینہی من الطیب للمحرم

اگر اس کی تحقیق یہ ہو کہ چہرہ ڈھانپنا اور چھپانا فرض ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے چہرے پر کپڑا لٹکالے جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

حاجی کے لوٹنے کے وقت اور استقبال کے لیے

اس کے گھر کا چونا اور صفائی کرنا

گھر کو قسم قسم کے رنگوں سے رنگنا، چراغاں کرنا، اس کے گھر کی دیوار پر کشتی یا ہوائی جہاز کی تصویر بنانا، جس کے ذریعے اس نے سفر کیا ہے اور ”حج مبرور و ذنب مغفور و حمد لله على السلامة يا حاج“ وغیرہ عبارت لکھنا ان تمام چیزوں کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ بلکہ اس میں فضول کاموں پر اموال کا اسراف ہوتا ہے اور مقصد صرف فخر و تکبر اور جھوٹا وقار ہوتا ہے جس کے بارے میں ہر عقل مند کو یقین ہے کہ یہ حرام ہے۔

مسجد نبوی کے بجائے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی نیت کرنا

مسجد نبوی کی طرف سفر اس صحیح حدیث کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جو گزر چکی ہے:
 ((لَا تَشْدُوا الرِّحَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِي هَذَا
 وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى))
 ”(برائے ثواب و برکت) سفر نہ کیا جائے مگر صرف تین مساجد کے لیے
 میری مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصی۔“

لیکن میں نے دیکھا ہے کہ غزالی صاحب اس حدیث کے ساتھ ایک الٹا استدلال کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”بعض علماء نے اس حدیث کے ساتھ علماء و صالحین کی قبروں اور تبرک مقامات کی طرف سفر کرنے سے منع کیا ہے یہ وجہ استدلال میری سمجھ سے باہر ہے بلکہ ان قبروں کی زیارت کا حکم موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
 ((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا وَلَا تَقُولُوا هَجْرًا))

”میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب ان کی زیارت کرو اور بے ہودہ باتیں نہ کہنا۔“

اور جبکہ درج بالا حدیث صرف مساجد کے بارے میں ہے نہ کہ متبرک مقامات کے بارے میں کیونکہ ان تین مسجدوں کے بعد تمام مساجد (فضیلت میں) برابر ہیں جو کہ ہر علاقہ، شہر، بستی اور محلہ میں موجود ہے لہذا دوسری مسجد کی طرف سفر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

رہے متبرک مقامات تو یہ برابر نہیں ہیں بلکہ ان کی زیارت کی برکت اللہ کے ہاں ان کے درجات کے مطابق ملتی ہے، ہاں اگر کسی جگہ مسجد نہیں ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس جگہ کی طرف سفر کرے جہاں مسجد ہے اور اس کے لیے اپنا علاقہ چھوڑ کر مکمل طور پر اس مسجد کے قریب چلا جانا بھی جائز ہے۔ کاش! مجھے اس کا پتہ ہوتا کہ یہ منع کرنے والا کیا انبیاء مثلاً ابراہیم، موسیٰ، یحییٰ وغیرہم علیہم السلام کی قبروں کی طرف سفر سے منع کرتا ہے؟ اس سے منع تو بہت زیادہ محال بات ہے اور اگر ان قبروں کی طرف سفر جائز ہے تو پھر اولیاء، علماء اور صالحین کی قبروں کا یہی حکم ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ ان قبروں کو سفر کے مقاصد میں سے سمجھ لیا جائے جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی ملاقات کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔“ (احیاء علوم الدین: ۱/۳۳۳)

میں کہتا ہوں کہ اس طویل کلام کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کی اجازت صرف عبرت اور ذکرِ آخرت کے لیے جائز قرار دی ہے، جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ

((فَزُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ))

”پس قبروں کی زیارت کرو بے شک ان کی زیارت موت یاد دلاتی ہے۔“

رہی دوسری زیارت جسے یہ لوگ تبرک اور فضیلت کے لیے جائز بنا رہے ہیں تو اس کی اجازت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ ثابت یہ ہے کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ))

”میری قبر کو عید نہ بنانا اور میرے اوپر درود پڑھنا تم جہاں بھی ہو گے (فرشتوں کے ذریعے) تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔“

جب اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل اور انبیاء کرام میں سب سے افضل کی قبر کے بارے میں یہ حکم ہے تو پھر باقی انبیاء کی قبروں کا کیا حکم ہوگا؟ جب انبیاء کی قبروں کی طرف سفرنا جائز ہے تو صالحین، اولیاء اور علماء کا مقام تو بہت ہی نیچا ہے۔ اور رہا یہ قیاس کہ ان علماء کی زندگی میں سفر ان کے مرنے کے بعد قبروں کی طرف سفر کے برابر ہے تو یہ قیاس کئی لحاظ سے مردود ہے یہ قیاس مع الفارق ہے اور ہر قیاس نص (دلیل) کے مقابلے میں مردود ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان علماء کی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے جس کی تائید نصوص کتاب و سنت سے بھی ہوتی ہے اور تمام عقل مند اس پر متفق بھی ہیں جبکہ مرنے والے اپنے آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے کجا یہ کہ وہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ))

”اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچے گا چاہے تم کہیں بھی ہو۔“

یعنی تمہیں میری قبر کی طرف سفر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ کسی دوسری قبر کی طرف سفر کی ضرورت ہے تمہارا درود و سلام مجھ تک پہنچے گا اگرچہ تم اپنے ملک یا مکانوں میں ہو جس طرح میت کو بعد والے لوگوں کی دعا کا نفع پہنچتا ہے چاہے دعا کرنے والے جس جگہ و مکان میں ہوں۔

دعا کی قبولیت کی امید سے انبیاء کی قبروں یا دوسری قبروں کی طرف جانا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”انبیاء و صالحین وغیرہم کی قبروں پر دعا کے لیے جمع ہونا دین میں سے نہیں ہے۔“

میں نے دیکھا ہے کہ ”سیر اعلام النبلاء“ میں کئی مقامات پر حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کی قبروں کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔ امام ذہبی اہل سنت والجماعت کے متبوع امام عالم اور محقق تھے ان کی اس بات نے مجھے گھبراہٹ میں ڈال دیا تھا حتیٰ کہ میں نے وہ عبارت پڑھ لی جس میں امام ذہبی اپنے مقصد کی وضاحت فرماتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ ”اور دعا“ انبیاء و اولیاء کی قبروں اور دنیا کے تمام علاقوں میں قبول ہوتی ہے لیکن قبولیت کا سبب اپنی تمنا خوب ظاہر کرنا، خشوع و خضوع، عاجزی اور گڑگڑا کر دعا کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مقدس مقام، مسجد اور صبح کے وقت وغیرہ میں زیادہ عاجزی اور خشوع ظاہر ہوتا ہے اور ہر مجبور کی دعا قبول ہوتی ہے۔“

(سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۷۷)

اس حوالے سے معلوم ہوا کہ امام ذہبی مجرد قبروں کی وجہ سے قبولیت دعا کے قائل نہیں بلکہ یہ توجہ، تمنا اور خواہش کا اظہار، خشوع و خضوع اور گڑگڑا کر دعا کرنے کو باعث قبولیت سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک قبروں کے پاس دعا کرنا ترک کر دینا چاہیے بلکہ سد ذریعہ کے طور پر ایسا کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کے پاس ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو علماء اتباع سنت اور سلف صالحین کی اقتداء کے ساتھ مشہور ہیں ان کے بارے میں اصل طرز عمل یہ ہے کہ حسن ظن رکھا جائے ان کے (غلط) کلام (کی تاویل کر کے اس کا) عذر تلاش کیا جائے نہ کہ آدمی ان کی غلطیاں تلاش کرنے بیٹھ جائے یا ان غلطیوں سے استدلال کرنا شروع کر دے۔

نبی ﷺ کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا اور رونا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”اور جب نبی ﷺ پر سلام کہے تو قبلہ رخ ہونا چاہیے دعا مسجد نبوی میں کرے جیسا کہ صحابہ کرام کرتے تھے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور قبر کی طرف منہ کر کے دعا نہ کرے۔“ (الاختیارات العلمیة)

نبی ﷺ کی قبر (یا حجرے) کا چھونا اور چومنا

باب الجنائز میں اس پر تفصیل گزر چکی ہے اور آج کل اللہ کے فضل و کرم سے یہ بدعت منادی گئی ہے۔ تینوں قبروں (نبی ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں) کے کمرے کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے۔ والحمد للہ۔ اور آج کوئی آدمی ان قبروں تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

شیخ الاسلام نے ”الاختیارات“ میں لکھا ہے کہ ”سلف صالحین اور تمام امام اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص نبی ﷺ یا دوسرے انبیاء و صالحین کی قبروں پر سلام کہے تو یہ شخص نہ تو قبر کو چھوئے گا اور نہ ہی چومے گا بلکہ اس پر اتفاق ہے کہ چھونا اور چومنا صرف حجر اسود کا جائز ہے رکن یمانی کا چھونا مسنون ہے مگر صحیح مسلک میں چومنا جائز نہیں ہے۔“

نبی ﷺ کی قبر کا طواف اور محراب، منبر اور دیواروں کا چھونا

شیخ محمد بن صالح بن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”مسجد نبوی کے بعض زائرین قبر کا طواف کرتے ہیں، حجرے کی جالیوں اور دیواروں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور بسا اوقات ان پر منہ رکھ کر چوم بھی لیتے ہیں اور ان پر اپنے رخسار ملتے ہیں، یہ تمام کلام غلط اور بدعات ہیں اور کعبہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا طواف بدعت اور حرام ہے۔ اسی طرح چھونا اور چومنا بھی حرام و ممنوع ہے۔ رخسار بھی خانہ کعبہ میں اپنے مقام پر رکھے جاتے

ہیں۔ اور حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس (بیت اللہ کی طرح) یہ عبادت کرنا آدمی کو اللہ سے دور ہی کرتی ہے (نہ کہ نزدیک)۔“

(البدع والمحدثات ومالا اصل له: ص ۴۰۳)

بعض سلف صالحین سے منبر کی لکڑی کا چھونا ثابت ہے پھر وہ قبلہ رخ ہو کر دعا کرتے تھے لیکن اب تو وہ منبر جس پر رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے تھے ختم ہو چکا ہے اس میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی لہذا اب یہ عمل بھی صحیح نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ”اقتضاء الصراط المستقیم (۲/۷۲۷)“ میں لکھا ہے کہ ”آج کے زمانے میں منبر جل چکا ہے اور اس کی لکڑی باقی نہیں رہی صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا رہ گیا ہے لہذا منبر چھونے کی رخصت بھی ختم ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے صرف یہی منقول ہے کہ وہ آپ کے بیٹھنے کی جگہ کو چھوتے تھے۔“



القرآن

قرآن اور قراءت قرآن کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

گانوں کی طرح قرآن پڑھنا

گانوں اور نظموں وغیرہ کی طرح قرآن پڑھنا اس باب کی مشہور ترین بدعت ہے۔ عبد اللہ بن احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا آپ سے مبالغہ آمیز خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ”یہ بدعت ہے الایہ کہ فطری طور پر بغیر تصنع کے یہ قراءت ہو جیسا کہ ابو موسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ قراءت کرتے تھے۔“

الروزی نے کہا ابو عبد اللہ احمد ابن حنبل سے قراءت بالالحان یعنی مبالغہ آمیز اور مصنوعی خوش الحانی والی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”بدعت ہے اسے سننا نہیں چاہیے۔“

سنت یہ ہے کہ قرآن اچھی آواز کے ساتھ بغیر تکلف کے حروف کو ان کے صحیح مخارج اور خشوع و تدبیر سے پڑھا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ)) ۱

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو خوش الحانی سے قرآن نہ پڑھے۔“

اور فرمایا کہ

((مَا أَدَّنَ اللَّهُ لِسِيءًا مَا أَدَّنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ)) ۲

۱ [الامر بالمعروف والنهي عن المنكر لابی بكر الخلال: ۱۹۳، ۲۰۳]

۲ [صحيح البخارى، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: واسروا قولكم لوجهروا به (۷۵۲۷)]

۳ [صحيح بخارى، كتاب فضائل القرآن، باب من لم يتغنى بالقرآن (۵۰۲۳) صحيح

مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب: استحباب تحسين الصوت بالقرآن (۷۹۲)]

”اللہ نے ایسی اجازت کسی چیز کے لیے نہیں دی ہے جو اس نے خوش الحانی کے ساتھ قراءت کرنے کی اجازت دی ہے۔“

ایک روایت میں ہے کہ ”نبی کو جو اجازت دی گئی ہے اچھی آواز اور خوش الحانی سے قراءت کرنے کی تو آپ قرآن کو خوش الحانی اور بلند آواز سے پڑھتے تھے۔“

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”سفیان بن عیینہ فرماتے تھے خوش الحانی سے قرآن پڑھے یعنی اچھی آواز سے۔“

دکعب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”خوش الحانی سے پڑھے۔“

شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”اپنی آواز بلند کرے۔“

امام احمد نے ان احادیث کا انکار کیا ہے جن سے خوش الحانی کی اجازت پر استدلال کیا جاتا ہے، ہم نے یہ مسئلہ اپنی کتاب ”الجامع فی احکام و فضائل القرآن“ میں تفصیل سے لکھا ہے۔

نماز وغیرہ میں شاذ قراءتیں کرنا

نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”نماز وغیرہ میں شاذ قراءتیں کرنا جائز نہیں ہے، اگر علم کے باوجود جان بوجھ کر یہ قراءتیں نماز میں کرے جن سے معنی بدل جاتا ہے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔“

نماز وغیرہ میں فخر و برتری کے لیے مختلف قراءتیں کرنا

اس میں سے یہ بھی ہے کہ نماز میں یا اس کے علاوہ ایک آیت یا کئی آیات کو فخر و برتری کے لیے جمع کرنا بدعت ہے۔ جیسا کہ آج کل بہت سے قاری حضرات کرتے ہیں، ایک ہی آیت کی بار بار مختلف قراءتیں کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سوال ”سات قراءتیں جمع کرنا سنت ہے یا

ل [الامر بالمعروف للخلال: ۲۰۸۔ بسند صحیح، مؤلف]

ل [المسائل المشورہ، جمع علاء الدین بن العطار: ۹]

بدعت؟“ کے جواب میں فرمایا کہ ”نماز یا تلاوت میں ان کا اکٹھا کرنا بدعت و مکروہ ہے اور رہا مسئلہ حفظ و درس کا تو یہ کئی قاریوں کا اجتہاد ہے (اور جائز ہے)۔“

(مجموع فتاویٰ: ۱۳ / ۲۰۴)

مخارج حروف کی ادائیگی میں تکلف اور قراءت کا غیر ضروری لمبا کرنا

بری بدعات میں سے قراءت کا غیر ضروری طور پر لمبا کرنا اور مخارج حروف کی ادائیگی میں دوسرے کی وجہ سے غیر ضروری لمبا کرنا ہے حتیٰ کہ اس طرح نئے حروف ایجاد ہو جاتے ہیں۔ سنت اس میں یہ ہے کہ قرأت مد سے (یعنی مسنون لمبی) ہو۔

جیسا کہ صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کیسی تھی؟ تو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت مد سے (یعنی مسنون لمبی) ہوتی تھی پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا، بسم اللہ کو لمبا کیا، الرحمن اور الرحیم کو لمبا کیا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ”بعض جاہل لوگ دمشق میں جنازوں پر جو قرأت کرتے ہیں، انتہائی لمبی، پرازغنا، اور آیات میں کئی حروف کا اضافہ وغیرہ جیسا کہ مشاہدہ کیا جاتا ہے، کیا یہ مذموم ہے یا نہیں؟“

تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ واضح طور پر منکر اور سخت مذموم ہے۔ اس کے حرام ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ جیسا کہ الماروردی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اولی الامر (حاکم) کو چاہیے کہ وہ انہیں اس حرکت سے منع کرے، تعزیر لگائے اور توبہ کرائے اور ہر صاحب استطاعت پر اس کا انکار واجب ہے۔“ (المسائل المنتورہ: ۱۳)

متننی، خطبہ نکاح، مجالس اور تجارتی معاہدوں وغیرہ کے شروع میں سورۃ

فاتحہ یا کسی دوسری صورت کی تلاوت

یہ بدعت بھی آج کل بہت زیادہ پھیل چکی ہے حتیٰ کہ تمام اسلامی ممالک میں

عام ہو چکی ہے جس سے بعض لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ معاہدے سودے اور شادیاں وغیرہ اگر فاتحہ یا کسی دوسری سورت کی تلاوت کے بغیر ہوں گی تو ان کی برکت ختم ہو جائے گی، حالانکہ اس بات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

نکاح، خطبہ اور مجالس میں مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر خطبہ حاجہ پڑھا جائے۔ بسم اللہ پڑھنے کی دلیل وہی حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو یہ دعا پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنَّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنَّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا))
”اے اللہ! تیرے نام سے شروع کرتا ہوں تو ہم کو اور جو تو ہم کو اولاد نصیب فرمائے اس کو شیطان سے دور رکھنا۔“

ان کے ہاں اگر بچہ پیدا ہوگا تو اسے شیطان نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس پر امام بخاری نے اپنی صحیح میں ”التسمية على كل حال وعند الوقاع“ ہر حال میں اور جماع کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا کا باب باندھا ہے۔ اگرچہ اس مقام (وقت جماع) میں مسنون اور مستحب یہ ہے کہ کمال خاموشی اور وقار ہو تو دوسرے نیکی کے کاموں میں بطریقہ اولیٰ بسم اللہ پڑھنے مستحب ہے۔ خطبہ حاجت کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حاجت سکھایا ہے:

((اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاَتِ اَعْمَالِنَا مِنْ يُّهْدِيْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضِلُّ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ))

پھر یہ آیات تلاوت فرمائے:

((يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رَجُلًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾ (النساء: ۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ
مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۱۲)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿١﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ
أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

اس خطبہ کا قائم مقام حمد و ثنا بن سکتی ہے یہی نکاح، تقاریر اور مجالس میں مسنون
ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی سنت سے ثابت ہے ان مجالس کا افتتاح قراءت فاتحہ یا
تلاوت قرآن سے بدعت ہے سلف صالحین سے ثابت نہیں۔

جب آپ نے یہ سمجھ لیا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ابن جماعہ کا ”تذکرۃ السامع
والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم (ص ۳۳)“ میں یہ قول ”بحث و تدریس
کے شروع میں برکت اور نیک نامی کے لیے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنا چاہیے“ ایسا قول
ہے جس پر کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں۔ ابتداء صرف خطبہ حاجت یا حمد و ثناء سے
کرنا چاہیے جیسا کہ مسنون ہے اور گزر چکا ہے اور اگر صرف بسم اللہ پڑھ لے تو یہ بھی
مستحب ہے اور ان دو اعمال کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ابتداء کرنا مکروہ ہے۔

تجارتی سودوں اور لین دین کے معاملات کی تکمیل پر برکت کے لیے فاتحہ پڑھنا
مستحب نہیں ہے اس جگہ برکت صرف نبی ﷺ کی سنت کی پیروی سے ہو سکتی ہے اور
یہاں سنت یہ ہے کہ سودے کے بعد (جسمانی) جدائی ہو جائے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے
فرمایا کہ

لے [ضعیف سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی خطبۃ النکاح (۲۱۱۸) اس کی دوسری ہیں
ایک میں ابواسحاق السبئی مدلس ہیں اور ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں۔ دوسری سند میں ابواسحاق نے سماع
کی تصریح کی ہے لیکن ابوعبیدہ عن ابیہ کی وجہ سے منقطع ہے لہذا اس حدیث کی صحیح ناقابل فہم ہے۔]

((الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا))^۱

”بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے حتیٰ کہ وہ (جسمانی طور پر) جدا ہو جائیں۔“

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کوئی چیز خریدتے تو دکاندار کے پاس سے چلے جاتے (یہاں تک کہ نظر نہ آتے) پھر واپس آکر سودا خریدتے تاکہ سودا پکا ہو جائے اور رجوع نہ ہو سکے۔

لوگوں کا ایک آواز ہو کر قرآن پڑھنا

اگر عبادت کے طور پر ہو تو دین میں اس بدعت کی کوئی اصل نہیں ہے یہ پڑھنا صرف حفظ، درس اور تعلیم کے وقت جائز ہے جیسا کہ حفظ قرآن کی مجالس (مساجد و مدارس) میں بچے باواز بلند پڑھتے ہیں۔

جمعہ کے دن لاؤڈ سپیکر پر قرآن پڑھنا

یہ بھی مشہور بدعت ہے۔ قاری خطبہ جمعہ سے پہلے منبر وغیرہ پر بیٹھ جاتا ہے اور لاؤڈ سپیکر پر قرآن پڑھنا شروع کر دیتا ہے یہ کام نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا اور نہ کسی صحابی کے زمانے میں بلکہ یہ تازہ بدعت ہے اس میں ان نمازیوں کے لیے تشویش و مصیبت ہے جو ثواب و فضیلت کے لیے جمعہ کے لیے جلدی آجاتے ہیں تاکہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ آہستہ آواز سے قرآن پڑھیں اور نفل نمازیں پڑھیں اس لاؤڈ سپیکر والی بدعت کی وجہ سے انہیں ان نیکیوں سے روکا جاتا ہے اور مسجد کے اندر امن حاصل کرنے والوں اور عبادت کرنے والوں کو بہت زیادہ تکلیف ہے اور جبکہ مسجد سے باہر کے لوگوں کی تکلیف اس کے علاوہ ہے۔

۱ [صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب اذا كان البائع بالخيار هل يجوز البيع

تلاوت قرآن کے اختتام پر ”صدق اللہ العظیم“ کہنا

یہ عجیب و غریب بدعت ایک زمانے سے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے جبکہ شریعت میں اس کی کوئی اصل سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور نہ کسی سلف صالحین سے یہ کہنا ثابت ہے بلکہ نبی ﷺ سے اس کے برخلاف ثابت ہے آپ جب قاری کو روکنا چاہتے تو ”حسبک“ ٹھہر جاؤ کہتے تھے۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

((فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا))

”نبی ﷺ نے مجھے کہا: ”قرآن سناؤ“ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو سناؤں جب کہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے؟ فرمایا ”جی ہاں!“ تو میں نے سورۃ النساء پڑھی اور جب میں اس آیت ”پھر (وہ منظر) کیسا ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان (تمام لوگوں) پر گواہ بنائیں گے۔“ پر پہنچا تو آپ نے فرمایا: ”حسبک (ٹھہر جاؤ)“ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا امسک (رک جاؤ)“

اس پر امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ”حسبک“ کا باب باندھا ہے یعنی سننے والے کا سنانے والے کو حسبک کہنا۔

اگر ”صدق اللہ العظیم“ کہنا مسنون یا مستحب ہوتا تو نبی ﷺ ہمیں ضرور بتاتے یا آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی خبر دے دیتا۔

قرآن کا گاڑیوں میں اور سینوں پر زینت وغیرہ کے لیے لٹکانا؟

یہ مشہور اور پھیلی ہوئی بدعت ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ ابن ابی داؤد نے کتاب ”المصاحف“ (ص ۲۰۴) پر سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ قرآن

مجید کے لٹکانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

بعض لوگ ایسی تختیاں اور اشتہار لیتے ہیں جن پر بعض آیات اور معوذتین وغیرہ بطور تعویذ لکھی ہوتی ہیں۔ (یاد رکھئے کہ) قرآن کے ساتھ بجاؤ لٹکانے سے نہیں بلکہ زبان کے ساتھ تلاوت قرآن سے ہوتا ہے جو شخص تلاوت کے بدلے اسے لٹکانا اختیار کر لے تو اس نے سنت کی مخالفت کی اور دین میں ایسی بدعت ایجاد کر دی جس کی اللہ نے قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔

قبلہ کی طرف قرآن رکھنے سے منع کرنا؟

مجاہد (تابعی) اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ قبلہ کی طرف قرآن رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے لیکن یہ ان سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ”احکام المصاحف (ص ۳۸)“ میں بیان کیا ہے۔

ابن ابی داؤد نے ”المصاحف (ص ۲۰۴، ۲۰۵)“ میں صحیح سند کے ساتھ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

((كَانُوا يَكْرَهُونَ أَنْ يُصَلُّوا وَبَيْنَ أَيْدِيهِمْ شَيْءٌ حَتَّى الْمَصَاحِفَ))

”وہ لوگ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ نماز اس حالت میں پڑھیں کہ ان کے سامنے کوئی چیز حتیٰ کہ قرآن کے نسخے ہوں۔“

ظاہر ہے کہ یہ کراہیت نماز کے ساتھ مشغولیت سے خاص ہے نہ کہ مجرد قبلہ کی طرف قرآن رکھنے میں سنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ نمازی کو اگر مشغولیت کا خوف ہو تو قبلہ کی طرف قرآن نہ رکھے۔

صحیحین میں یزید بن ابی عبید عن سلمہ بن الاکوع کی سند سے مروی ہے کہ ”وہ قرآن مجید کے رکھنے کی جگہ کے پاس تسبیح (یعنی نماز) پڑھتے تھے اور بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ منبر اور قبلہ کے

درمیان بکری کے گزرنے جتنی جگہ ہوتی تھی۔^۱
لہذا اس میں منع نہیں بلکہ جواز ہے۔ واللہ اعلم!

سر پر قرآن رکھنا، چومنا یا قسم کے وقت اس پر ہاتھ رکھنا یا قسم کی شدت کے لیے اپنی دونوں آنکھوں پر رکھنا

یہ تمام چیزیں مردود بدعات میں سے ہیں اور سلف صالحین سے ثابت بھی نہیں۔ سلف صالحین تو قرآن پڑھتے اور اس میں غور و فکر کرتے تھے وہ قسم یا ڈرانے کے لیے اسے استعمال نہیں کرتے تھے نہ اس سے ڈراتے اور نہ اسے سر پر رکھتے یہ فعل ان میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے۔

اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ مروی ہے کہ امام الدارمی نے کتاب "السنن (۳۳۵۰)" میں "حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن ابن ابی ملیکہ" کی سند سے روایت کیا ہے کہ

عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل اپنے چہرے پر قرآن رکھتے تھے اور فرماتے "میرے رب کی کتاب ہے۔" یہ سند اگرچہ ابن ابی ملیکہ تک صحیح ہے لیکن ان کے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ کے درمیان منقطع ہے کیونکہ عکرمہ رضی اللہ عنہ خلافت عمر میں فوت (شہید) ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلافت صدیق میں فوت ہوئے تھے لہذا ابن ابی ملیکہ کی عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل (یعنی منقطع) ہے۔ اس طرح اولیٰ یہی ہے کہ ابن ابی ملیکہ کی عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل سے روایت مرسل (یعنی منقطع) ہے اور علم حدیث کے ماہر علماء کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہوتی۔

قسم کے وقت قرآن پر ہاتھ رکھنا عیسائیوں کی عادات میں سے ہے۔ وہ مقدموں اور فیصلوں کی گواہی میں انجیل پر ہاتھ رکھتے ہیں اور پھر یہ قسم اٹھاتے ہیں کہ سچی بات

[صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ الی الاسطوانة (۵۰۹) صحیح مسلم

کہیں گے اور جبکہ ہمیں عیسائیوں اور یہودیوں کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ قرآن کے ساتھ قسم اٹھانے میں اشکال ہے اگر اس سے مراد قرآن (خود) ہے تو کوئی حرج نہیں اس حالت میں قرآن پر ہاتھ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ قسم زبان کے ساتھ منعقد ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس سے مراد اوراق اور سیاہی ہے تو ایسی قسم حرام ہے ناجائز ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ))^۱

”جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی تو یقیناً اس نے شرک کیا۔“



۱ [اسنادہ صحیح سنن ابی داؤد کتاب الایمان والنور باب فی کراہیۃ الحلف بالآباء (۳۲۵) الترمذی (۱۵۳۵) سے ترمذی نے حسن اور ابن حبان (۱۱۷۷) حاکم (۲۹۷/۳) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔]

الایمان والنذور

قسموں اور نذروں کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

اس باب کی شدید ترین بری چیز وہ نذر ہے جو غیر اللہ کے لیے مانی جاتی ہے۔

غیر اللہ کی نذر

نذر شرعی عبادت ہے لہذا اسے غیر اللہ کے لیے ماننا یا غیر اللہ کے نام پر دینا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (البقرة: ۲۷۰)

”تم جو مال خرچ کرتے ہو یا نذر مانتے ہو تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔“

غیر اللہ کی نذر کے ناجائز ہونے پر علماء کا کلام گزر چکا ہے۔

آج کل عام نذریں، قبروں، فوت شدہ بزرگوں، صالحین اور عرس و میلاد والوں کے لیے مانی جاتی ہیں تاکہ (ان لوگوں کے زعم میں) مصیبتیں دور ہوں اور فائدے حاصل ہوں۔ حالانکہ یہ مرنے والے اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے کجا یہ کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

ان نذروں کے بارے میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”یہ وہ نذریں ہیں جن میں اللہ کی رضامندی مطلوب نہیں ہے بلکہ ان تمام نذروں کا ماننے والا اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا مستحق ہے۔ کیونکہ ایسی نذریں مانتے سے لوگوں کا مردوں کے بارے میں یہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ ان میں الوہیت کی صفات ہیں جس سے ان لوگوں کا دین ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی

مخض اپنا بہترین اور قیمتی مال صرف اسی وجہ سے صرف کرتا ہے کہ شیطان نے اس کے دل میں اس قبر اور صاحب قبر کی محبت اور تعظیم و تقدیس ڈال رکھی ہے اور عقیدہ میں ایسی خرابی سے اسلام سالم نہیں رہتا۔“

(شرح الصدور: ص ۱۹)

میں کہتا ہوں کہ واجب صرف یہ ہے کہ نذر خالص اللہ کے لیے ہو اللہ کی اطاعت میں ہونہ کہ نافرمانی میں۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ((مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يُعْصِيَ اللَّهَ فَلَا يُعْصِيهِ))^۱

”جو آدمی اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے ضرور پورا کرے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے ہرگز پورا نہ کرے۔“
 قسموں کے باب میں اس کے مقابل بدعت درج ذیل ہے۔

غیر اللہ کی قسم اٹھانا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی تو یقیناً اس نے کفر یا شرک کیا۔“^۲

اس مسئلے (یعنی قسم کے باب) میں بہت سی بدعات داخل ہو چکی ہیں، بعض امانت کی قسم اٹھاتے ہیں اور بعض اپنے والد اور اس کی رحمت کی قسم اٹھاتے ہیں۔ بعض کعبہ کی قسم اٹھاتے ہیں اور بعض نبی ﷺ یا نیک انسان کی قسم اٹھاتے ہیں۔
 قسم کی یہ تمام ذکر شدہ اقسام حرام ہیں جائز نہیں ہیں۔ اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”فقہ الایمان والنذور“ میں لکھی ہے۔

۱ [صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذور فی الطاعة (۶۶۹۲، ۶۷۰۰)]

۲ [اسناد صحیح۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور باب فی کراهیة الحلف

اس چیز کی نذر کی بدعت جس کی طاقت نہ ہو

مثلاً کوئی نذر مانے کہ فلاں ملک کی مسجد تک پیدل جائے گا یا بعض عورتیں یہ نذر مانیں کہ سر کے بال منڈا دیں گی یا کوئی آدمی اپنی واڑھی منڈانے یا بیوی کو طلاق دینے کی نذر مان لے یا ایسے کام کی نذر مانے جس کا نقصان فائدے سے زیادہ ہو یہ تمام نذریں جائز نہیں بلکہ یہ گناہ اور معصیت والی نذریں ہیں اور معصیت والی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور کفارہ دے دے۔ جیسا کہ نبی ﷺ سے گزر چکا ہے کہ

”جو آدمی اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے ضرور پورا کرے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے ہرگز پورا نہ کرے۔“

نبی ﷺ نے ایسی نذریں ماننے والے پر انکار فرمایا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے آپ نے ایک آدمی کو کھڑے ہوئے دیکھا پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا بیٹھے گا نہیں نہ سائے میں جائے گا اور نہ بات کرے گا اور مسلسل روزے رکھے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مُرَّةً فَلْيَتَكَلَّمْ وَيَسْتَظِلَّ وَالْيَقْعُدُ وَلْيَتِمَّ صَوْمَهُ))

”اسے حکم دو کہ باتیں کرنے سائے میں جائے بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔“

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان پاؤں گھسیٹ کر آ رہا تھا پوچھا ”یہ کیا ہے؟“

صحابہ نے کہا اس نے چلنے کی نذر مانی ہے تو آپ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ عَنِ تَعْدِيْبِ هَذَا النَّفْسِ غَنِيٌّ))

”اس آدمی کے اپنے آپ کو عذاب دینے سے اللہ بے نیاز ہے۔“
 اور آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ سوار ہو جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ
 نے فرمایا کہ

((ارْكَبُ أَيُّهَا الشَّيْخُ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ))^۱

”اے شیخ! سوار ہو جا، اللہ تجھ سے اور تیری نذر سے بے نیاز ہے۔“

طلاق کی قسم کھانا اور طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرنا

یہ بدعت بھی عوام میں بہت زیادہ پھیل چکی ہے اس پر تفصیلی کلام ہم نے اپنی
 کتاب ”فقہ الطلاق“ میں لکھا ہے۔



۱ [صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فیما لایملك وفي معصية (۱۷۰۱)]

[صحیح مسلم، کتاب النذر، باب من نذر ان یمشی الی الکعبة (۱۶۴۲-۱۶۴۳)]

مصافحہ، سلام اور ملنا

مصافحہ، سلام اور ملنے جلنے کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا

یہ برائی آج کل بہت زیادہ پھیل چکی ہے اور یہ ایسی بدعت ہے کہ جس کا نہ نبی ﷺ کے زمانے میں وجود تھا اور نہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں یعنی خیر القرون میں اس کا نام و نشان نہیں ہے بلکہ یہ یورپ کی باطل تہذیب کی رسوم میں سے ہے جو ہمارے اندر منتقل ہو گئی ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

((مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ إِلَّا امْرَأَةٌ يَمْلِكُهَا))^۱

”رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا سوائے آپ کی (بیوی، محارم) یا مملوکہ کے۔“

آپ ﷺ نے بیعت لیتے ہوئے عورتوں کو کہا تھا کہ

((أِنِّي لَا أَصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمَائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ))^۲

”میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، میرا کلام سو عورتوں کے لیے بھی وہی ہے جو ایک عورت کے لیے ہے۔“

۱ [صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب بیعة النساء (۷۲۱۳) صحیح مسلم، کتاب

الامارة، باب: كيفية بيعة النساء (۱۸۶۶)]

۲ [صحیح سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی بیعة النساء (۱۵۹۷) ابن ماجہ

(۲۸۷۴) نسائی (۴۱۸۶)]

بلکہ آپ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اجنبی عورت سے مصافحہ کرنے سے منع کیا ہے۔

معتقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
 ((الآن يُطَعَنَ فِي رَأْسِ رَجُلٍ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ
 يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ))^۱
 ”اگر کسی شخص کے سر میں لوہے کی سوئی چبھ جائے تو اس کے لیے یہ بہتر ہے
 اس سے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔“

نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا

یہ عادت بہت سے بدعتی لوگوں میں پھیل چکی ہے، بعض اس کے وجوب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ نمازوں کے بعد اذکار مسنونہ میں اتنی دلچسپی نہیں رکھتے جتنا کہ اس بدعت کے اہتمام میں مبالغہ کرتے ہیں، حالانکہ اس بارے میں نہ تو نبی ﷺ کی کوئی حدیث مروی ہے اور نہ ہی یہ فعل سلف صالحین سے منقول ہے۔

علامہ العز بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ ”صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے سوائے اس مسافر یا دور سے آنے والے شخص کے کہ جسے اس کے استقبال پر مصافحہ کیا جاتا ہے۔“ (فتاویٰ العز: ص ۴۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ”نماز کے بعد مصافحہ کرنا سنت ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا سنت نہیں بلکہ بدعت ہے۔“

(مجموع فتاویٰ: ۲۳/۳۳۹)

نمازی کا اپنے ساتھ والے شخص سے کہنا ”تقبل اللہ“ اللہ قبول کرے

یہ بدعت ہے جس کی تائید صرف موضوع حدیث سے ہی ہوتی ہے جیسا کہ جمعہ

۱ [حسن، مسند الرویانی (۲/۲۲۳ ح ۱۲۸۳) المعجم الکبیر للطبرانی (۲۰/۲۱۱ ۲۱۲)]

کی بدعات میں گزر چکا ہے اور موضوع حدیث ہر لحاظ سے مردود ہوتی ہے۔ اس سے استدلال حرام ہے۔

مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا اور سینے پر رکھنا

علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”ہمارے علم کے مطابق شریعت اسلامیہ میں اس عمل کی کوئی اصل نہیں ہے اور مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا اور سینے پر رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ بدعت ہے اگر ایسا کرنے والا اسے ثواب سمجھ کرے۔“

(البدع والمحدثات ومالا اصل له: ص ۴۷۸)

آنے والے کا تمام مجلس والوں سے مصافحہ کرنا

یہ بھی ایسی بدعت ہے جس کی سلف صالحین سے کوئی اصل معلوم نہیں؛ مصافحہ تو صرف ملاقات کے وقت مستحب ہے نہ کہ مجلس میں دخول کے وقت۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ

((إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا لَقِيَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَأَخَذَ بِيَدِهِ مَحَاتَّتْ

ذَنُوبُهُمَا كَمَا مَحَاتَّتِ الْوَرَقَةُ مِنَ الشَّجَرَةِ الْيَابِسَةِ))

”اگر مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے پھر اس کا ہاتھ (مصافحہ

کے لیے) پکڑ لے تو ان دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح

خشک درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔“

اس بارے میں سنت کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی جب مجلس میں آئے تو انہیں سلام کہے اگر وہ کسی اہم بات میں مشغول نہ ہوں تو کلام بھی کر لے اور مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے یا وہاں بیٹھ جائے جہاں وہ اسے بشھادیں۔

ملاقات کے وقت مصافحہ کے بجائے معانقہ کرنا

عام طور پر یہ احترام ملاقات کی حرارت اور خوش آمدید کہنے کے لیے ہوتا ہے عام

لوگ اسے ثواب سمجھتے ہیں، بعض مصنوعی وقار کی وجہ سے یہ عمل کرتے ہیں، حالانکہ ملاقات کے وقت سنت صرف مصافحہ ہے اور معانقہ صرف سفر کے بعد کرنا ہی مسنون ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔ عامر بن شراحیل الشعمی سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ کے صحابہ مصافحہ کرتے تھے اور جب ان میں سے کوئی سفر سے آتا تو اپنے دوست سے معانقہ کرتا“^۱

لیکن ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ معاذہ العدو یہ سے روایت کیا ہے کہ صلہ بن اشیم کے ساتھی جب ان کے پاس آتے تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے تھے۔^۲

ظاہر ہے کہ وہ یہ ملاقات کے وقت کرتے تھے۔ یہ بعض تابعین کا فعل ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے سے مروی نہیں بلکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثابت شدہ فعل کے خلاف ہے۔

سلام کے وقت جھکنا

یہ ایسی تعظیم کا نشان ہے جو کہ ممنوع ہے اور عام طور پر شان و شوکت اور اقتدار والے لوگوں کے سامنے یہ عمل کیا جاتا ہے، یہ جائز نہیں ہے بلکہ یہ ظالموں کا کمزوروں کے ساتھ ظالمانہ سلوک ہے۔

مشائخ وغیرہ کے پاس جاتے وقت سجدہ یا رکوع کرنا

یہ جھکنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ایسا کام آتش پرست ایرانی اپنے سرداروں کے ساتھ کرتے تھے اور نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس کام کو حرام قرار دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

۱ [حسن، مصنف ابن ابی شیبہ (۵/۲۳۸ ح ۲۵۷۱) اس حدیث سے بعضی محدثین نے معانقہ کا جواز ثابت کیا ہے۔]

۲ [صحیح، ایضاً، ص ۲۳۹ ح ۲۵۷۲۵]

((الْوَصْلَحَ لِبَشْرٍ اَنْ يَّسْجُدَ لِبَشْرٍ لَامَرْتُ الْمَرْأَةَ اَنْ تَسْجُدَ
لِرُؤُوسِهَا مِنْ عَظْمٍ حَقُّهُ عَلَيْهَا))^۱

”اگر کسی انسان کے لیے جائز ہوتا کہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو میں عورت کو
حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو اس کے عظیم حق کی وجہ سے سجدہ کرے۔“

نودی ^۲ سے پوچھا گیا کہ

”سجدہ جو بعض لوگ اپنے مشائخ (استادوں، پیروں وغیرہ) کے سامنے کرتے
ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا یہ سخت حرام ہے۔“^۳

ہنسی مذاق اور مزاح کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مار کر مصافحہ کرنا

اس قسم کا ہنسی مذاق اور مزاح عام طور پر شرعی حدود سے خارج اور کسی کے عیب کا
اظہار، جھوٹ، باطل اور بہتان وغیرہ کے لیے ہوتا ہے کیونکہ اپنی ہتھیلی کو دوسرے کی ہتھیلی
پر مار کر ان چیزوں اور اکاذیب کی تصدیق مقصود ہوتی ہے یا ایک کو ہنسا کر دوسرے کی
ذلت مراد ہوتی ہے اگر یہ لوگ جانتے ہوتے کہ جھوٹ نامہ اعمال میں جھوٹ ہی لکھا
جاتا ہے تو یہ کام کبھی نہ کرتے۔

دنیا یا تعظیم کے لیے ہاتھ چومنا

یہ مشہور بدعت ہے خاص طور پر طریقت پرستوں اور غالی صوفیاء کے درمیان
اسے مکمل عروج حاصل ہے۔ نیک لوگوں کے ہاتھ چومنا جائز ہے اور سلف صالحین سے
یہ عمل ثابت ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ”احکام القبل والمعانقہ“ میں بیان
کیا ہے لیکن اگر دنیا یا دکھاوے کے لیے ہو تو یہ کبھی جائز نہیں ہے سلف صالحین سے یہ
ثابت نہیں ہے کہ کسی نے اس مقصد کے لیے ایسا کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱ [صحیح مسند احمد (۱۵۸/۳) وسندہ صحیح]

۲ [المسائل المشورہ جمع علاء الدین بن العطار: ۹]

اہل کتاب کی طرح سلام کہنا یا وداع کرنا

اہل کتاب سلام یا مجلس میں دخول کے وقت ”ہائی“ کہتے ہیں، وداع کے وقت ”ہائی“ ”ہائی ہائی“ یا ”تشاؤ“ وغیرہ کے الفاظ بولتے ہیں جو ہماری شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں سلام ہو یا وداع ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہنا ہی مسنون ہے۔

سفر میں جاتے وقت ((اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ)) کہنا ثابت ہے اور اہل کتاب کی مشابہت کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے بلکہ ان کی مخالفت واجب ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ جب طریقہ طریقے سے مل جائے تو دل دل سے مل جاتا ہے اور عقیدہ عقیدے سے مل جاتا ہے اور اگر نہ بھی ہو تو کم از کم یہ ہے کہ اس طرح اہل کتاب کی گمراہی کا اقرار ہے انکار نہیں۔

سفر میں جانے اور واپس آنے کے وقت اجنبی عورتوں کا بوسہ لینا

یہ بہت بڑا حرام کام ہے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((وَالْفَمُّ يَزِيْنِي فِرْزَانَهُ الْقُبُلُ))^۱ ”منہ زنا کرتا ہے منہ کا زنا بوسہ لینا ہے۔“

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”اگر میرے سر میں (بڑی) سوئی داخل ہو جائے حتیٰ کہ میں ٹھنڈا ہو جاؤں یعنی مر جاؤں یہ اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی غیر محرم عورت کا بوسہ لوں۔“

بلکہ ابن ابی یزید القروانی نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ وہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی آدمی اپنی ساس (بیوی کی ماں) کا بوسہ لے حالانکہ وہ حرام رشتوں میں سے ہے۔ امام احمد نے اس بات کو بھی مکروہ سمجھا ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں یا بہن کا بوسہ

۱ (اسنادہ صحیح، ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فیما یؤمر بہ من غض البصر

(۱۲۵۳) (واصلہ فی صحیح مسلم (۲/۲۶۵۷))

۲ (الجامع، ص: ۱۹۳)

لے الا یہ کہ رحمت اور انتہائی احترام کا جذبہ ہو۔ اس کلام کا تقاضا ہے کہ یہ بوسہ پیشانی پر ہونہ کہ رخسار پر لہذا اجنبی عورت جس سے نکاح حلال ہے، کا بوسہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے جس سے شہوت کا امکان واضح ہے۔



دعا

دعا کے متعلق بدعات اور سنت سے ان کا رد

دعا شرعی عبادت ہے بلکہ اللہ نے اپنے بندوں پر جو عبادات فرض کی ہیں یہ ان میں سے اعلیٰ ترین عبادت ہے اس میں انکساری، خشوع، فقیری، عاجزی و کمزوری، بہترین توجہ اور مقصد کی وحدانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ دعا مانگیں:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝﴾

(الاعراف: ۵۵)

”اپنے رب کو پکارو عاجزی سے، گڑگڑاتے ہوئے اور خفیہ بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝﴾ (البقرة: ۱۸۶)

”جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں تو (آپ جواب دیں کہ) میں قریب ہوں دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے اسے قبول کرتا ہوں بس مجھ سے ہی دعا مانگو اور مجھ پر ایمان لاؤ تا کہ یقیناً ہدایت پا جاؤ۔“

نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

”رب (اللہ تعالیٰ) سے دعا مانگنے سے منہ پھیرنا بڑا جرم ہے۔“

ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:

﴿مَنْ لَمَّا يَدْعُ اللَّهَ غَضَبَ عَلَيْهِ﴾

”جو اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے“

اس لیے کہ اللہ سے دعا کرنا عبادت ہے لہذا اس سے منہ موڑنا عبادت سے منہ موڑنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))

”دعا ہی عبادت ہے۔“

عبادت جو بھی ہو وہ تو قیہنی ہوتی ہے، جیسا کہ اس کا بیان کتاب و سنت سے گزر چکا ہے۔ کسی آدمی کے لیے اس میں اضافے یا کمی کی اجازت نہیں ہے اور نہ اس سے منہ پھیرنا جائز ہے، کیونکہ یہ رب سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت ہے، وہ تمام جہانوں سے پوری طرح باخبر ہے، جس نے دین میں کوئی اضافہ کیا، جس پر دلیل نہیں تو یہ اضافہ مردود اور باطل ہے۔

دعا کے سلسلے کی مشہور ترین بدعات درج ذیل ہیں۔

غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے دعا مانگنا

یہ بدعت مطلقاً سب سے بری بدعت ہے جو توحید کی بنیاد گراتی اور دین کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے اور رسولوں کو جس کے لیے مبعوث کیا گیا تھا اور جس کے لیے کتابیں نازل کی گئی تھیں یہ اس کے سراسر خلاف اور لوگوں کے عقائد خراب کرنے والی اور عوام کو دھوکے میں مبتلا کرنے والی بدعت ہے۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، یہ بدعت، طریقت پرست (صوفیاء) اور زنادقہ میں عجیب طریقے سے پھیل چکی ہے حتیٰ کہ اس کی بیماری شدت سے سرایت کر چکی ہے اور اس کی مصیبت عام ہو چکی ہے۔ بعض عوام دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ قبر والوں سے رو رو کر اور گڑ گڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔ اور بعض دوسرے غیر اللہ کے لیے رکوع اور سجدوں میں پڑے ہوئے امداد اور تعاون مانگ رہے ہوتے ہیں، یاد رکھئے کہ ایسا

کرنے والوں کی گمراہی میں کوئی شک نہیں اور ایسا کرنے والے دنیا اور آخرت میں رسوا ہیں اور انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا:

﴿وَلَقَدْ جَنَّتُمْوْنَا فَرَادَى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَآخِوْلَنَاكُمْ
وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَنَّرْنَا مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُمْ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ
شُرَكَوَا لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝﴾

(الانعام: ۹۳)

”اور آج تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا، ہم نے تمہیں جو (مال و دولت اور اقتدار) دیا تھا وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اب تمہارے وہ سفارشی ہمیں نظر نہیں آرہے ہیں جن کے بارے میں تم بڑا گمان رکھتے تھے کہ وہ تمہارے شریک ہیں تمہیں بچالیں گے اب تمہارے درمیان جدائی واقع ہو چکی ہے اور جن کے بارے میں تم گمان رکھتے تھے اب وہ تم سے گم ہو چکے ہیں۔“

اگر آپ ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کریں تو وہ کہتے ہیں کہ

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر: ۳)

”ہم تو صرف اس لیے ان کی عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے زیادہ نزدیک کر دیں۔“

ان لوگوں کے دلائل وہی ہیں جو دین حق کے دشمن اور مشرکین کے ہیں۔ والعیاذ

باللہ!

ان لوگوں کی بودی اور باطل دلیل کو اللہ نے اپنے عظیم فرمان سے رد کر دیا ہے اور

فرما دیا کہ

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾ (الذاریات: ۵۶)

”میں نے جن اور انسان صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیے ہیں۔“

پس غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں اور نہ اس میں سے کوئی چیز غیر اللہ کے حوالے کی

جاسکتی ہے۔ مطلق طور پر دعا سب سے بڑی بلکہ خاص ترین عبادت ہے لہذا اسے غیر اللہ کی طرف پھیرنا یا اللہ کے ساتھ اس میں کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (النور: ۵۵)

”اللہ نے تم میں سے ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلافت و حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اس نے خلافت عطا کی تھی، ان کے اختیار کردہ دین (اسلام) جس پر اللہ راضی ہے کو (دنیا میں) متمکن (اور غالب) کر دے گا، انہیں خوف کے بدلے امن عطا کرے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہیں کریں گے اور اس دین اسلام کے آنے کے بعد جس نے انکار کیا وہی لوگ فاسق اور کافر ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی صفت خالص اللہ کی عبادت کرنا اور شرک بالکل نہ کرنا بیان کی ہے جنہیں اس نے زمین میں خلیفہ اور غالب بنایا تھا یعنی ابو بکر و عمر و عثمان و علی وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ

”میں سواری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آپ کے درمیان صرف کجاوے کی لکڑی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے معاذ بن جبل!“ میں نے کہا: ”لیک یا رسول اللہ وسعدیک“ (اے اللہ کے رسول! حاضر ہوں اور آپ کی خوشی چاہتا ہوں) اس کے بعد آپ نے کچھ دیر سفر جاری رکھا پھر فرمایا ”اے معاذ بن جبل!“ میں نے کہا ”لیک یا رسول اللہ وسعدیک“ پھر آپ نے کچھ دیر سفر جاری رکھا، پھر فرمایا ”اے معاذ

بن جبل!“ میں نے کہا ”لیک یا رسول اللہ و سعدیک“ آپ نے فرمایا: ”کیا تجھے پتہ ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟“ میں نے کہا ”اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ صرف اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں، پھر آپ نے کچھ دیر سفر کیا، پھر فرمایا: ”اے معاذ بن جبل!“ میں نے کہا: ”لیک یا رسول اللہ و سعدیک“ فرمایا: ”کیا تجھے پتہ ہے کہ بندے اگر یہ کر لیں تو ان کا اللہ پر کیا حق ہے؟“ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”یہ بات ضروریات دین میں سے ہے اور اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ کسی بندے کے لیے اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت یا اس سے دعا مانگنا اور مدد مانگنا اور اعتماد کرنا جائز نہیں ہے، جس نے کسی مقرب فرشتے یا نبی و رسول کی عبادت کی یا مصیبت میں مافوق الاسباب سے پکارا یا اس سے مدد مانگی تو وہ شخص مشرک ہے۔ کسی مسلمان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی یہ کہے یا جبرائیل یا میکائیل یا ابراہیم یا موسیٰ یا رسول اللہ! میرے گناہ معاف کرو، مجھ پر رحم کرو، مجھے رزق دو، میری مدد کرو، مجھے مصیبت سے نکالو، مجھے میرے دشمن سے بچاؤ وغیرہ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے، یہ سب الوہیت کے خاصے ہیں (یعنی اللہ کے ساتھ ہی خاص ہیں)۔“

(مجموع الفتاویٰ: ۳/ ۲۷۲)

اس کلام کی تائید کتاب و سنت کی نصوص سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۳)

ل [صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ارداف الرجل خلف الرجل (۵۹۶) صحیح

مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة.. (۳۰)

[واللفظ له]

”اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الہ (معبود) کو نہ پکارو ورنہ ان لوگوں میں شامل کر دیے جاؤ گے جنہیں عذاب دیا جائے گا۔“

اور فرمایا کہ

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ (الجن: ۱۸-۲۲)

”اور تمام مسجدیں (صرف) اللہ کے لیے ہی ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو جب اللہ کا بندہ (نمازی صرف) اسے پکارنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس سے (غصے میں) لپٹ جاتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دو کہ میں تمہارے لیے نفع یا نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ کہہ دو کہ مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور اس کے علاوہ میرے لیے کوئی دوسری پناہ گاہ نہیں ہے۔“

ایک اور مقام پر اللہ عزوجل نے فرمایا کہ

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَإِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

(التوبہ: ۳۱)

”ان لوگوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک الہ (معبود) کی ہی عبادت کریں، اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، پاک ہے وہ اس سے جو یہ شرک کر رہے ہیں۔“

ایک اور مقام پر فرمایا کہ

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینہ: ۵)

”اور انہیں اس کے علاوہ کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ صرف یکسو ہو کر خالص اللہ کی عبادت کریں۔“

اس بارے میں بہت سی آیات ہیں۔ سنت میں بھی بہت سے دلائل ہیں، حدیث معاذ رضی اللہ عنہ تو ابھی گزری ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ

((الِدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))^۱ ”دعا ہی عبادت ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((لَا تَطْرُونِي كَمَا أَطْرَبَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ))^۲

”جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا تم مجھے حد سے نہ بڑھانا، میں اللہ کا بندہ ہوں، بس کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

((لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا))^۳

”اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید گاہ اور میلہ نہ بنانا۔“

ایک روایت میں ہے کہ

((اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثْنًا، لَعَنَّ اللَّهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِ

هِمَّ مَسَاجِدًا))^۴

”اے اللہ! میری قبر کو وزن (بت، معبود) نہ بنانا، اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت

کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔“

۱ [صحیح سنن ابی داؤد (۱۴۷۹)]

۲ [صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: واذکرفی الکتاب

مریم (۳۴۴۵)]

۳ [حسن سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب زیارة القبور (۲۰۴۲)]

۴ [حسن مسند الحمیدی، ۱۰۳۱، بیہقی، مسند احمد ۲/۲۴۶]

پس آپ ﷺ نے شرک اور اس کے اسباب مثلاً اپنی قبر کی تعظیم وغیرہ سے منع فرمایا۔ علامہ الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص کسی درخت، پتھر، قبر، فرشتے، جن، زندہ یا مردہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ نفع یا نقصان دیتا ہے یا اللہ کے قریب لے جاتا ہے یا دنیا کی ضرورتوں میں اللہ کے ہاں سفارش کر سکتا ہے یا اللہ کے ہاں وسیلہ ہے۔ سوائے اس حدیث کے جس کی سند میں کلام ہے اور ہمارے نبی محمد ﷺ کے بارے میں وارد ہوئی ہے وغیرہ تو اس شخص نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک بنا لیا ہے اور ایسا عقیدہ رکھا ہے کہ جو حلال نہیں ہے جیسا کہ مشرکین بتوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ جو اپنا مال یا اولاد کسی میت یا زندہ کے لیے نذر کر دے یا اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں ان سے وہ مانگے جو صرف اللہ سے مانگا جاتا ہے، مثلاً مرض کی شفاء وغیرہ یا غائب کا آنا، کوئی مطلب طلب کرنا، یہ بعینہ وہی شرک ہے جو بتوں کی عبادت کرنے والے کرتے ہیں۔“ (نظہیر الاعتقاد: ص ۲۹)

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”میری قبر کو عید (میلہ) نہ بناؤ یعنی ایسا موسم جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں جیسا کہ بہت سے قبروں کی عبادت کرنے والے کرتے ہیں۔ جن مردوں کے بارے میں وہ عقیدت رکھتے ہیں ان کے بارے میں مخصوص اوقات مقرر کر کے ان کی قبروں پر جمع ہوتے ہیں، ان کے لیے قربانیاں کرتے اور ان کی قبروں پر اعتکاف کرتے ہیں، جیسا کہ ہر آدمی کو ان ذلیل لوگوں کے اعمال معلوم ہیں، جنہوں نے اپنے خالق (اللہ) کی عبادت کو ترک کر دیا ہے، جو رزق دیتا ہے پھر موت بھیجتا ہے پھر زندہ کرے گا۔ یہ لوگ اللہ کے بندوں میں سے ایسے بندے کی عبادت کر رہے ہیں جو مٹی کی تہوں میں جا (کر چھپ) چکا ہے، وہ بے چارہ نہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ اپنے آپ کو نقصان سے بچا سکتا ہے۔“ (شرح الصدور: ص ۱۵)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرک کرنے والوں کے شرک سے بے

نیاز ہوں۔ جس نے ایسا کام کیا میرے ساتھ کسی کو شریک بنا ڈالا تو میں اسے اور اس کے شریک (بشرطیکہ وہ اپنی عبادت پر راضی ہو) کو جہنم میں چھوڑ دوں گا۔^۱

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ

”ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصاریوں کے ایک باغ میں تشریف لے گئے دیکھا کہ اس میں دو اونٹ ہیں جو (زمین پر قدم) مار رہے ہیں اور (غصے سے) کانپ رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب ہوئے تو انہوں نے آپ کے سامنے زمین پر اپنی گردنیں رکھ دیں تو آپ کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ انہوں نے آپ کو سجدہ کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ وَلَوْ كَانَ أَحَدٌ يَنْبَغِي أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ لِمَرْأَةٍ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا لِمَا عَظَّمَ اللَّهُ عَلَيْهَا مِنْ حَقِّهِ))^۲

”کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے شخص کو سجدہ کرے اور اگر کسی دوسرے کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ اس پر اللہ نے اس کے خاوند کا بڑا حق لازم کیا ہے۔“

سجدے صرف خالق واحد اللہ سبحانہ کے لیے ہی ہیں، یہ الوہیت و عبادت کا اعلیٰ ترین اظہار ہیں۔ لہذا یہ صرف اللہ کے لیے ہی جائز ہیں۔ اس لیے اللہ نے سجدوں کو قبولیت دعا کے ساتھ مختص فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱ [صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب فضل الانفاق علی المساکین وابن السبیل (۱۴۹۸۵)]

۲ [حسن، جامع الترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی

المرأة (۱۱۵۹) صحیح ابن حبان (مواردالظمان: ۱۴۹۱) بولہ شواہد]

((أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ))^۱
 ”سجدے کی حالت میں آدمی اللہ کے نزدیک ترین ہوتا ہے لہذا سجدوں میں
 بہت زیادہ دعا کرو۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ((وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ فَقَمَنْ أُنِ يُسْتَجَابَ
 لَكُمْ))^۲

”سجدوں میں خوب محنت سے دعا کرو یہ اس کے مناسب اور مستحق ہیں کہ
 تمہاری دعا قبول کر لی جائے“

قہیلہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت (صحابیہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ
 ”ایک یہودی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا تم اللہ کے شریک بناتے ہو تم
 شرک کرتے ہو تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور تم (یعنی رسول اللہ) چاہو اور تم
 کعبہ کی قسم اٹھاتے ہو تو نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جب قسم
 اٹھائیں تو کعبہ کے رب کی قسم اٹھائیں اور کہیں جو اللہ چاہے پھر جو تم
 چاہو۔“^۳

دعا میں وسیلہ پکڑنا، اس کی بدعات اور سنتیں

دعا کی فصیح ترین بدعات میں سے دعا میں اللہ کے سامنے بعض مخلوق کا وسیلہ پکڑنا
 اگرچہ یہ پہلی قسم سے کچھ کم ہے، مثلاً کسی نبی نیک انسان یا فرشتہ وغیرہ کے ذریعے تو سل
 پکڑنا یہ بدعت لوگوں کے درمیان پھیل چکی ہے، بلکہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو آدمی اللہ
 کے دربار میں نبی ﷺ کا وسیلہ نہیں پکڑتا تو وہ ظالم حق کا منکر اور سنت کا مخالف ہے۔

۱ [صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقال فی الركوع والسجود (۳۸۲)]

۲ [صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب النهی عن قرآۃ القرآن فی الركوع والسجود
 (۳۷۹)]

۳ [صحیح سنن نسائی، کتاب الایمان، باب الحلف بالكعبۃ (۳۸۰۳)]

ایسے لوگوں سے ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اس طرح نہیں ہوتی اور نہ اس کا نام محبت ہے، اتباع تو آپ ﷺ کی سنت پر عمل اور آپ کے احکام کی اطاعت کا نام ہے، آپ ﷺ نے ہمیں اپنی تعظیم میں اس درجے کا مبالغہ کرنے سے منع کیا ہے جو کہ شرک اور نافرمانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

”جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا، اس طرح تم مجھے حد سے نہ بڑھانا، میں صرف اللہ کا بندہ ہوں، بس کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“

کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے کبھی اللہ کے دربار میں نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا ہو اور نہ کسی قابل عمل حدیث میں اس کا جواز مروی ہے۔

زیادہ سے زیادہ ایک اثر ہے جو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس کا (وسیلہ پرست) لوگوں نے محقق علماء کے سراسر خلاف دوسرا مفہوم گھڑ لیا ہے یا پھر اس کے جواز میں ایک ضعیف حدیث مروی ہے، اس پر کلام عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

اور وسیلہ عبادت ہے جو اللہ کا قرب تلاش کرنے کا نام ہے اور عبادت صرف وہی مقبول ہے جو خالص اللہ کے لیے ہو اور قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ تمام عبادات توفیقی ہیں اور ان کا دار و مدار کتاب و سنت پر ہی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

”ہر وہ عمل جس پر ہماری دلیل نہیں تو وہ مردود ہے۔“

یعنی باطل ہے۔ اس طرح توسل کی دو قسمیں بن جاتی ہیں، مسنون توسل اور ممنوع توسل۔

مسنون توسل وہی ہے جس کا جواز شریعت سے ثابت ہے اور اس کی تین قسمیں

ہیں:

پہلی قسم، نیک اعمال کے ذریعے تو سہل پکڑنا

اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”پہلے زمانے میں تین آدمی جا رہے تھے کہ بارش آگئی انہوں نے ایک غار میں پناہ لی غار کے دہانے پر ایک پتھر گرا اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے اللہ کی قسم! بے شک اے ساتھیو! تمہیں صرف سچ ہی بچا سکے گا ہر آدمی اپنے علم کے مطابق سچی بات کے ساتھ دعا مانگے۔ ایک نے کہا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا ایک مزدور تھا جس نے میرے پاس چاول کے ایک ٹوکڑے کے بدلے مزدوری کی پھر وہ کسی وجہ سے چلا گیا اور اپنی مزدوری چھوڑ گیا تو میں نے یہ ٹوکرا لیا اور اس سے زراعت کی (تو اتنی برکت ہوئی کہ) میں نے اس سے گائیں خرید لیں پھر یہ مزدور آیا اور اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا میں نے کہا یہ گائیں لے جاؤ وہ کہنے لگا کہ میرا تو صرف ایک ٹوکرا چاولوں کا آپ کے پاس ہے میں نے کہا یہ گائیں لے جاؤ یہ اسی ٹوکڑے میں سے ہیں پھر وہ ساری گائیں ہانک کر لے گیا اور بے شک تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تھا لہذا ہماری مصیبت دور کر دے۔ پس تھوڑا سا پتھر سرک گیا۔

دوسرے نے کہا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے میں ہر رات اپنی بکریوں کا دودھ لے کر ان کے پاس آتا تھا اور ایک رات میں کسی وجہ سے لیٹ ہو گیا جب میں آیا تو وہ دونوں سوچکے تھے اور وہاں سے کچھ دور میرے گھر والے بھوک سے بلک بلک کر رو رہے تھے میں اپنے گھر والوں کو اس وقت تک دودھ نہیں پلاتا تھا جب تک میرے ماں باپ پی نہ لیتے میں نے والدین کو جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا اور انہیں چھوڑ کر جانا بھی پسند نہیں تھا کہ کہیں دودھ نہ پینے کی وجہ سے کمزور نہ ہو جائیں اور میں اسی حالت میں تھا کہ صبح ہوگئی اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تھا لہذا ہماری مصیبت دور کر دے۔ پتھر تھوڑا سا اور کھسک گیا حتیٰ کہ (غار

کے دہانے سے) آسمان نظر آنے لگا۔

تیسرے نے کہا، اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ اپنے چچا کی لڑکی سے محبت تھی، میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا، بعد میں کسی شدید ضرورت کی وجہ سے اس نے ایک سو دینار کے بدلے میری خواہش پوری کرنے کی ہامی بھری، میں نے خوب کوشش کی، سو دینار جمع کر کے اس کے حوالے کیے تو اس نے اپنا آپ میرے حوالے کر دیا اور جب میں اس کی مانگوں کے قریب ہوا تو وہ کہنے لگی، اللہ سے ڈر، مہر کو اس کے حق (یعنی شادی) کے بغیر نہ توڑ، چنانچہ میں اٹھ کھڑا ہوا، اور سو دینار بھی اس کے پاس چھوڑ دیے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تھا، لہذا ہماری یہ مصیبت دور کر دے۔

اللہ نے ان کی مصیبت دور کر دی، پتھر ہٹ گیا اور وہ وہاں سے نکل کر چل دیے۔“

پس آپ کی حدیث ”ان میں سے بعض نے بعض (یعنی ایک دوسرے) سے کہا، بے شک اے ساتھیو! تمہیں (آج) سچ ہی بچا سکے گا، ہر آدمی اپنے علم کے مطابق سچی بات کے ساتھ دعا مانگے،“ میں اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا میں اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنایا تھا جو کہ شرعاً جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس ذریعے ان کی دعا قبول فرمائی اور نبی ﷺ نے پہلی امتوں کا یہ واقعہ بغیر کسی انکار کے بیان کیا ہے۔

دوسری قسم، زندہ نیک لوگوں کی دعا سے توسل پکڑنا

اس کی دلیل انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دن نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر کہا، اے اللہ کے

ل [صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار (۳۴۶۵) صحیح مسلم،

کتاب الذکر والدعاء، باب قصة أصحاب الغار الثلاثة (۲۷۴۳)]

رسول ﷺ! ہمارے مال مویشی تباہ ہو گئے، گھر والے بھوکے ہو گئے، آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کریں؟ تو آپ نے ہاتھ اٹھالیے۔ اور اس وقت تک آسمان میں بادل کی کوئی ٹکڑی تک نہ تھی، پس اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے، آپ نے اپنے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ پہاڑوں جیسے بڑے بڑے بادل آگئے، پھر آپ ابھی منبر سے اترے ہی نہیں تھے کہ میں نے دیکھا بارش کا پانی آپ ﷺ کی داڑھی مبارک سے ٹپک رہا تھا۔ اس دن اور اس دن سے لے کر آئندہ جمعہ تک لگاتار بارش ہوتی رہی۔ وہی اعرابی یا دوسرا شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا، اے اللہ کے رسول ﷺ! مکان گرنے لگے اور مال غرق ہونے لگا ہے، اللہ سے دعا کریں کہ یہ بارش ٹل جائے؟ تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

((اللَّهُمَّ حَوِّالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا))

”اے اللہ! ہمارے ارد گرد برسنا ہمارے اوپر نہ برسنا۔“

آپ ہاتھ کے ساتھ بادلوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے اور بادل پھٹ رہے (دور دور ہو رہے) تھے، مدینہ ایک جزیرے کی ٹکیہ کی طرح ہو گیا اور جبکہ وادی قنات ایک مہینہ تک بہتی رہی اور ارد گرد سے جو بھی آتا شدید بارشوں کی ہی خبر دیتا تھا۔^۱

صحابہ کے زمانے میں اس پر عمل جاری رہا۔ پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دعائے استسقاء مانگی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بے شک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب قحط ہوتا تو عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے ساتھ دعائے استسقاء مانگا کرتے تھے۔ فرماتے:

((اللَّهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَلِنَا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ

۱ [صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة (۹۳۳)]

صحیح مسلم، کتاب صلاة الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء (۸۹۷)]

بِعَمِّ نَبِينَا فَاسْقِنَا)۱

”اے اللہ! ہم اپنے نبی کی دعا کے وسیلے تجھ سے پانی مانگتے تھے تو تو ہمیں بارش برسا کر پانی پلا دیتا تھا اور آج ہم تیرے دربار میں اپنے نبی کے چچا کی دعا کے وسیلے سے حاضر ہیں، ہمیں پانی پلا“ تو اللہ انہیں بارش کے ذریعے پانی پلا دیتا تھا۔“

اس بات کو بدعتیوں کی ایک جماعت نے ذات کے ساتھ وسیلے کی دلیل بنا لیا اور یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ یہ بدعتی لوگ عربی زبان اور دلالت الفاظ سے سراسر جاہل ہیں۔ آپ اس اثر میں دیکھیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد اللہ سے آپ کی ذات کے وسیلے سے سوال نہیں کیا۔ اگر یہ صحابہ کے نزدیک جائز ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ اس سے کبھی بھی پیچھے نہ رہتے اور نبی ﷺ کی ذات پر آپ کے چچا کو کبھی بھی مقدم نہ کرتے۔ یہ اثر بذات خود سب سے بڑی دلیل ہے کہ ذات و شخصیت کا توسل جائز نہیں ہے۔ جب نبی ﷺ کے حق میں یہ جائز نہیں ہے تو دیگر انبیاء صالحین اور اولیاء کے حق میں بدرجہ اولیٰ باطل ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ اس اثر میں توسل کا مطلب دعا ہے نہ کہ ذات اور شخصیت کا واسطہ دینا اور اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جسے حافظ ابن حجر العسقلانی نے فتح الباری (۲/۵۷۷) میں ذکر کیا ہے:

”زبیر بن بکار نے ”الانساب“ میں اس واقعہ میں عباس رضی اللہ عنہ کی دعا اور وقت کا بیان لکھا ہے اس نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے دعائے استسقاء مانگی تو (عباس نے) فرمایا ”اے اللہ! مصیبتیں صرف گناہوں کی وجہ سے ہی نازل ہوتی ہیں اور صرف توبہ سے ہی دور ہوتی ہیں، یہ قوم نبی ﷺ کے ساتھ میرے مقام یعنی نزدیک ترین رشتے کی وجہ سے تیری طرف متوجہ ہے، ہمارے گناہ آلود ہاتھ تیرے دربار میں دعا کے لیے بلند اور پیشانیاں توبہ سے جھکی ہوئی ہیں۔ پس ہمارے لیے بارش

نازل فرما۔“ تو آسمان پر پہاڑوں جیسے بادل آکر خوب برسے حتیٰ کہ زمین سرسبز و شاداب ہوگئی اور لوگ عیش و عشرت کے مزے لوٹنے لگے۔“

اس روایت کی تائید عبدالرزاق (۹۲/۳) کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ ابن عباس نے کہا، عمر نے نماز استسقاء عید گاہ میں پڑھی تھی پھر عباس کو کہا تھا، اٹھو اور دعائے استسقاء مانگو تو عباس رضی اللہ عنہما اٹھے اور دعا فرمائی اور اس میں دوسری دعا مذکور ہے مگر اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے، اس کا راوی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ہے جو کہ سخت ضعیف ہے۔

اس باب میں بعض اہل بدعت بالکل ساقط اور مردود روایات نیک لوگوں کی ذات کے توسل کے جواز کے لیے پیش کرتے ہیں، ان میں سے وہ دعا بھی ہے جسے طبرانی نے کتاب الدعاء (۲۲/۱) میں زبیر بن بکار کی سند سے روایت کیا ہے کہ

”ہمیں ساعدہ بن عبداللہ نے حدیث سنائی داؤد بن عطاء سے، اس نے زید بن اسلم سے، اس نے ابن عمر سے، اس نے کہا: ”رمادہ“ والے سال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما عباس بن عبدالمطلب کو لے کر استسقاء کے لیے نکلے تو فرمایا، اے اللہ! یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے، ہم اس کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہیں، ہمیں پانی پلا اور زیادہ دیر نہیں گزری کہ اللہ تعالیٰ نے بارش برسادی تو عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا، اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباس رضی اللہ عنہما کا ایسا احترام کرتے تھے جیسا کہ ایک لڑکا اپنے باپ کا احترام کرتا ہے، بہت عزت و تعظیم سے پیش آتے تھے، لوگو! تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی عزت و تعظیم کرو اور اسے مصیبتوں میں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناؤ۔“

اس اثر کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے، اس کا دارودار ابن عطاء راوی پر ہے جو کہ مترہک تھا۔ احمد نے کہا کچھ چیز نہیں ہے۔ بخاری اور ابو زرعہ نے کہا، منکر احادیث

بیان کرتا تھا اور دارقطنی نے کہا 'متروک ہے۔'

البلاذری نے ہشام بن سعد عن زید بن اسلم کی سند سے یہ اثر بیان کیا ہے اس میں "عن ابن عمر" کے بدلے "عن ابیہ" کے الفاظ ہیں۔ (فتح الباری: ۲/ ۵۷۷)

یہ سند ہشام بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے، ہشام ضعیف تھا۔ ابن معین نے کہا کچھ چیز نہیں ہے اسے دوسرے علماء نے بھی ضعیف قرار دیا ہے (مگر جمہور نے ثقہ و صدوق کہا ہے) اور یہ اثر منکر اور مضطرب ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اور اگر یہ خبر صحیح ہوتی تو اسی پر محمول ہوتی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اس پر دلیل عمر رضی اللہ عنہ کا (بشرط صحت) یہ قول بھی ہے: "اور اسے مصیبتوں میں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناؤ۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بلند مقام کی وجہ سے زندگی میں دعا کا وسیلہ بناؤ، یہاں پر موت سے بعد والا وسیلہ مراد نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ جائز ہوتا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ بنانا بطریق اولیٰ جائز ہوتا۔ پس اگر یہ زندگی کے ساتھ مختص ہے تو پھر ذات و شخصیت کا وسیلہ بنانا صحیح نہیں۔ اور اگر ذات و شخصیت کا وسیلہ جائز ہے تو اس میں زندگی اور موت کا کوئی فرق نہیں۔ میت تو ایسی دوسری (برزخی) زندگی میں رہتی ہے جس میں ہم نہیں رہتے، اس کی فضیلت اور تقدم باقی رہتا ہے۔ لہذا بطریق الزام بہتر یہی تھا کہ آپ کی ذات کا وسیلہ بنایا جاتا لیکن جب یہ ثابت ہو گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی ذات کا وسیلہ نہیں پکڑا بلکہ حکم دیا تو وہ اپنی دعا سے اللہ کا وسیلہ پکڑا نہ کہ ذات و شخصیت سے۔

یہ بات اس اعرابی کی حدیث سے بھی ظاہر ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خشک سالی اور پانی کی قلت کی شکایت کی تھی تو صحابہ نے اللہ کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ پیش کیا تھا۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ والے اثر کا مطلب عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا تو سل ہوتا تو نماز استسقاء کے لیے عباس کو لانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس حالت میں ان کا حاضر یا غائب ہونا ایک برابر ہے تو لہذا ثابت ہوا کہ انہوں نے عباس کی دعا کا وسیلہ

بیان کرتا تھا اور دارقطنی نے کہا 'متروک ہے۔

البلاذری نے ہشام بن سعد عن زید بن اسلم کی سند سے یہ اثر بیان کیا ہے اس میں "عن ابن عمر" کے بدلے "عن ابیہ" کے الفاظ ہیں۔ (فتح الباری: ۲/ ۵۷۷)

یہ سند ہشام بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے، ہشام ضعیف تھا۔ ابن معین نے کہا کچھ چیز نہیں ہے اسے دوسرے علماء نے بھی ضعیف قرار دیا ہے (مگر جمہور نے ثقہ و صدوق کہا ہے) اور یہ اثر منکر اور مضطرب ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اور اگر یہ خبر صحیح ہوتی تو اسی پر محمول ہوتی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اس پر دلیل عمر بن الخطابؓ کا (بشرط صحت) یہ قول بھی ہے: "اور اسے مصیبتوں میں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناؤ۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نبی ﷺ کے نزدیک بلند مقام کی وجہ سے زندگی میں دعا کا وسیلہ بناؤ یہاں پر موت سے بعد والا وسیلہ مراد نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ جائز ہوتا تو پھر نبی ﷺ کی ذات کا وسیلہ بنانا بطریق اولیٰ جائز ہوتا۔ پس اگر یہ زندگی کے ساتھ مختص ہے تو پھر ذات و شخصیت کا وسیلہ بنانا صحیح نہیں۔ اور اگر ذات و شخصیت کا وسیلہ جائز ہے تو اس میں زندگی اور موت کا کوئی فرق نہیں۔ میت تو ایسی دوسری (برزخی) زندگی میں رہتی ہے جس میں ہم نہیں رہتے، اس کی فضیلت اور تقدم باقی رہتا ہے۔ لہذا بطریق الزام بہتر یہی تھا کہ آپ کی ذات کا وسیلہ بنایا جاتا لیکن جب یہ ثابت ہو گیا کہ عمر بن الخطابؓ نے آپ کی ذات کا وسیلہ نہیں پکڑا بلکہ حکم دیا تو وہ اپنی دعا سے اللہ کا وسیلہ پکڑا نہ کہ ذات و شخصیت سے۔

یہ بات اس اعرابی کی حدیث سے بھی ظاہر ہے جس نے نبی ﷺ سے خشک سالی اور پانی کی قلت کی شکایت کی تھی تو صحابہ نے اللہ کے سامنے آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ پیش کیا تھا۔ اگر عمر بن الخطابؓ والے اثر کا مطلب عباس بن عبدالمطلبؓ کی ذات کا تو سل ہوتا تو نماز استسقاء کے لیے عباس کو لانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس حالت میں ان کا حاضر یا غائب ہونا ایک برابر ہے تو لہذا ثابت ہوا کہ انہوں نے عباس کی دعا کا وسیلہ

کی تھی تو نبی ﷺ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور اسے حکم دیا کہ وضو کر اور مذکورہ دعا مانگ۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

((اِنِّی تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِی حَاجَتِیْ هٰذِهِ لِتَقْضِیَ لِیْ))

”میں اس ضرورت میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں تاکہ

میری یہ ضرورت پوری ہو جائے۔“

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے دعا مانگنے کی درخواست کی تھی اگرچہ یہ بات اس روایت میں صاف طور پر لکھی ہوئی نہیں ہے مگر سیاق حدیث سے صاف ظاہر ہوتی ہے پھر اس کا یہ قول کہ

((اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ))

”اے اللہ! میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سفارش قبول کر۔“

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے دعا کی درخواست کی تھی اور آپ ﷺ نے دعا مانگی تھی۔

ابن منظور النخوی نے کہا کہ

”مبرد اور ثعلب لغت کے دو ماہروں سے مروی ہے کہ آیت باری تعالیٰ:

((مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ))

”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے دربار میں شفاعت کرے

گا؟“

اس آیت میں شفاعت سے مراد دعا ہے اور شفاعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شفاعت یا سفارش کرنے والا بادشاہ کے سامنے کسی آدمی کی ضرورت کے لیے درخواست کرتا ہے یعنی مانگتا ہے۔“ (لسان العرب: ۳/۲۲۸۹)

اس کی تائید قیامت کے دن شفاعت والی حدیث سے بھی ہوتی ہے، تمام بنی آدم، آدم، آدم علیہ السلام کے پاس اللہ کے دربار میں شفاعت و سفارش کے لیے جائیں گے، حتیٰ کہ تمام بنی آدم، نبی ﷺ کے پاس جا کر شفاعت کا سوال کریں گے اور آپ ﷺ اللہ

کے دربار میں ان کی شفاعت کریں گے اور دعا مانگیں گے۔ پس دعا اور مطلوب کی درخواست کے بغیر شفاعت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور یہ چیز ان لوگوں پر رد ہے جو ذات کے وسیلے کے قائل ہیں۔

دوسری حدیث

جسے امام دارمی نے ”السنن“ (۹۲) میں ”حدثنا ابو النعمان حدثنا سعید بن زید حدثنا عمرو بن مالک النکری حدثنا ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ“ کی سند سے روایت کیا ہے کہ مدینے میں شدید قحط پڑا تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی انہوں نے فرمایا نبی ﷺ کی قبر دیکھو پھر اس پر (چھت میں سے) آسمان کی طرف ایک سوراخ کر دو تا کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی حتیٰ کہ بہت زیادہ گھاس پیدا ہوئی اور اونٹ موٹے تازے ہو گئے اور چربی اتنی عام ہوئی کہ اسے چربی کا سال کہا جاتا ہے۔ جو لوگ مردوں کے ساتھ اللہ کے سامنے توسل کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں حالانکہ ضعیف سند کی وجہ سے اس میں کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔

اس کا راوی عمرو بن مالک النکری صاحب غرائب و مناقیر تھا اسے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا ”اس کی روایت اُس وقت معتبر ہے جب کہ اس کا شاگرد اس کا بیٹا نہ ہو (کیونکہ) یہ غلطیاں بھی کرتا تھا اور غرائب بھی بیان کرتا تھا۔“ جس راوی کی یہ حالت ہو اس کا کسی روایت میں منفرد ہونا مقبول نہیں ہوتا (اس راوی کو جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے)

اس کا شاگرد سعید بن زید اسی جیسا یا اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ اسے یحییٰ بن سعید نے سخت ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم اور نسائی نے کہا قوی نہیں تھا۔ الجوزجانی نے کہا وہ اس کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور یہ حجت نہیں ہے۔ المزار نے کہا کمزور ہے۔ وہ اس روایت کے ساتھ منفرد ہے لہذا یہ روایت مردود و ناقابل حجت ہے۔

اسی طرح اس سے ابو النعمان محمد بن الفضل عارم کا تفرّد ہے جو کہ ثقہ حافظ تھا مگر آخری عمر میں سخت اختلاط کا شکار ہو گیا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ آیا یہ روایت اس نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہے یا بعد میں۔

اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط والے سال ہرگز نہ چھپاتیں اور نبی ﷺ پر عباس کی تقدیم پر کبھی سکوت نہ فرماتیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ روایت اس کی دلیل ہے کہ مفضول افضل کی موجودگی میں مقدم ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے عمر بن خطاب سے جو ضعیف و منکر روایت بطور حجت بیان کی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تھا کہ اسے اپنی زندگی میں اختیار کرو اور سنت بناؤ اور لوگوں سے کہا کہ ”اے اپنی مصیبتوں میں اللہ کے سامنے وسیلہ بناؤ“ تو اس سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔

تیسری قسم اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کے بہترین ناموں اور صفات عالیہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا۔ حقیقت میں اللہ کا ہی وسیلہ پکڑنا ہے۔ جس کے جواز کی دلیل کتاب و سنت میں موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ۸۰)

”اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ساتھ اسے پکارو۔“

بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو یہ

کہتے سنا کہ

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا
أَحَدٌ))

۱ [حق یہی ہے کہ اختلاط کے بعد عارم کی کوئی منکر حدیث بیان نہیں کی گئی جیسا کہ دارقطنی و ذہبی نے

کہا ہے لہذا اس پر اختلاط کی جرح مردود ہے۔]

”اے اللہ! میں تجھ سے سوالی ہوں بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے علاوہ دوسرا کوئی الہ نہیں تو ایک ہے بے نیاز ہے تو نہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ تجھ سے کوئی پیدا ہوا اور اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔“

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَقَدْ سَأَلَتِ اللّٰهَ بِالْاِسْمِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا ادْعِيَ

بِهٖ اَجَابَ))^۱

”تو نے اللہ سے ایسے نام کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اس سے اس کے ذریعے سوال کیا جائے وہ عطا کرتا ہے اور جب دعا مانگی جائے تو قبول کرتا ہے۔“

آپ ﷺ نے ایک دوسرے شخص کو یہ کہتے سنا کہ

((اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيعُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَىُّ يَا قَيُّوْمُ))

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تیرے لیے ہی ہر حمد ہے تیرے سوا کوئی الہ نہیں تو ہی احسان کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا تو ہی ہے بزرگی اور جلالت کا مالک تو ہی ہے اے زندہ و جاوید! اے قائم (اور قائم) رکھنے والے!“

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَقَدْ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا

سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى))^۲

”اس نے اللہ کے ایسے عظیم نام سے دعا کی ہے جس کے ذریعے اگر دعا کی

۱ [صحیح ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء (۱۳۹۳، ۱۳۹۴) الترمذی (۳۳۷۵) وغیرہما]

۲ [صحیح ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء (۱۳۹۵) اے ابن حبان حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا]

جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور اگر سوال کیا جائے تو عطا کرتا ہے۔“
صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت اور تکلیف میں فرمایا کرتے تھے:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ))^۱

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عظیم ہے، بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عظیم عرش کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور عزت والے عرش کا مالک ہے۔“

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تکلیف اور مصیبت میں یہ دعا پڑھنے کے لیے سکھائی:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ))^۲

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بردبار ہے، عزت والا ہے، پاک ہے اللہ اور برکتوں والا ہے، وہ عظیم عرش کا رب ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔“

رہا تو سب ممنوع تو وہ اُس وسیلے کو کہتے ہیں جس کے جواز پر شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو یا اس کی ممانعت پر کوئی دلیل موجود ہو۔

اسی میں سے صالحین، چاہے زندہ ہوں یا فوت شدہ، انبیاء آل بیت، فرشتوں، اولیاء یا اللہ کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ اس کی ذات کا وسیلہ پکڑنا ممنوع ہے، مثلاً یہ

۱ [صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الكرب (۶۳۴۵) صحیح مسلم

کتاب الذکر والدعاء، باب دعاء الكرب (۲۷۳۰)]

۲ [حسن، سند احمد (۱/ ۹۱، ۹۲) النسائی فی عمل اليوم والليلة (۲۲۹، ۲۳۱)]

کہے کہ

”اے اللہ! میں تیری طرف نبی کی ذات یا سیدہ زہب کی ذات کے وسیلے سے متوجہ ہوں یا مجھے مصطفیٰ کی ذات کے ذریعے رزق عطا فرما..... وغیرہ۔“

یہ تمام باتیں صالحین اور فوت شدگان کے بارے میں غلط عقائد پر دلالت کرتی ہیں یہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو اللہ زندوں کی دعا قبول نہ کرتا یا یہ کہ وسیلے کے بغیر دعا ناقص ہوتی ہے یہ تمام چیزیں بنی نوع انسان کو گمراہ کرنے کے لیے ابلیس کی چالیں ہیں وہ انہیں شرک اور رسوائی کی وادیوں میں پھینک دیتا ہے جیسا کہ اس نے قوم نوح کو پھینک دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کا واقعہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوا لَاتَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا﴾

(نوح: ۲۳، ۲۴)

”اور انہوں (مشرکوں) نے کہا اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور وُد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا (اور جبکہ حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اور تو (اللہ مہلت دے کر ان) ظالموں کو گمراہی میں ہی بڑھا رہا ہے۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

”یہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب یہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کو اشارہ کیا کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ پر خاص نشانیاں نصب کر دو اور ان (نشانوں) کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ لو تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان (نشانوں اور ناموں) کی عبادت ان لوگوں کی موت کے بعد ہی ہوئی۔ جب کہ علم ختم ہو چکا تھا۔“

ہیں۔ کہہ دو! کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں اور زمین میں جانتا نہیں (یعنی یہ تمہاری اپنی گھڑی ہوئی بات ہے) پاک ہے اللہ اور بلند ہے اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں۔“

اور فرمایا کہ

﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾ (سبا: ۲۲، ۲۳)

”کہہ دو پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا (معبود) بنا رکھا ہے آسمانوں اور زمین میں وہ ایک ذرے کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شراکت ہے اور ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار نہیں ہے۔ اس کے ہاں سفارش صرف انہی لوگوں کی نفع دے گی جن کے بارے میں وہ اجازت دے گا۔“

اور فرمایا کہ

﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝﴾ (الاسراء: ۵۶، ۵۷)

”کہہ دو پکارو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا سمجھتے ہو وہ تمہاری مصیبت ہٹانے یا دور کرنے کی طاقت ہرگز نہیں رکھتے۔ وہ جنہیں پکار رہے ہیں وہ اپنے رب کا تقرب تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہے وہ اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔“

اور ارشاد ہے کہ

ہیں۔ کہہ دو! کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں اور زمین میں جانتا نہیں (یعنی یہ تمہاری اپنی گھڑی ہوئی بات ہے) پاک ہے اللہ اور بلند ہے اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں۔“

اور فرمایا کہ

﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شَرْكٍ وَمَا لَكُمْ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾ (سبا: ۲۲، ۲۳)

”کہہ دو پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا (معبود) بنا رکھا ہے آسمانوں اور زمین میں وہ ایک ذرے کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شراکت ہے اور ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار نہیں ہے۔ اس کے ہاں سفارش صرف انہی لوگوں کی نفع دے گی جن کے بارے میں وہ اجازت دے گا۔“

اور فرمایا کہ

﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝﴾ (الاسراء: ۵۶، ۵۷)

”کہہ دو پکارو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا سمجھتے ہو وہ تمہاری مصیبت ہٹانے یا دور کرنے کی طاقت ہرگز نہیں رکھتے۔ وہ جنہیں پکار رہے ہیں وہ اپنے رب کا تقرب تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہے وہ اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔“

اور ارشاد ہے کہ

﴿إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ﴾ (النمل: ۸۰)

”بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں۔“

پس میت زندوں کا کلام بطور ادراک سنتی ہے لیکن اس کا جواب نہیں دے سکتی تو پھر اس کے وسیلے کا کس طرح عقیدہ رکھا جاسکتا ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

”میت مجموعی طور پر زندہ کا کلام سنتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت ہی سنے بلکہ کبھی سنتی ہے اور کبھی نہیں سنتی جیسا کہ زندہ آدمی بسا اوقات مخاطبین کا کلام سن لیتا ہے اور بسا اوقات کسی وجہ سے سن نہیں سکتا۔ اسے سمع ادراک کہتے ہیں اور اس پر جزاء و سزا مرتب نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ وہ سماع ہے جس کی نفی آیت کریمہ (بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا) سے ہوتی ہے یہاں نفی کا تعلق قبول اور امتثال سے ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے بے شک کافر کی مثال اس میت کی طرح دی ہے جو پکار کا جواب نہیں دے سکتا یا ایسے جانور کی جو پکار تو سن لیتے ہیں لیکن اس کا معنی و مفہوم نہیں سمجھتے، اگرچہ میت کلام سن اور سمجھ سکتی ہے مگر اس کا جواب نہیں دے سکتی۔“

(مجموع فتاویٰ: ۲۴ / ۳۶۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

لَا شَرِيكَ لَكَ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝﴾ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

”کہہ دو بے شک میری نماز، قربانی، زندگی اور موت صرف اللہ رب العالمین

۱ [مؤلف اور اس کے مددگارین کا یہ موقف سراسر غلط ہے، نصوص عامہ اور احادیث صحیحہ کی رو سے میت کچھ بھی نہیں سنتی۔ نفی کے اس عموم سے صرف دو مقامات مستثنیٰ ہیں، ایک قلیب بدر کا واقعہ اور دوسرا: دفن کے وقت صرف جوتوں کی آواز سننا۔ اس کے علاوہ میت کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنتی، وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ جنہیں پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والوں کی پکار سے (بالکل) غافل ہیں۔ عدم سماع موتی کا عقیدہ ہی صحیح ہے۔ زبیر علی زئی]

کے لیے ہی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سب سے آگے ہوں۔“

نماز دعا ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ خالص (صرف) ایک اور زبردست اللہ کے لیے ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور نہ کسی کا وسیلہ پکڑا جائے۔

دعا کے لیے اکٹھا ہونا

لوگوں کے درمیان مشہور بدعت دعا کے لیے اکٹھا ہونا ہے جسے بعض لوگ مستحب بھی سمجھتے ہیں لوگ پروگرام بنا کر ایک وقت مقرر کر کے اس میں جمع ہوتے ہیں ایک دعا کرتا ہے اور دوسرے لوگ اس پر آمین کہتے ہیں عام طور پر یہ بدعت فرض نمازوں کے بعد ہوتی ہے ہم نے اس کا بہت زیادہ مشاہدہ کیا ہے اور یہ بدعت خاص طور پر شامیوں، ہندوستانیوں اور پاکستانیوں میں بہت زیادہ مشہور و معروف ہے۔

نبی ﷺ سے اس بارے میں کوئی صحیح یا حسن حدیث مروی نہیں اور نہ کسی سلف صالحین سے یہ فعل ثابت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ نبی ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد مقتدیوں کے ساتھ مل کر اجتماعی دعا کرتے نہ فجر میں اور نہ عصر میں اور نہ کسی دوسری نماز میں یہ بات ثابت ہے بلکہ آپ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد اپنے صحابہ کی طرف اپنا رخ کرتے اور اللہ کا ذکر کرتے تھے اور وہ انہیں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اذکار سکھاتے تھے۔“ (مجموع فتاویٰ: ۲/۳۶۷)

شاطبی نے الاعتصام (۱/۲۱۹) میں لکھا ہے کہ

”ہمیشہ اجتماعی طور پر دعا کرنا، نبی ﷺ کے فعل سے ثابت نہیں ہے۔“

اس سلسلے میں نبی ﷺ سے ایک حدیث مروی ہے کہ

((لَا يَجْتَمِعُ مَلَأَةٌ فَيَدْعُو بَعْضُهُمْ وَيَوْمِنُ سَأْتِرُهُمْ إِلَّا آجَابَهُمُ

اللَّهُ))

”کوئی گروہ اگر اکٹھا ہو، بعض (یعنی ایک) دعا کریں اور باقی تمام لوگ اس پر آمین کہیں تو اللہ ضرور ان کی دعا قبول فرماتا ہے“ یہ حدیث ضعیف^۱ ہے اس سے دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔

تین آدمی جو غار میں پھنس گئے تھے ان کی حدیث اس کے مخالف ہے کیونکہ ان میں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ دعا کی تھی نہ کہ اجتماعی اور اس کے مخالف وہ روایت بھی ہے جو صحیح سند کے ساتھ ابو عثمان النہدی (ثقفہ تابعی کبیر) سے ثابت ہے کہ ایک عامل (گورنر) نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ یہاں کچھ لوگ مسلمانوں اور ان کے امیر کے لیے اجتماعی دعا کرتے ہیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب بھیجا: ”انہیں اپنے ساتھ لے آؤ“ وہ انہیں لے آیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دربان کو کہہ رکھا تھا کہ کوزے (درے) تیار رکھنا۔ چنانچہ جب وہ ان کے پاس آئے تو ان کے امیر کو عمر رضی اللہ عنہ نے کوزے لگائے۔^۲

اس اثر میں اس کی دلالت ہے کہ ایک خاص معین وقت پر اور اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے۔ عنقریب اجتماعی دعا عرفات کے دن موقف (عرفات) کے علاوہ دوسرے مقامات پر دعا کرنا جسے ”تعریف“ کہتے ہیں پر مزید کلام آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

دعا سے فراغت کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

مسلمانوں کے درمیان یہ مشہور ترین بدعت ہے حتیٰ کہ ایک جماعت اسے سنت اور مستحب سمجھتی ہے اور اس کے استحباب میں کئی احادیث مروی ہیں۔ مثلاً یزید بن سعید الکندی، عمر بن خطاب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور ولید بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے

۱ [ضعیف، الطبرانی فی الکبیر (۲/۲۲ ح ۳۵۳۶) والحاکم فی المستدرک (۳/۳۴۷) اس کا راوی ابن لبید یہاں حسن الحدیث ہے اور سماع کی تصریح کی ہے لیکن عبداللہ بن بمرہ کی حبیب بن مسلمہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے لہذا یہ سند منقطع ہے۔]

۲ [ضعیف، مصنف ابن ابی شیبہ (۵/۲۹۱، ۲۹۲ ح ۲۶۱۸۲) باب البدع والنہی عنہ (۳۹) اس کی سند سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

مروی روایات مگر ان میں اکثر روایات منکر اور موضوع ہیں، ابن عمر کی حدیث موضوع ہے۔

اس پر ہم نے تفصیلی کلام ”صون الشرع الحینف بیان الموضوع والضعیف (۲۲۱-۲۲۳)“ میں لکھا ہے۔ لیکن ابو نعیم وہب بن کیسان کی روایت میں آیا ہے کہ

”میں نے ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ دونوں دعا کر رہے تھے پھر اپنی دونوں ہتھیلیاں چہرے پر پھیر رہے تھے۔“ اسے امام بخاری نے ”الادب المفرد (۶۲۳)“ میں ”حدثنا ابراهیم بن المنذر قال حدثنا محمد بن فلیح قال اخبرنی ابن عن ابی نعیم وہب بن کیسان“ کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہ سند فلیح بن سلیمان (والد محمد بن فلیح) کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس حکم یعنی مسئلے میں علماء کی ایک جماعت نے کلام کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں:

”یہ بات کہ وتر میں دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرے جائیں، حسن بصری کے علاوہ کسی سے مروی نہیں ہے۔“

(مسائل عبد اللہ: ۳۲۲۔ العلل لابن الجوزی: ۸۴۱/۲)

امام احمد سے ہی اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو وتر کے بعد اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہے تو فرمایا کہ ”میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں سنا۔“ ابو داؤد صاحب سنن کہتے ہیں کہ ”میں نے دیکھا ہے کہ احمد رضی اللہ عنہ یہ کام (اپنے ہرے پر ہاتھ پھیرنا) نہیں کرتے تھے۔“ (الوتر لابن نصر: ص ۱۳۱)

امام مالک رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو دعا کے وقت چہرے

[صحیح یہ ہے کہ یہ روایت بلحاظ سند حسن لذاتہ ہے اور محمد بن فلیح اور ان کے والد دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق تھے۔ لہذا ان کی حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی اس لیے اس حدیث پر مصنف کی جرح صحیح نہیں ہے۔]

پر ہاتھ پھیرتا ہے تو انہوں نے انکار کیا اور فرمایا کہ

”اس کی دلیل مجھے معلوم نہیں ہے۔“ (الوتر لابن نصر: ص ۱۳۱)

تاہم ایک جماعت سے یہ فعل مروی ہے۔

امام محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب ”الوتر“ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ کو دیکھا ہے وہ ان احادیث کے ساتھ عمل کرنا (یعنی منہ پر ہاتھ پھیرنا) مستحسن

قرار دیتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی: ص ۳۰۳)

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی فرماتے ہیں کہ

”بسا اوقات میں نے معمر کو یہ فعل کرتے دیکھا اور میں بھی یہ فعل کرتا ہوں

یعنی منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوں۔“ (مصنف عبد الرزاق: ۲/ ۲۳۷، ۲۵۳)

میں کہتا ہوں کہ سنت کے مخالف کسی بات میں حجت نہیں ہے اور اس باب کی احادیث ضعیف ہیں اور دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا عبادت ہے اور عبادات میں اصل توقف ہے۔ اور جس کام کے استحباب کے بجائے جواز پر سنت میں کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس پر عمل کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اسی لیے العز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”دعا کے بعد منہ پر (بطور وجوب) ہاتھ وہی پھیرتا ہے جو کہ جاہل ہے۔“

(فتاویٰ ابن عبدالسلام: مسئلہ ۱۵، ص ۴۷)۔

دعا کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا اور اسے مردوں کو بخش دینا

اس بارے میں سرے سے کوئی دلیل نہیں ہے نہ صحیح نہ ضعیف یہ ایک بدعت ہے

جسے الشاف نامی بدعتی نے اپنی کتاب ”صحیح صفة صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص۔

۲۳) میں لکھ کر رواج دینے کی کوشش کی ہے وہ کہتا ہے: ”سنت یہ ہے کہ دعا کرنے والا

اپنی دعا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پر ختم کرے پھر سورہ فاتحہ پڑھے۔“

اور کہتا ہے کہ ”بعض لوگ دعا کے بعد فاتحہ کا ثواب مردوں کو یہ کہتے ہوئے بخش

دیتے ہیں کہ اس کا ثواب ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے اور تمہارے مردوں

کے لیے ہے۔ الفاتحہ کا ثواب یا اس جیسے کوئی الفاظ کہتے ہیں یہ اچھا کام ہے اس کے

بارے میں صحیح حدیث وارد ہے۔“

عبدالرحمن بن العلاء بن العجلان عن ابیہ کی سند سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ ”اے میرے بیٹے! جب میں مرجاؤں تو میرے لیے لحد تیار کرنا جب مجھے میری لحد میں رکھ دو تو کہنا کہ

((بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ))

پھر میرے اوپر مٹی پھینکنا پھر میری میت (قبر) کے سر کے پاس سورہ بقرہ کی پہلی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔“

(ایضاً ص ۲۲۳)

میرے علم کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے۔ میت تک قرآن کا ثواب کے پہنچنے کے سلسلے میں جو کچھ مروی ہے وہ بلحاظ سند ضعیف ہے جیسا کہ ابواب الجنائز میں گزر چکا ہے۔ یہ تو ایک رخ ہوا۔ اور دوسرا رخ یہ ہے کہ اس حدیث میں فاتحہ الكتاب کا ذکر تک نہیں ہے جس کا السقاف استدلال کر رہا ہے۔ اور تیسرا رخ یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو یہ دفن میت کے بعد کے ساتھ مخصوص ہے مطلق دعا کے بعد سے اس کا کوئی تعلق نہیں لہذا اس تفصیل سے آپ پر اس آدمی کی جہالت واضح ہوتی ہے۔ ہم نے بہت پہلے اس شخص پر اپنی کتاب ”لَا دِفَاعًا عَنِ الْاَلْبَانِي فَحَسْبُ بَلْ دِفَاعًا عَنِ السَّلَفِيَّةِ“ میں رد کیا ہے۔

آج ہم نے اس رد کی دوبار سے تنقیح کی ہے اور کتاب کے حجم کے برابر اس میں اضافہ کر دیا ہے۔ (والحمد للہ!)

اس آدمی کا مقصد صرف اہل سنت والجماعت اور ائمہ سلف پر طعن کرنا ہے بلکہ اس نے تجاوز کر کے صحابی جلیل، کاتب وحی، خال المؤمنین، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم پر طعن کر دیا ہے جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔

۱ [اس روایت کا راوی مجہول الحال ہے لہذا یہ روایت مردود ہے۔]

۲ [البانی کا دفاع نہیں بلکہ سلفیت اور عقیدہ صحیحہ کا دفاع ہے۔]

((اللَّهُمَّ اهْدِهِ وَاهْدِيهِ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا))^۱
 ”اے اللہ! اسے (معاویہ کو) ہدایت دے اس کے ساتھ (دوسروں کو)
 ہدایت دے اور اسے ہادی اور مہدی بنا دے“

صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت کا التزام

یہ بدعت بھی مشہور و معروف بدعات میں سے ہے خاص کر مصر میں۔ امام
 شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث:
 ((مَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْنُتُ فِي الْفَجْرِ حَتَّىٰ فَارَقَ الدُّنْيَا))
 ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت کرتے رہے حتیٰ کہ دنیا سے جدا
 ہو گئے (یعنی فوت ہو گئے)۔“

اس حدیث کی وجہ سے مستحب قرار دیا ہے اور اس استحباب میں انہوں نے اس
 حدیث کو صحیح کہنے والوں کی موافقت کی ہے۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت منکر ہے جیسا
 کہ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسنون عمل یہ ثابت ہے
 کہ آپ تمام مصیبتوں میں یا کسی پر بددعا کرنے میں تمام نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے
 تھے یہ بات ہم نے اپنی کتاب ”صفة قنوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ اور کتاب ”صفة دعاء
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں تفصیلاً بیان کی ہے۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مصیبتوں کے علاوہ صبح کی نماز میں قنوت کا ترک
 کرنا مروی ہے۔

اسود بن یزید اور عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ ”انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے
 نماز پڑھی، انہوں نے قنوت نہیں کیا۔“^۲

۱ [صحیح سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاویہ بن ابی سفیان
 (۳۸۴۲) وقال حسن غریب باختلاف يسير]

۲ [حسن ابن ابی شیبہ (۲/۱۰۲ ح ۶۹۶۱) اس کے راوی یحییٰ بن عسان المرادی کو صرف ابن حبان نے
 ہی ثقہ قرار دیا ہے جو کہ کافی نہیں لیکن روایت (۶۹۶۳) اس کی شاہد ہے لہذا یہ حسن لغیرہ ہے۔]

علقمہ بن قیس سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔^۱

سلیم بن ابی الشعثاء المحاربی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فجر کی نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: ”قنوت کیا ہوتا ہے؟“
میں نے کہا: ”آدمی قراءت کے بعد کچھ وقت کھڑا ہو جاتا ہے اور دعا کرتا ہے۔“
ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ”اس کی دلیل کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔“^۲
عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز پڑھائی تو قنوت نہیں کیا۔^۳

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر دونوں صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔^۴

ابو مالک الأشجعی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے کہا ابو جہلی! آپ نے قنوتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم اور یہاں کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے تقریباً پانچ سال نماز پڑھی ہے کیا وہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے؟
تو انہوں نے کہا اے بیٹا! یہ بدعت ہے۔^۵

اگر کہا جائے کہ امام شافعی کے مسلک میں یہ مستحب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

۱ [حسن، ایضاً (۶۹۶۶، ۶۹۶۵) یہ اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔]

۲ [ضعیف، ایضاً (۶۹۶۸) یہ روایت اس متن کے ساتھ ضعیف ہے، عمش اور اس کا استاد "عن" سے روایت کر رہے ہیں، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صبح میں قنوت نہ پڑھنا دوسری کئی روایات میں بھی مروی ہے، لہذا حسن ظنیر ہے۔]

۳ [صحیح، ایضاً (۶۹۷۰)]

۴ [حسن، ایضاً (۶۹۶۹) حاشیہ گزشتہ میں اس کے شواہد کی طرف اشارہ ہے]

۵ [صحیح، سنن الترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی ترک القنوت (۴۰۲)]

۶ [امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے۔ دیکھئے مختصر المزنی، ص ۱۱]

”ہر آدمی سے سنت رسول ﷺ کی کوئی نہ کوئی بات مخفی رہ سکتی ہے لہذا میرے جتنے اقوال یا اصول رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اصول کے خلاف ہیں تو بات رسول اللہ ﷺ کی ہی مانی جائے گی اور وہی میرا قول ہے۔“

(مناقب الشافعی للبيهقي ۱/ ۳۷۵)

امام شافعی نے اسے اس لیے مستحب کہا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں جسے دوسرے علماء ضعیف کہتے ہیں اور صحیح احادیث بھی ان کی تحقیق کے خلاف ہیں۔ اگرچہ امام شافعی اس کے استحباب کے قائل ہیں مگر امام احمد اور اسحاق بن راہویہ خاص مصیبتوں کے علاوہ اس کے منع کے قائل ہیں۔

امام عبداللہ بن المبارک بھی فجر میں قنوت کے قائل نہیں تھے اور اسے ہی سفیان الثوری اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ جمعین نے اختیار کیا ہے۔ (جامع ترمذی: ۲/ ۲۵۲)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب جس حدیث سے امام شافعی نے فجر میں قنوت کے استحباب پر استدلال کیا ہے اس کا دارودار ابو جعفر الرازی عیسیٰ بن ماہان پر ہے وہ ضعیف اور صاحب منا کیر راوی تھا اس کا وہ تفرّد جس میں وہ لوگوں کی روایات کے مخالف ہو قابل قبول نہیں ہے۔ اس روایت میں اس کی متابعت صرف اسی نے کی ہے جو اس سے زیادہ ضعیف تھا۔ ہم نے اس پر ”صون الشرع الحنیف (۲۲۵)“ میں تفصیلاً کلام کیا ہے اور اس کے مردود شواہد کا تذکرہ بھی کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان شواہد سے اس روایت کی تقویت صحیح نہیں ہے۔

دعائے قنوت میں سنت

قنوت میں سنت یہ ہے کہ امام مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبتوں میں اور ضرورت کے وقت قنوت کے جواز کا عقیدہ رکھے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عشاء میں ایک مہینہ دعائے قنوت پڑھی اور آپ قنوت میں بددعا فرماتے تھے کہ

”اے اللہ! ولید کو نجات دے اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے

اللہ! کمزور مومنوں کو نجات دے، اے اللہ! اپنا عذاب مصر (قبیلے) پر سخت کر،
اے اللہ! ان پر قحط کے ایسے سال بھیج جسے یوسف (علیہ السلام) کے دور میں (مصر
وغیرہ میں) بھیجے گئے تھے۔“^۱

اور جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ
”بے شک نبی ﷺ قنوت نہیں پڑھتے مگر صرف اس وقت جب کسی قوم کے
لیے دعایا کسی قوم پر بددعا کرتے تھے۔“^۲

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ
(يَدْعُو لَاحِدٍ أَوْ يَدْعُو عَلَى أَحَدٍ))^۳
”کسی کے لیے دعا کرتے یا کسی پر بددعا کرتے۔“

اس حالت میں تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا مسنون ہے۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

”رسول اللہ ﷺ نے لگاتار ایک مہینہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں
میں قنوت کیا“

جب مصیبت دور ہو جائے تو قنوت پڑھنے سے رک جانا لازم ہے۔
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے اور ایک دن نبی ﷺ نے صبح کی تو ان
(صحابہ) کے لیے دعائیں کی (یعنی قنوت نہیں پڑھا) میں نے جب پوچھا تو فرمایا:
(مَا تَرَاهُمْ قَدْ قَدَّمُوا))

”تجھے کیا پتہ ہے، ہو سکتا وہ آچکے ہوں۔“

۱ [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوٰۃ (۲۷۵)]
۲ [ضعیف، صحیح ابن خزیمہ (۱/ ۳۱۳ ح ۲۶۰) سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ دونوں مدلس ہیں
اور ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں۔]

۳ [ضعیف، صحیح ابن خزیمہ، ایضاً (۶۱۹) اس میں زہری مدلس ہے اور ”عن“ سے روایت کر رہا

قنوت کا طریقہ ہم نے اپنی کتاب ”صفۃ قنوت النبی ﷺ“ میں بیان کر دیا ہے لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض ایام کو قنوت وتر کے ساتھ خاص کرنا

مثلاً رمضان کے مہینے کو قنوت وتر کے ساتھ خاص کرنا اور باقی مہینوں میں قنوت نہ کرنا یا صرف رمضان کے آخری عشرے میں قنوت کرنا۔

شافعی کا یہی قول ہے جبکہ ابوحنیفہ اور احمد دونوں کہتے ہیں کہ قنوت وتر سارا سال سنت ہے۔ (الحوادث والبدع للطرطوشی: ص ۴۲) میری تحقیق میں یہی قول صحیح احادیث کے مطابق ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وتر کے درج ذیل کلمات سکھائے ہیں:

((اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ وَلَا يَعْزُزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، لَا مَنجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ))^۱

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھتے تھے اور آپ ﷺ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔^۲

یہ حدیث پورے سال کے بارے میں عام ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اسی کے قائل تھے۔

۱ [صحیح سنن ابی داؤد کتاب الوتر، باب القنوت فی الوتر (۱۴۲۵) الترمذی (۳۶۳) النسائی (۱۴۳۶)]

۲ [صحیح سنن النسائی کتاب قیام اللیل، باب اختلاف الناقلین لخیر ابی ابن کعب فی الوتر (۱۴۰۰)]

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ”اہل علم کا قنوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سارا سال قنوت وتر کے قائل ہیں انہوں نے رکوع سے پہلے قنوت کو اختیار کیا ہے اور بعض علماء کا یہی قول ہے۔

سفیان الثوری، ابن المبارک، اسحاق بن راہویہ اور اہل کوفہ اسی کے قائل ہیں۔ علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ صرف رمضان کے آخری آدھے حصے میں قنوت پڑھتے تھے اور رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔ بعض علماء اس کے قائل ہیں اور شافعی و احمد کا بھی یہی قول ہے۔“ (سنن ترمذی: ۲/۳۲۹)

امام احمد رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دو روایات ہیں: قاضی ابویعلیٰ نے کتاب ”الروایتین والوجہین“ (۱/۱۶۳) میں کہا ہے

کہ

”ابو طالب اور ابوالحارث نے احمد سے نقل کیا ہے کہ میں (رمضان کے آخری) آدھے حصے میں قنوت کا قائل ہوں، کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب ابی بن کعب کو رمضان میں لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کیا تھا تو وہ رمضان کے نصف اخیر میں ہی قنوت پڑھتے تھے۔

جبکہ خطاب بن بشر نے احمد سے نقل کیا ہے کہ میں رمضان کے نصف اخیر میں قنوت کا قائل تھا، پھر میں نے دیکھا کہ اس میں لوگوں کے لیے کوئی تنگی نہیں ہے۔ پس پورا سال قنوت پڑھے اور دعائے قنوت میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھائے اور رکوع کے بعد قنوت پڑھے کیونکہ یہ نماز میں مسنون ذکر ہے۔ پس لازم ہے کہ اسے کسی خاص زمانے یا رمضان کے نصف اخیر پر ہی مختص نہ کیا جائے، بلکہ تمام اذکار پر قیاس کر کے عام ہی رکھا جائے۔“

احمد رضی اللہ عنہ سے سارے سال میں قنوت کی اجازت والی روایت اور رمضان کے نصف اخیر میں قنوت صحیح ثابت ہے۔ مسائل عبد اللہ (۳۲۰) میں لکھا ہوا ہے کہ ”میں نے اپنے ابا سے پوچھا ”کیا قنوت وتر ہر رات افضل ہے سارا سال یا

صرف رمضان کے آخری آدھے حصے میں؟“
تو انہوں نے جواب دیا کہ ”اگر ہر سال اور سارا سال اور رمضان کے نصف اخیر
میں قنوت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔“
اصل میں ہر رات قنوت پڑھنا ہی صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ واللہ اعلم۔

وتر میں رکوع کے بعد قنوت کرنا

یہ قول علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام احمد رضی اللہ عنہ اسی طرف گئے ہیں
عبداللہ بن احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

”میں نے اپنے ابا سے قنوت وتر کے بارے میں پوچھا کہ رکوع سے پہلے

ہے یا بعد میں؟ تو انہوں نے کہا کہ رکوع کے بعد جب سر اٹھائے۔“

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے قنوت

پڑھتے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے پہلے

وتر میں پڑھنے کے کلمات سکھائے..... (الحدیث)

ابن ابی شیبہ نے ”مصنف (۲/۹۶)“ میں صحیح سند کے ساتھ اسود بن یزید سے

روایت کیا کہ ”بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہما رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔“

اور ابن شیبہ (۲/۹۶) نے الدستوائی عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ کی

سند سے روایت کیا کہ ابن مسعود اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت

کرنے تھے اس کی سند حسن ہے۔

حماد بن ابی سلیمان سچے تھے ان میں کمزوری ہے لیکن ہشام الدستوائی کی ان

سے روایت اچھی ہوتی ہے جیسا کہ امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

ل [ضعیف مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۹۶) ح ۲۸۹۹] اس میں ابراہیم النخعی مدلس ہے اور ”عن“ سے

روایت کر رہا ہے۔]

ح [حسن ایضا (۲۹۱۰) اس میں بھی ابراہیم النخعی ہے لیکن اس کے بہت سے شواہد ہیں۔]

قنوت کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھنا

نبی ﷺ پر درود پڑھنا مستحب اعمال میں سے ہے لیکن اپنے صحیح شرعی مقامات پر اور دعائے قنوت میں اپنی طرف سے اضافہ کر دینا واجب (بلکہ جائز) نہیں ہے اور قنوت کی روایات میں سے ایک روایت میں نبی ﷺ پر درود کا اضافہ بھی مروی ہے۔

نسائی نے کتاب السنن (۳/ ۲۳۸ ح ۱۷۴۷) میں ابن وہب عن یحییٰ بن عبداللہ بن سالم عن موسیٰ بن عقبہ عن عبداللہ بن علی عن الحسن بن علی کی سند سے قنوت والی حدیث روایت کی ہے اور آخر میں راوی سے سن کر یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں:

((وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدًا))

حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر (۱/ ۲۶۳) میں لکھتے ہیں کہ

”نووی نے شرح المہذب میں کہا ہے کہ یہ اضافہ صحیح یا حسن سند سے ہے۔“

ایسی بات نہیں ہے کیونکہ یہ سند منقطع ہے عبداللہ بن علی بن حسین بن علی نے حسن بن علی کو نہیں پایا۔

حقیقت میں اس سند میں صرف یہی ایک علت نہیں ہے بلکہ دوسری علت یعنی شذوذ (ثقة راویوں کی مخالفت) بھی ہے کیونکہ یہی حدیث حاکم نے (المستدرک ۳/ ۱۷۲) اور ابوبکر الاصبہانی نے (فوائد میں کما فی التلخیص الحبیر: ۱/ ۲۶۵) اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ عن عمہ موسیٰ بن عقبہ عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ عن الحسن بن علی“ کی سند سے روایت کی ہے اور اس میں نبی ﷺ پر درود کا اضافہ نہیں ہے۔

پس اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ اور یحییٰ بن عبداللہ بن سالم کے درمیان اختلاف ہے اسماعیل زیادہ ثقہ تھا اسے ابن معین اور نسائی نے ثقہ کہا ابو حاتم نے کہا کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے برخلاف یحییٰ بن عبداللہ کونسائی نے صحیح احادیث بیان کرنے والا کہا۔ اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کر کے لکھا ”ربما غرب“

یہ کبھی کبھار غریب روایات بیان کرتا ہے۔^۱

قنوت کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

اس مسئلے پر بلحاظ عموم کلام گزر چکا ہے۔ مروزی نے احمد سے نقل کیا ہے کہ ”منہ پر ہاتھ نہ پھیرے کیونکہ یہ عبث و فضول کام ہے اور نماز میں عبث کاموں سے منع کیا گیا ہے۔“ (الروایتین و ابو جہین: ۱ / ۱۶۳)



^۱ [نسائی والی روایت تو صرف انقطاع کی وجہ سے ہی ضعیف ہے لیکن ابن خزیمہ (۱۱۰۰) نے صحیح سند کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہما کے حکم سے قیام رمضان میں دعائے قنوت کرتے تھے پھر نبی ﷺ پر درود پڑھتے تھے لہذا قنوت کے آخر میں درود کا اضافہ بدعت نہیں بلکہ جائز

جمعہ کے دن دعا کی بدعتیں

منبر پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا

سنت صرف یہ ہے کہ جمعہ کے دن منبر پر شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا جائے۔
 عمارہ بن رویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر (دعا کے لیے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ
 ”اللہ ان دونوں ہاتھوں کو تباہ کرے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے
 آپ ﷺ شہادت کی انگلی کے اشارے کے علاوہ دعا میں کسی دوسرے
 طریقے کا اضافہ نہیں کرتے تھے۔“

نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ میں سنت یہ ہے کہ
 دعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔“ اکثر علماء کا یہی مذہب و مسلک ہے۔
 امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔“
 ایک دفعہ جمعہ کے دن امام نے منبر پر ہاتھ اٹھالیے لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھالیے تو
 مسروق (تابعی) نے فرمایا: ”اللہ ان لوگوں کے ہاتھوں کو کاٹ سکے۔“
 العز بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ نے جن مقامات پر ہاتھ اٹھا
 کر دعا مانگی ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مستحب و پسندیدہ
 نہیں ہے۔“ (فتاویٰ ابن عبدالسلام: ۱۵)

ابوشامہ المقدسی نے کہا: ”لوگوں کا (غیر مسنون مقام پر) ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

قدیم بدعت ہے۔“ (الباعث علی انکار البدع والحوادث: ص ۱۳۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

۱ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف اصوله والخطبة (۸۳)

۲ صحیح ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۵۵ ح ۱۵۳۹۱)

۳ اضعیف ایضاً (۱۵۳۹۳) اس میں غمّش جس ہے اور ”عن“ سے روایت کر رہا ہے۔

”امام اور اس کے سامعین کے لیے حالت خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مکروہ ہے، کیونکہ نبی ﷺ (خطبہ میں) دعا کے وقت صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔“ (الاختیارات العلمیة: ۱۳۸)

لیکن جمعہ کے دن دعائے استسقاء میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے صحیح ثابت ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ”نیک لوگوں کی دعا سے تو سہل پکڑنا“ کے باب میں گزر چکی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ عام دعاؤں کے بجائے صرف استسقاء سے ہی خاص ہے۔ واللہ اعلم

جمعہ کے دن منبر پر خطیب کی دعا پر آمین کہنا

سلف صالحین میں سے کسی سے یہ عمل ثابت نہیں ہے سوائے وہ جو جمعہ کے دن دعائے استسقاء میں گزرا ہے۔ ہم نے اس بدعت پر تفصیلی کلام اپنی کتاب ”صفحة خطبة النبي ﷺ (ص ۶۳)“ میں لکھا ہے۔ بعض طالب علم نما حاسدوں نے اس پر قناعت نہیں کی لہذا ہم یہاں اس کی مزید توضیح اور تشریح لکھتے ہیں:

مجھ سے پہلے ابن عابدینؒ نے اپنے حاشیہ (۱/۶۸) میں لکھا ہے کہ

”اگر لوگ یہ کام کریں گے تو صحیح قول یہ ہے کہ گناہ گار ہوں گے۔“

اسے شیخ البانیؒ نے اپنی کتاب ”الاجوبہ النافعة (ص ۱۲۹)“ میں جمعہ کی بدعات میں شمار کیا ہے: ”(۶۳) لوگوں کا امام کی دعا پر آمین کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانا۔“

(الباعث ۶۳ - ۶۵)

میں کہتا ہوں کہ ابو شامہ المقدسی کے سابق قول ”لوگوں کا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قدیم بدعت ہے“ کا عموم بھی اسی پر دلیل ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اصول فقہ میں یہ بات مقرر اور طے شدہ ہے کہ دلیل اثبات کرنے والے پر لازم ہوتی ہے نفی کرنے والے پر کوئی دلیل لازم نہیں ہے اس کے باوجود ہم نے اپنی کتاب میں نفی کی دلیلیں

۱۔ یہ شخص بدعت خود مشہور بدعتی تھا اور فروع میں حنفی مسلک کی طرف منسوب تھا اور اس کی بدعات معلوم

کرنے کے لیے فتاویٰ شامی کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ ا

ذکر کی ہیں جس کا اشارہ بھی گزر چکا ہے۔ اس ذریعہ سے سنت اور سلف صالحین کے مخالفین کی حجتیں اور شبہات ختم ہو جاتے ہیں۔

دو خطبوں کے دوران خطیب کے بیٹھنے کے بعد مؤذن کا دعا کرنا!

شیخ جمال الدین القاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

” (فقہ کی) فروع میں یہ مقرر اور طے شدہ ہے کہ خطیب جب منبر پر چڑھے تو نہ نماز پڑھے اور نہ جہری دعا مانگے، اس لیے کہ اب سماع خطبہ کی تیاری مقام خطیب کی جلالت اور اس ہفتہ وار عبادت کے لیے خشوع و خضوع ہے جو کہ فریضہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے لوگوں کے جمع ہونے سے معلوم و ظاہر ہے اور تمام فقہاء کا بغیر کسی اختلاف کے اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حالت میں ذکر بالجہر استغفار دعا یا پکار (یہ سب اعمال) ممنوع ہیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح و ثابت روایت سے استدلال کیا ہے کہ

((إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخُطُّ فَقَدْ لَعَنَتْ))

”اگر تو جمعہ کے دن اپنے ساتھ والے کو کے ”خاموش“ ہو جا اور امام خطبہ دے رہا ہو تو نے یہ لغو و فضول کام کیا۔“

اس کی اس بات کو لغو قرار دیا گیا باوجود اس کے کہ منکر سے منع کرنا ہے تو اس آدمی کا کیا مقام ہے کہ جو منکر سے بھی منع نہیں کر رہا اور ظاہر ہے کہ اس کی حرکت لغو ترین اور صریح گناہ ہے۔

جب اس کی تحقیق ہوگئی تو ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن خطیب کے سامنے جب وہ خطبہ اولیٰ سے بیٹھتا ہے بعض مؤذنین کا ”غفر الله لك ولو اللدیک ولنا ولو اللدینا والحاضریں.....“ (اللہ تیری اور تیرے والدین کی مغفرت کرے ہماری اور ہمارے والدین اور تمام حاضرین کی مغفرت کرے..... الخ) کا ذکر کرنا منکر ہے جس کا انکار لازم ہے کیونکہ یہ ذکر اپنے جائز وقت میں نہیں ہے۔ اور یہ وہ وقت

ہے جس میں خاموشی اور نصیحت کے لیے دلی نظر کیا جاتا ہے۔ آواز بلند کر کے لوگوں کے دلوں کو منتشر کر دینا اور ڈر کے اس مقام پر اونچی آواز کی جرات کے انکار کے بارے میں کسی فقیہ کو اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے خطیب اور صاحب استطاعت پر لازم ہے کہ اس منکر کام سے شدت کے ساتھ منع کرے اور اسے مٹا دے۔“

(اصلاح المساجد: ص ۷۰)

منبر پر چڑھنے کے بعد اور لوگوں کی طرف رخ کرنے اور سلام کہنے سے

پہلے خطیب کا دعا میں مشغول ہو جانا

ابوشامہ المقدسی نے ”الباعث (ص ۱۴۱)“ میں لکھا ہے کہ ”خطیب کا خطبہ شروع کرنے میں دیر کرنا اور لوگوں کی طرف رخ کرنے اور سلام کہنے سے پہلے دعا میں مشغول ہو جانا بدعت ہے۔“

ابن الحاج نے ”المدخل (۲/ ۲۶۷)“ میں لکھا ہے کہ ”اور بعض سلام دیتے وقت اس میں ایک بدعت کا اضافہ کر دیتے ہیں، وہ یہ کہ قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھ کے ساتھ لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور پھر ہاتھ پھیلا کر اس وقت دعا کرتے ہیں، بے شک ہمارے علماء رحمہم اللہ نے اسے بدعات میں شمار کیا ہے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ”منبر پر چڑھنے کے بعد امام کا دعا کرنا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“ (الاختیارات العلمیہ: ۴۸)

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے صحابہ کو سلام کہتے، جب منبر پر چڑھ

جاتے تو لوگوں کی طرف چہرہ کر کے سلام کہتے، قبلہ رخ ہو کر دعا نہ کرتے پھر

بیٹھ جاتے۔“ (زاد المعاد: ۱/ ۳۲۹)

ہم نے کتاب ”صفۃ خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ میں لوگوں کی طرف رخ کرنا اور سلام کہنا ذکر کیا ہے اور اس میں ایسی کوئی دلیل قطعاً نہیں ہے کہ آپ

منبر پر چڑھتے وقت دعا کرتے اور نہ یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اس طرح کی چند اور باتیں درج ذیل بھی ہے۔

امام کا تکبیر تحریمہ سے پہلے دعا میں مشغول ہو جانا

یہ مقام دعا کے مستحب مقامات میں سے نہیں ہے اور آپ ﷺ سے اس کا فعل صحیح سند سے ثابت بھی نہیں ہے کیونکہ دعا صرف اذان اور اقامت کے درمیان مستحب ہے نہ کہ اقامت کے بعد۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلدَّعْوَةُ لَا تُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ))^۱

”اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔“

امام کی قراءت سورہ فاتحہ کے وقت آئین سے پہلے مقتدیوں کی دعا:

بعض لوگوں کو ابن الجزری کے اوقات قبولیت کے بارے میں درج ذیل قول سے دھوکا لگا ہے:

”اور جمعہ کی (قبولیت دعا والی) گھڑی یہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز

سے فارغ ہونے تک ہے اور اقرب اور مناسب یہی ہے کہ یہ قراءت فاتحہ

کے وقت ہے آئین سے پہلے۔“ (عدة الحصن الحصين - ص ۳۹)

یہ قول صرف جمعہ کے ساتھ خاص ہے کسی دوسرے دن کے ساتھ نہیں اور دوسرا یہ

کہ یہ قول فی نفسہ ضعیف ہے۔

ابن الجزری نے اس مسئلے میں صحیح مسلم کے اندر ”مخرمه بن بکیر عن ابیہ

عن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری قال قال لی عبداللہ بن عمر“

کی سند سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں ہے رسول اللہ ﷺ نے

۱ صحیح احمد (۳/۲۲۵) ابن خزیمہ (۳۲۶-۳۲۷) وغیرہما ولہ طریق آخر عند ابی

فرمایا کہ

”یہ وقت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتام نماز تک ہے۔“
مجھے اس حدیث نے ایک وقت تک حیرت میں ڈالے رکھا کیونکہ یہ اس صحیح حدیث کے مخالف ہے جس میں جمعہ کے دن ساعت قبولیت کا وقت عصر کے بعد ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کی صحیح احادیث میں ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی ہیبت نے مجھے اس روایت پر جرح سے باز رکھا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ امام حافظ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”التتبع (ص ۲۳۳)“ میں اس روایت پر جرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

”اس حدیث کو صرف مخرمہ بن بکیر نے ہی اپنے باپ بکیر سے اس نے

ابو بردہ سے متصل بیان کیا ہے جبکہ ایک جماعت نے اسے صرف ابو بردہ کا

قول قرار دیا ہے اور بعض اسے ابو موسیٰ تک ہی پہنچاتے ہیں۔

اور جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابو بردہ کا منقطع قول ہے۔

اسی طرح یحییٰ بن سعید القطان نے سفیان ثوری عن ابی اسحاق عن ابی بردہ کی

سند سے روایت کیا ہے۔

واصل الاحدب نے اسے ابو بردہ سے اس کے قول کے طور پر بیان کیا ہے اسے

جریر نے عن مغیرہ عن واصل بیان کیا ہے۔

مجاہد بن سعید نے بھی ابو بردہ سے اسی طرح ہی بیان کیا ہے۔

نعمان بن عبد السلام نے اسے ”الثوری عن ابی اسحاق عن ابی بردہ عن ابیہ“ کی

سند سے موقوف بیان کیا ہے۔

اس میں ”عن ابیہ“ کا اضافہ صحیح نہیں اسے صرف مخرمہ نے ہی ”عن ابیہ“ اپنے

والد سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔

احمد ابن حنبل حماد بن خالد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے محرمہ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے والد سے سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں۔

راجح یہی ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔ انسانوں کی ہر کوشش میں خطا اور غلطی کا حصہ بھی شامل ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ ابن الجزری کے قول کی دلیل ضعیف ہے اور یہ قول جمعہ کے بارے میں خصوصاً اور دیگر نمازوں کے بارے میں عموماً ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بھی مخالف ہے جس میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

(الاعراف: ۳۰۴)

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش ہو جاؤ، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”جب قاری غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے ”آمین“ کہیں، جس کا قول آسمان والوں کے موافق ہو گیا تو اس کے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“

اس میں ہمارے ذکر کردہ مسئلے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں پر حجت ہے، کیونکہ لوگوں کو قراءت کے وقت انصات (خاموشی) اور امام کی آمین کے بعد آمین کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو جو اس کے علاوہ دوسری باتوں میں مشغول ہو گیا اور حدیث کا مطلب دوسری احادیث کے خلاف نکالا تو اس کا قول مردود ہے۔ حاصل یہ کہ عوام کی ایک جماعت مختلف مقامات میں ایسی دعائیں کرتی ہے جن پر فضیلت کے بجائے جواز کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۱ [محرمہ نے اپنے والد کی کتاب سے روایت کی ہے جو جرح ہی نہیں ہے لہذا قول راجح یہ ہی ہے کہ صحیح مسلم کی یہ روایت صحیح ہے اور امام دارقطنی وغیرہ کی جرح مرجوح ہے۔]

۲ [صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب التسمیع والتحمید والتأمین (۴۱۰)]

حی علی الفلاح کے بعد خصوصی دعا

اس بارے میں ایک سخت ضعیف اور ناقابل حجت حدیث مروی ہے۔
 ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب مؤذن اذان دیتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے اور جو شخص مصیبت یا سختی میں مبتلا ہو تو وہ اذان کے وقت کا خیال کرے اور جب وہ (مؤذن) اللہ اکبر کہے تو یہ بھی اللہ اکبر کہے جب وہ اشھدان لا الہ الا اللہ کہے تو یہ بھی اشھدان لا الہ الا اللہ کہے جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہے تو یہ بھی حی علی الصلوٰۃ کہے تو جب وہ حی علی الفلاح کہے یہ بھی حی علی الفلاح کہے پھر اس کے بعد کہے اے اللہ! یہ تجھی پکار ہے جو قبول کی جاتی ہے دعوت حق اور کلمہ تقویٰ ہے ہم اسی پر زندہ ہیں اور اسی پر مریں گے اے اللہ! ہمیں اسی پر دوبارہ زندہ کرنا اے اللہ! ہمیں زندگی اور موت میں بہترین اہل دعا (یعنی اچھے مسلمانوں) میں شمار کر پھر اللہ سے اپنی ضرورت مانگے۔“
 اس کی سند میں عفیر بن معدان ہے جو کہ سخت ضعیف اور منکر احادیث بیان کرنے والا تھا۔^۱

بارش کے نزول کی دعا

بعض لوگ درج ذیل حدیث سے حجت پکڑتے ہیں کہ ”دو چیزیں کبھی رد نہیں ہوں گی یا بہت کم رد ہوتی ہیں اذان کے وقت میدان جنگ میں جب لوگ خوب ستم گتھا ہوں اور بارش کے وقت کی دعا۔“

اس روایت میں اصل یہ ہے کہ یہ موقوف (یعنی صحابی کا قول) ہے ”سوائے بارش کے وقت“ کے اضافے کے یہ الفاظ سخت منکر اور ناقابل حجت ہیں۔ ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ”بدع الدعاء“ میں بیان کر دی ہے لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت

^۱ عفیر کی یہ روایت المستدرک للحاکم (۱/ ۵۴۶، ۵۴۷) میں موجود ہے شرح السنۃ للبخاری

(۴۲۸) وغیرہ میں اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں۔ ۲

نہیں۔

سفر کے وقت کی دعا

اس کے استحباب پر دو احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

ایک روایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ

((لَا تَنْسَانَا يَا أَحْيَىٰ مِنْ دُعَائِكَ))^۱

”اے میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھلانا۔“

آپ نے ایسی بات فرمائی جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

دوسری روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((ثَلَاثٌ دَعَوَاتٌ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ
وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَىٰ وَلَدِهِ))

”تین دعائیں قبول ہوتی ہیں ان میں کوئی شک نہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی

دعا اور والد کی اپنے بچے کے لیے دعا۔“

یہ دونوں احادیث ضعیف ہیں، اس لیے ان کے ساتھ حجت قائم نہیں ہو سکتی اور

ہم نے اس کی وجہ ضعف اپنی کتاب ”بدع الدعاء“ میں بیان کر دی ہے۔

فرض نمازوں کے بعد دعا کا التزام

فرض نمازوں کے بعد دعا کا التزام کرنا اور مطلقاً اس کے استحباب کا عقیدہ بھی

رکھنا، اسی طرح تو بدعات رواج پا جاتی ہیں۔ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

”نماز میں سلام کے بعد یا مقتدیوں کی امام کے ساتھ دعا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

۱۔ ”الانتسان“ والی حدیث میں مسلم بن عبید اللہ ضعیف ہے۔ دیکھئے سنن ابی داؤد (۱۳۹۸) الترمذی

(۳۵۶۲) ابن ماجہ (۲۸۹۳) اوکتب رجال |

۲۔ ”ثلاث دعوات مستجابات“ والی روایت حسن ہے دیکھئے سنن ابی داؤد (۱۵۳۶) بتحقیقی |

کوئی اصل نہیں، نہ صحیح سند سے اور نہ ضعیف سند سے۔“ (زاد المعاد ۱/ ۲۵۷)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے (یعنی قبول ہوتی ہے)؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
”رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے آخر میں۔“

اس روایت میں محل استدلال ”اور فرض نمازوں کے آخر میں“ شاذ ہے۔ ابن جریج ”عن عبد الرحمن بن سابط عن ابی امامہ“ کی سند کے ساتھ منفرد ہے کیونکہ ابن جریج مدلس ہے اور وہ ”عن“ سے روایت کر رہا ہے اور جبکہ عبد الرحمن بن سابط نے ابو امامہ سے کچھ نہیں سنا اور بلکہ یہ روایت ابو امامہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اس میں صحیح اور محفوظ روایت وہ ہے جو عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ سے ”اور فرض نمازوں کے آخر میں“ کے علاوہ مروی ہے۔ میں نے اپنی کتاب ”بدع الدعاء“ (۴۳-۵۴) میں اس کی تفصیل سے بیان کی ہے۔

العز بن عبد السلام سے سلام کے بعد دعا کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ دعا امام کے لیے تمام نمازوں میں مستحب ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ
”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد مسنون اذکار پڑھتے تھے تین دفعہ استغفار کہتے اور بعد میں اٹھ جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:
(رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ))
”اے اللہ! مجھے اس دن کے عذاب سے بچا جب تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔“

ساری خیر اور نیکی صرف اتباع رسول ہی میں ہے۔

امام شافعی نے امام کے لیے مستحب سمجھا ہے کہ وہ نماز کے بعد اٹھ کر چلا

جائے۔“ (فتاویٰ ابن عبدالسلام: ص ۴۷)

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سے منع کیا ہے اور ”دبر

النساء“ کی تشریح ”قبل التسلیم“ یعنی سلام سے پہلے سے کی ہے۔

(الفتاویٰ الکبریٰ: ۲/۳۶۶)

مریض سے دعا کروانا

اس بارے میں ایک شدید ضعیف حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا دَخَلْتَ عَلَى مَرِيضٍ فَمُرْهُ أَنْ يَدْعُوكَ فَإِنَّ دُعَاةُ كَدُّعَاءِ الْمَلَائِكَةِ))

”اگر تم مریض کے پاس جاؤ تو اسے کہو کہ تمہارے لیے دعا کرے کیونکہ اس کی دعا گویا فرشتوں کی دعا ہے۔“

یہ ضعیف حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت مریض والی سنت کے خلاف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی شفا کے لیے دعا کرتے اور اس پر مسنون دعائیں پڑھتے اور یہی بات اس مقام کے مناسب ہے۔ اگر مریض کی دعا شرف قبولیت کے زیادہ لائق ہوتی تو آپ ضرور اسے اپنے لیے دعا کا حکم دیتے حالانکہ اس بارے میں نہ کوئی صحیح حدیث مروی ہے اور نہ ہی کوئی ضعیف حدیث۔

بدھ کے دن زوال کے بعد کی دعا

اسے بیہقی نے شعب الایمان (۳/۳۲۹) میں ذکر کیا ہے۔

اس بارے میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں تین دن پیر، منگل اور بدھ کے دن دعا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بدھ کے دن دو نمازوں (ظہر اور عصر کے درمیان) قبول کی گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی اور بشارت کے اثرات نمایاں ہو گئے۔“

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میرے اوپر جب بھی کوئی شدید مصیبت آئی تو میں نے اسی (دن اور) وقت دعا کی تو قبول ہو گئی۔“

اس روایت کے ضعیف اور ساقط ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔

دعا صرف ان اوقات میں قبول ہوتی ہے جن کی فضیلت شرعی دلیل سے ثابت ہو۔ اور اس کے لیے اوقات درج ذیل ہیں:

- ۱۔ اذان اور اقامت کے درمیان۔
- ۲۔ رات کا آخری تہائی حصہ (۱/۳)۔
- ۳۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد کی آخری گھڑی۔
- ۴۔ مرغ کی آواز کے وقت۔
- ۵۔ اللہ کے راستے قتال میں صف باندھنے کے وقت۔
- ۶۔ لیلة القدر۔
- ۷۔ رمضان کا مہینہ۔
- ۸۔ دوران نماز سجدوں کی حالت میں۔
- ۹۔ حج اور عمرے میں صفا اور مروہ پر۔
- ۱۰۔ حج میں جمروں کو کنکریاں مارنے کے وقت۔
- ۱۱۔ حج میں عرفات میں ٹھہرنے کے وقت۔

ان اوقات میں دعا کے استحباب پر دلائل میں نے اپنی کتاب ”صفة دعاء النبی ﷺ“ (ص ۵۲-۵۷) میں لکھی ہیں۔

پہلی رات کا چاند دیکھنے کے وقت کی دعا

شام وغیرہ کے علاقہ میں عام لوگ چاند کا استقبال ”ہل ہلالک جل جلالک شہر مبارک“ دعا سے جو کرتے ہیں یہ عجیب دعا اور بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں۔

چاند دیکھنے کے وقت کی جتنی بھی دعائیں ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔

امام ابو داؤد السجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ”المسنن (۲/۷۳۶)“ میں لکھا ہے کہ

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی حدیث صحیح سند سے ثابت نہیں۔“

میں نے اس باب کی روایات جمع کر کے کتاب ”بدع الدعاء (ص ۳۷-۵۱)“

میں ان کا ضعف بیان کیا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم!

تعریف: یعنی عرفات کی ریس

”التعریف“ کی تعریف ابو شامہ المقدسی نے بیان کی ہے کہ

”عرفات کی شام عرفات کے علاوہ دوسرے مقامات پر لوگوں کے اجتماع کو

تعریف کہتے ہیں؛ یہ لوگ حاجیوں کی طرح (یعنی ریس کر کے) دعا و ثنا

کرتے ہیں۔“ (الباعث علی انکار البدع والحوادث: ص ۴۴)

یہ کام اس طریقے پر بدعت ہے، سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں؛ اس

دن صرف حاجی کے لیے ہی دعا کی فضیلت ہے، غیر حاجی کے لیے اس طریقے پر دعا کی

کوئی فضیلت نہیں۔ جس طرح کہ غیر حاجی کے لیے اس دن روزے کی فضیلت ہے مگر

حاجی کے لیے اس دن روزے کی کوئی فضیلت نہیں۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يُبَاهِي بِهِمُ

الْمَلَائِكَةَ، فَيَقُولُ أَنْظِرُوا إِلَيَّ عِبَادِي، أَتَوْنِي شَعْنًا غَيْرًا،

صَاحِبِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ، أَشْهَدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ،

فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: إِنَّ فِيهِمْ فُلَانًا مَرَاهِقًا، وَفُلَانًا... فَيَقُولُ

اللَّهُ: قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ))

”عرفات کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں (حاجیوں) کو

پیش فرما کر خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو میرے پاس ہر

گہری گھائی سے بال بکھرے گرد میں اٹے ہوئے آئے ہیں، میں تمہیں گواہ

بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں فلاں

شخص گنہگار ہے اور فلاں..... بھی ہے، تو اللہ کہتا ہے کہ میں نے انہیں بخش دیا

ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((فَمَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ عَتِيقًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ))^۱
 ”عرفات کے دن کے علاوہ دوسرے کسی دن جہنم کی آگ سے لوگ آزاد نہیں کیے جاتے۔“

تاہم دوسرے لوگوں کے لیے دعا و استغفار کے لیے اس دن جمع ہونا بڑی بدعت ہے بلکہ عرفات کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر اس طرح جمع ہونا بذات خود بدعت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

مسائل اسحاق بن ابراہیم بن ہانی میں لکھا ہوا ہے کہ امام احمد سے گاؤں میں ”التعریف“ کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ”ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں اور عمرو بن حریث نے کوفہ میں یہ کام کیا تھا۔“ ابو عبد اللہ احمد بن حنبل نے کہا: ”میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا، یہ دعا ہے، لوگوں کو کثرت سے دعا کرنے دو۔“ پوچھا گیا: ”کیا لوگوں کو منع کیا جائے گا؟“ کہا: ”نہیں انہیں چھوڑ دو، منع نہیں کیا جائے گا۔“

مبارک بن فضالہ نے کہا: ”میں نے حسن بصری اور محمد بن سیرین اور دیگر لوگوں کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔“

میں نے پوچھا: ”شہروں میں ”التعریف“ کرنا کیسا ہے؟“ کہا: ”کوئی حرج نہیں ہے۔“ (مسائل ابن ہانی: ۱/ ۹۳)

امام احمد نے ابن عباس کے جس اثر سے حجت پکڑی ہے اسے حسن بصری نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ [دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۸۷، ۴/ ۲۵۷)] امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حسن نے ابن عباس سے کچھ نہیں سنا، لہذا یہ اثر مرسل یعنی منقطع ہے اور مرسل روایت ناقابل حجت ہوتی ہے۔

عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی کی کتاب ”المراسیل (ص ۳۳)“ میں لکھا ہوا ہے کہ

”ہمیں حرب بن اسماعیل نے لکھ کر خبر دی کہ احمد نے کہا کہ حسن نے ابن عباس

۱۔ [ضعیف، صحیح ابن خزیمہ (۳/ ۲۶۳، ج ۲۸۴) یہ سند ابو الزبیر کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

سے نہیں سنا اور ابن عباس علی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بصرہ کے والی تھے۔“
یہی قول ابن المدینی کا بھی ہے کہ حسن نے ابن عباس سے کچھ نہیں سنا اور نہ
اسے کبھی دیکھا ہے اور جس زمانے میں ابن عباس بصرہ میں تھے تو اس وقت حسن بصری
مدینہ میں تھے۔ علی رضی اللہ عنہما نے ابن عباس کو بصرے کا عامل (گورنر) مقرر کیا تھا اور خود
صفین کی طرف تشریف لے گئے تھے۔“

عمرو بن حریث کا اثر ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۸۷) نے صحیح سند کے ساتھ موسیٰ بن
ابی صالحہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرفات والے دن عمرو بن حریث کو خطبہ دیتے
سنا ہے لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اس میں مروجہ ”التعریف“ کی دلیل نہیں
ہے۔

ابن سعد نے طبقات کبریٰ (۶/ ۱۳۱) میں صرف یہ ذکر کیا ہے کہ زیاد بن ابی
سفیان نے جب وہ بصرہ کی طرف نکلے عمر بن حریث کو کوفے پر والی مقرر کیا تھا۔
ہو سکتا ہے انہوں نے اس سال اپنا نائب بنایا ہو تو کوئی ایسی ضرورت پیش آئی ہو
جس کی وجہ سے انہیں خطبہ دینا پڑا ہو اور رہا دعا کرنا تو یہ حدیث میں وارد نہیں ہے۔
سلف صالحین کی ایک جماعت سے گاؤں اور شہروں میں ”التعریف“ کی کراہت ثابت
ہے۔ شعبہ نے حکم بن عتیہ اور حماد بن ابی سلیمان سے عرفات کی شام اجتماع کے بارے
میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”بدعت ہے۔“

ابراہیم الخجعی نے ”التعریف“ کے بارے میں کہا کہ یہ صرف مکہ (عرفات) میں
ہی ہوتی ہے۔

اعمش سے روایت ہے کہ میں نے ابووائل اور دیگر استادوں کو دیکھا ہے کہ وہ
دوسرے دنوں کی طرح عرفات کے دن بھی بیٹھ کر باتیں کرتے رہتے تھے۔

۱ صحیح مصنف ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۷۵ ح ۱۳۲۶۹)

۲ حسن ایضاً (۱۳۲۷۰) اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس کے متعدد شواہد ہیں دیکھئے (۱۳۲۷۱)

۳ ضعیف ایضاً (۱۳۲۶۵) اس کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔

عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے مروی ہے کہ شام کو جامع مسجد میں وہی شخص آتا جو اس سے پہلے آیا کرتا تھا۔^۱

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ہم زیاد کے زمانے میں عرفات کی شام اور دوسرے دنوں کی شاموں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔^۲

ابوحفص المدنی سے روایت ہے کہ عرفات کے دن لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو کر عصر کے بعد دعا کر رہے تھے کہ آل عمر کے گھر سے ابن عمر کے آزاد کردہ غلام نافع باہر آئے اور فرمایا کہ

”اے لوگو! تمہارا یہ کام بدعت ہے سنت نہیں ہے ہم نے لوگوں کو دیکھا ہے وہ یہ کام نہیں کرتے تھے۔“ پھر وہ واپس چلے گئے اور بیٹھے نہیں بلکہ دوبارہ واپس آ کر اسی طرح کہا پھر واپس چلے گئے۔^۳

میں کہتا ہوں کہ امام مالک ابوحنیفہ اور علماء کی بڑی جماعت نے اسے بدعت قرار دیا ہے ابو بکر الطرطوسی نے اپنی کتاب ”الحوادث والبدع (ص ۹۷)“ میں نقل کیا ہے کہ

”ابن وہب نے کہا میں نے امام مالک سے عرفات کے دن بیٹھنے کے بارے میں پوچھا کہ علاقے کے لوگ اپنی مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور امام ایسے لوگوں کو بلاتا ہے جو غروب آفتاب تک دعا کرتے رہتے ہیں تو اس نے کہا کہ ہم اسے نہیں جانتے لوگ آج کل ہمارے ہاں یہ کام کر رہے ہیں۔“

ابن وہب نے کہا میں نے سنا امام مالک سے عرفات کی شام عصر کے بعد مسجد میں لوگوں کے بیٹھنے اور دعا پر اجتماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ اہل علم

۱۔ [صحیح، ایضاً (۱۳۲۶۷)]

۲۔ [صحیح، ایضاً (۱۳۲۷۵)]

۳۔ [ضعیف، البدع والنہی عنہا لابن وضاح (۱۱۳) ابو حفص عمر بن عبداللہ، مولیٰ غمرہ

قول راجح میں ضعیف ہے۔ |

لوگوں کا طرز عمل نہیں ہے۔ ان چیزوں کی چابیاں (اور ابتداء) بدعات میں سے ہے۔“
 امام مالک نے ”العتبہ“ نامی (غیر معتبر) کتاب میں کہا ”میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ مکہ کے علاوہ دوسرے لوگ عرفات کے دن اپنی مسجدوں میں دعا کے لیے بیٹھیں۔ جس کے پاس لوگ دعا کے لیے جمع ہوں وہ اٹھ کر چلا جائے۔ اس کا اپنے گھر میں ٹھہرنا میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو وہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد آجائے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”آدمی کا اپنے علاقے کی مسجد میں عرفات کے دن دعا اور ذکر کے لیے جانا اسے ”التعریف“ کہتے ہیں جس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس پر ابن عباس اور عمرو بن حریث اور بصرہ اور اہل مدینہ کے ایک گروہ نے عمل کیا ہے۔ امام احمد نے مشہور روایت میں اس کی اجازت دی ہے اس کے باوجود وہ اسے مستحب نہیں سمجھتے۔ اہل کوفہ اور مدینہ کے ایک گروہ مثلاً ابراہیم الخنسی، امام ابو حنیفہ اور امام مالک وغیرہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ جو اسے مکروہ سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ بدعات میں سے ہے یہ بدعات کے عموم میں لفظاً اور معنا شامل ہے۔ اور جو اسے جائز سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ اسے ابن عباس نے بصرہ میں اس وقت کیا ہے جب کہ وہ وہاں علی بن ابی طالب کے نائب تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔ جو کام خلفائے راشدین کے دور میں بلا نکیر جاری رہا ہو اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن مساجد میں دعا کے وقت آواز بہت زیادہ بلند نہیں کی جائے گی اور اسی طرح تقریریں اور اشعار بھی اس دن اور دوسرے دنوں میں مکروہ ہیں۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم : ۲ / ۶۴۳)

یہ گزر چکا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب اثر بلحاظ سند ضعیف ہے اور عمرو بن حریث کے اثر میں اس کی دلیل ہی نہیں ہے اور جمہور نے اس کام سے منع کیا ہے جبکہ

امام احمد وغیرہ نے اسے جائز قرار دیا ہے مگر مستحب نہیں سمجھا لہذا اسے خوب سمجھ لیں۔
اللہ ہی توفیق دے۔

دعا میں آواز بلند کرنا

بعض لوگ دعا میں چیخ و پکار کے انداز سے آوازیں بلند کرتے ہیں یہ بھی بدعت ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ

﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝﴾

(الاسراء: ۱۱۰)

”نہ اپنی نماز (دعا) زیادہ بلند کر اور نہ بالکل خفیہ رکھ بلکہ درمیانی راہ اختیار کر۔“

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

المروزی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ (احمد ابن حنبل) کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”آیت: ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا﴾ کی وجہ سے دعا خفیہ آواز سے ہونی چاہیے (کیونکہ) یہ آیت دعا کے بارے میں ہے۔“ اور فرمایا: ”دعا میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔“ (افتضاء الصراط المستقیم: ۲/۶۳۵)

لیکن اسلاف سے اس کی دلیل اور تائید موجود ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”اے لوگو! تم نہ کسی بہرے کو سنا رہے ہو اور نہ غائب کو۔“ انہوں نے یہ بات دعا میں آواز بلند کرنے کے بارے میں فرمائی ہے۔^۱

سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”لوگوں نے دعا کے وقت اونچی آواز کی بدعت ایجاد کر لی ہے۔“^۲

۱ [صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب سورة بنی اسرائیل (۴۷۲۳)]

۲ [ضعیف، مصنف ابن ابی شیبہ (۸۳۵۹، ۲۹۲۵۸) ابو جبر کے معارج کی تفسیر میں ملی]

۳ [جامع المنذل و صححہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ]

مجاہد بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو بہت زیادہ اونچی آواز سے دعا کرتے ہوئے سنا تو ان کے پاس جا کر کہا: ”لوگو! اگر تمہیں پہلے لوگوں سے زیادہ فضیلت حاصل ہونے کا خیال ہے تو تم گمراہ ہو چکے ہو“ یہ سن کر لوگ آہستہ آہستہ کھسکتے رہے حتیٰ کہ کوئی بھی وہاں باقی نہ رہا۔

ابوالتیاح سے روایت ہے کہ میں نے حسن بصری سے کہا ہمارا امام تقریر کرتا ہے تو مرد عورتیں سب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اونچی آواز سے دعائیں کرتے ہیں تو حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

”اونچی آواز کے ساتھ دعا کرنا بدعت ہے ہاتھوں کو (غیر مسنون جگہ) پھیلانا بدعت ہے اور اس کے لیے مردوں عورتوں کا اکٹھا ہونا بھی بدعت ہے۔“

مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو اونچی آواز سے دعا کرتے سنا تو اسے کنکریوں سے مارا۔^۱

شاعروں کی طرح مقفی و مسجی دعائیں کرنا

یہ عمل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث کے خلاف ہے کہ انہوں نے فرمایا:
”مقفی و مسجی دعائیں کرنے سے بچو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابیوں کو دیکھا ہے کہ وہ یہ کام نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے کلی اجتناب کرتے تھے۔“^۲

مسجی و مقفی اس کلام کو کہتے ہیں کہ جو ایک نہج پر ایسا مسلسل کلام ہو جیسے کہ شاعروں کے اشعار ہوتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ ”یعنی نہ ان کا ارادہ کرو اور نہ تمہاری فکر کو یہ مشغول کر دیں کیونکہ ان میں ایسا تکلف ہے جو دعا کے اندر مطلوبہ خشوع کے منافی

۱ [جامع الخلال، وصححه ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ]

۲ [ضعیف ابن ابی شیبہ (۶/۸۶، ح ۲۹۶۶۰) سفیان ثوری "عن" سے روایت کر رہے ہیں۔]

۳ [صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب ما یکرہ من السجع فی الدعاء (۶۳۳۷)]

ہے۔“ (فتح الباری: ۱۱ / ۱۱۶)

مسجی کلام میں وہی مکروہ ہے جس میں تکلف کیا جائے جو فکر کو دوسری طرف مشغول کر دیتا ہے بذات خود دعا مکروہ نہیں۔ جو مسجی دعا بغیر کسی ارادے کے ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت بعض مسنون دعاؤں میں آیا ہے۔ اللہ ہوا الموفق!۔



ذکر

ذکر کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

ذکر پر اجتماع

ذکر پر اجتماع یا جمع ہونا ایسی منکر بدعات سے ہے کہ دین حنیف میں اس کی بنیاد کسی صحیح دلیل پر نہیں ہے۔

اس کے بدعت ہونے کی دلیل وہ روایت بھی ہے جو عبدہ بن ابی لبابہ سے مروی ہے کہ ”ایک آدمی لوگوں کو اکٹھا کر کے کہتا تھا اللہ اس پر رحم کرے جو اتنی اتنی دفعہ سبحان اللہ کہے تو لوگ اتنی دفعہ سبحان اللہ کہتے تھے۔ پھر وہ کہتا اللہ اس پر رحم کرے جو اتنی دفعہ الحمد للہ کہے تو اتنی ہی دفعہ الحمد للہ کہتے تھے“ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ان لوگوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا، تمہیں تو ایسی ”ہدایت“ مل گئی ہے جو تمہارے نبی کو نہیں ملی تھی؟ یا یہ کہ تم نے گمراہی کی دم کو پکڑ رکھا ہے۔“^۱

ابو الزعراء سے روایت ہے کہ مسیب بن نجہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس آئے تو کہا: ”میں نے مسجد میں ایسے لوگ دیکھے ہیں جو کہتے ہیں، تین سو ساٹھ دفعہ سبحان اللہ کہو۔“ تو انہوں نے فرمایا: ”اے علقمہ! اٹھو اور مجھے ان سے ملاؤ“ وہ آئے تو ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور دیکھا کہ وہی کام کر رہے تھے (عبد اللہ بن مسعود) کہنے لگے کہ ”تم نے گمراہی کی دم میں پکڑ رکھی ہیں یا اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے زیادہ ہدایت پر سمجھتے ٹھہرو۔ انہوں نے تقریباً ایسا ہی کلام فرمایا۔

۱ [صحیح البدع والنہی عنہا لابن وضاح (۲۳) اس کے متعدد شواہد ہیں۔]

۲ [صحیح البدع والنہی عنہا لابن وضاح (۲۴) اس کے متعدد شواہد ہیں۔]

بعض بدعتی حضرات اس کے جواز پر مسند احمد (۱۲۴/۴) کی وہ روایت بیان کرتے ہیں جسے اسماعیل بن عیاش نے ”عن راشد بن دائود عن یعلیٰ بن شداد قال حدثنی ابی شداد بن اوس“ کی سند سے بیان کیا ہے۔ شداد بن اوس نے فرمایا کہ عبادہ بن صامت حاضر تھے ان کی تصدیق کر رہے تھے:

”ہم نبی ﷺ کے پاس تھے کہ آپ ﷺ نے پوچھا: ”تم میں کیا کوئی اجنبی یعنی اہل کتاب سے موجود ہے؟“ ہم نے کہا: ”نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ ﷺ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ((ارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ وَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ))“ ہاتھ اٹھاؤ اور لا الہ الا اللہ کہو۔“

ہم نے ایک وقت تک ہاتھ اٹھائے پھر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ نیچے کیے اور فرمایا کہ

”الحمد للہ اے اللہ! تو نے مجھے اس کلمے کے ساتھ بھیجا اور اس کا حکم دیا ہے تو نے اس پر مجھ سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا“ پھر فرمایا: ”تمہیں خوش خبری ہو اللہ نے تمہیں بخش دیا ہے۔“

اس حدیث کا دارومدار راشد بن داؤد پر ہے۔ ابن معین نے کہا: ”اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں، یہ ثقہ ہے۔“ رحیم نے کہا: ”وہ میرے نزدیک ثقہ ہے۔“ ان کے برخلاف امام بخاری نے کہا: ”فیہ نظر (متروک ہے)۔“ یہ امام بخاری کی شدید جرح ہے یعنی یہ متہم یا غیر ثقہ ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے ”الموقظہ (ص ۸۳)“ میں اشارہ کیا ہے۔ دارقطنی نے کہا ضعیف ہے اس کی روایت سے شواہد میں بھی استدلال صحیح نہیں۔ انہوں نے اس راوی پر جرح میں بخاری کی موافقت کی ہے اور یہی بات راجح ہے کیونکہ جارج کے پاس تعدیل کی بہ نسبت زیادہ علم ہے۔ ایسی جرح اگر اسماء الرجال کے ماہر امام سے صادر ہو جو کہ مشدد نہ ہو تو بلا شک مقبول ہوتی ہے اس کے ضعف کی یہ بھی ایک وجہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اس میں اجتماعی ذکر کے جواز کی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی اور جبکہ اس میں کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر یہ اس بات پر صریح دلالت کرتی ہے کہ اس کا تعلق بیعت یا تجدید بیعت سے ہے نہ کہ مجرد ذکر سے۔ خاص طور پر یہ کہ نبی ﷺ نے ہاتھوں کے اٹھانے کا جو حکم دیا تھا تو یہ بیعت کے لیے تھا کیونکہ ذکر کے لیے ہاتھ اٹھانا نہ شرط ہے اور نہ ہی مستحب۔

بعض لوگ اس کے جواز پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِلَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَلَائِكَةً سَيَّارَةً فَضُلَايِبَتُنَّ مَجَالِسَ الذِّكْرِ، فَاذَا وَجَدُوا مَجْلِسًا فِيهِ ذِكْرٌ قَعَدُوا مَعَهُمْ))
 ”اللہ تعالیٰ کے کچھ افضل فرشتے سیر کرتے رہتے ہیں، مجالس ذکر تلاش کرتے رہتے ہیں، جب کوئی ایسی مجلس پاتے ہیں تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔“

لیکن یہاں مجالس ذکر سے مراد بدعتیوں کی اجتماعی ذکر والی صوفیانہ مجالس نہیں بلکہ تلاوت قرآن، تدریس قراءت اور علم و فقہ کے تذکرے کی مجلسیں وغیرہ ہیں۔

اس کی دلیل صحیح مسلم کی وہ حدیث بھی ہے جس میں آیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ، وَيَتَدَارَسُونَ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ))
 ”جو لوگ اللہ کے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت اور تدریس میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر سکینت و اطمینان نازل ہوتا ہے، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر فرشتے سایہ فلن ہوتے ہیں اور اللہ

تعالیٰ انہیں اپنے پاس فرشتوں میں یاد کرتا ہے۔“

عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

”مجالس ذکر مجالس حلال و حرام کو کہتے ہیں جن میں خرید و فروخت، نماز، روزہ،

نکاح اور طلاق وغیرہ کے طریقے اور مسائل سمجھائے جاتے ہیں۔“

خلاصہ یہ کہ درج بالا تفصیل کے علاوہ بے شک ذکر کا شرعی مناسبات کے ساتھ اور بغیر کسی تخصیص کے حمد لا الہ الا اللہ، تسبیح اور تکبیر پر اطلاق ہوتا ہے یہ تمام اوقات میں مستحب ہے لیکن اس کی طرف دعوت اور اجتماع یا غیر شرعی اور بدعتی طریقہ نہ ہو۔

علامہ مبارکپوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

”ذکر سے یہاں مراد وہ الفاظ ادا کرنا ہے جن کی ترغیب یا کثرت کے بارے

میں دلائل موجود ہیں، مثلاً الباقیات الصالحات، یہ ”سبحان اللہ“

الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر ہیں۔ اسی طرح ان کے موافق بسم

اللہ، حسبی اللہ اور استغفار وغیرہ کا حکم ہے اور دنیا اور آخرت کی خیر مانگنا

بھی اس میں شامل ہے۔ اور واجب یا مستحب عمل پر ہمیشگی کرنا بھی اللہ کا ذکر

ہے، مثلاً تلاوت قرآن، قراءت حدیث، تدریس علم اور نفل نمازیں۔“

(تحفة الاحوذی: ۹/۳۱۲)

یاد رہے ذکر کے مختلف الفاظ جمع کرنا منکر بدعت ہے۔

شاطبی نے اضافی بدعتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ”آج کل کے صوفیاء کے

درمیان ذکر پر اجتماع اور جہری ذکر اور شرعی ذکر کے درمیان بہت بڑا فرق ہے کیونکہ یہ

ایک دوسرے کے سراسر مخالف اور متضاد ہیں۔“ (الاعتصام: ۲/۲۸)

ذکر بالجہر اور آوازیں بلند کرنا

صوفیاء اور اہل طریقت کے بہت سے حلقوں کا آج کل یہی حال ہے۔ اس کے

مخالف ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے

تھے کہ لوگوں نے تکبیر بالجہر (بلند آواز سے اللہ اکبر) کہنا شروع کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ، إِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُونَ أَصَمًّا وَلَا غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ))
 ”لوگو! آوازیں آہستہ کرو، تم بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے، تم اسے پکار رہے ہو جو سننے والا اور (علم و قدرت کے لحاظ سے) قریب ہے اور تمہارے ساتھ ہے۔“^۱

ان میں سے بعض وجد میں آکر ہسٹیریا کی جنونی حالت میں چیخ و پکار شروع کر دیتے ہیں، بعد میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بڑائیگی کا کام کیا ہے حالانکہ یہ بدعتی گناہگار اور فاجر بدکار لوگ ہیں جو اللہ کی ایسی عبادت کا دعویٰ رکھتے ہیں جس کی اس نے اجازت نہیں دی اور نہ ہی نبی ﷺ کی سنت اور سیرت میں اس کا کوئی ذکر موجود ہے۔

تالیاں بجانا اور ناچنا

اجتماعی ذکر کے حلقوں میں ناچنا اور تالیاں بجانا بھی پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی مذمت کی ہے جو تالیاں بجا کر عبادت کرتے تھے، ان کی یہی نماز تھی۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءٌ وَتَصْدِيَةٌ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝﴾ (الانفال: ۳۵)

”بیت اللہ کے قریب ان کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں ہیں پس چکھو عذاب کا مزہ، اس وجہ سے جو تم کفر کرتے تھے۔“

”المکاء“ سیٹیوں کو اور ”التصدیہ“ تالیاں بجانے کو کہتے ہیں جیسا کہ سلف صالحین

کی ایک جماعت سے ثابت ہے۔

۱ [صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسير، باب ما یکرہ من رفع الصوت فی التکبیر

(۲۹۹۲) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت

بالذکر (۲۷۰۳)

اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ عبادت پر ان کی مذمت فرمائی ہے۔ آج ہمارے زمانے کے یہ بدعتی، مشرکین اور رسوا لوگوں کے طریقہ نماز میں موافق ہیں اور جو شخص جس کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کا دل اس سے مل جائے گا اور جو شخص جس قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ انہی میں سے ہے۔ تالی بجانا صرف امام کو تنبیہ کے لیے جائز ہے یہ مباح کام بھی صرف عورتوں کے لیے ہے مردوں کے لیے نہیں۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ))

”(اگر امام نماز میں بھول جائے تو) مرد ”سبحان اللہ“ کہیں اور عورتیں تالی بجا لیں۔“

حدیث میں تالی بجانے کا طریقہ بھی بیان کر دیا گیا ہے جو ان ذاکرین کی تالیوں کے سراسر مخالف ہے۔ عورتوں کا تالی بجانا یہ ہے کہ دائیں ہتھیلی کا نچلا حصہ بائیں ہتھیلی کی پشت پر مارا جائے اور جبکہ اس کے برخلاف یہ بدعتی لوگ ہتھیلیوں کے نچلے حصے باہم مار کر لہو و لعب اور عبث کام کرتے ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ

”اس میں سنت یہ ہے کہ جس شخص کو نماز میں کوئی ضرورت پیش آئے مثلاً امام کو تنبیہ کرنا وغیرہ تو مرد ”سبحان اللہ“ کہیں گے اور عورتیں تالی بجا لیں گی۔ دائیں ہتھیلی کا اندر والا حصہ (باطن) بائیں ہتھیلی کی پشت پر ماریں گی، لہو و لعب کی طرح نہیں یعنی ہتھیلی کے باطن کو دوسری ہتھیلی کے باطن پر نہیں ماریں گی اور اگر کوئی عورت جان بوجھ کر ایسا کام کرے گی تو نماز کے منافی عمل کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔“

(شرح صحیح مسلم: ۳/۳۶۶)

رقص، ناچ اور لڈی وغیرہ تو عورتوں کے لہو و لعب اور عبث کاموں میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت بھیجی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٹ مردوں اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔

یہ تو بعض ظاہری امور میں موافقت کے بارے میں ہے، تو اس آدمی کا کیا حکم ہے جو عورتوں کی لہو و لعب کے کاموں میں موافقت کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تقرب قرار دیتا ہے۔

شیخ العز بن عبدالسلام سے پوچھا گیا کہ نیک اور صالح لوگوں کی ایک جماعت ایک خاص وقت میں جمع ہوتی ہے، ایک اشعار پڑھنے والا محبت کے اشعار پڑھتا ہے، بعض وجد میں آجاتے ہیں اور بعض رقص و ناچ شروع کر دیتے ہیں، بعض چیختے اور روتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ

”رقص (ناچ گانا) بدعت ہے، یہ وہی کرتا ہے جو ناقص العقل یعنی پاگل ہے

اور یہ صرف عورتوں کا ہی کام ہے۔“ (فتاویٰ العز بن عبدالسلام: ۱۱۳)

قرطبی نے امام طرطوسی سے نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ ایک مکان میں قرآن پڑھتے ہیں پھر ایک شاعر کچھ اشعار پڑھتا ہے تو وہ رقص کرنے لگتے ہیں، ناچتے گاتے اور دف مارتے ہیں، کیا اس مجلس میں حاضر ہونا جائز ہے یا ناجائز؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ

”صوفیاء کے (تسلیم شدہ) سرداروں کا مسلک یہ ہے کہ یہ باطل اور گمراہی

ہے، اسلام تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول کا ہی نام ہے۔ رقص اور وجد کو

سب سے پہلے سامری کے پیروکاروں نے ایجاد کیا تھا، جب اس نے ان

کے کہنے پر ایک نچھڑا بنایا جو بولتا تھا، انہوں نے اس کے ارد گرد رقص شروع

کر دیا تھا اور وجد میں آجاتے تھے، تو رقص کرنا کافروں اور نچھڑے کی پوجا

کرنے والوں کا دین ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے ساتھ مجلس اس طرح

پروقار ہوتی تھی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوتے ہوں اور یہ انہیں

اڑانا نہ چاہتے ہوں۔ حکمران اور اس کے ماتحتوں کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو مساجد وغیرہ میں ایسے کاموں کے لیے حاضر ہونے سے منع کریں۔ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والوں کے لیے ایسے لوگوں کے پاس جانا اور ان سے تعاون کرنا حلال نہیں ہے۔ یہی مسلک مالک، شافعی، احمد، ابوحنیفہ، رحمہم اللہ اور دوسرے اماموں کا ہے۔“

امام ابن قدامہ رحمہم اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ”ایسا کرنے والا خطا کار اور بد اخلاق ہے اور مسلسل ایسا کام کرنے والے کی گواہی شریعت میں مردود ہے اس کی بات نہیں مانی جائے گی یہ گناہ اور کھیل کود ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول نے مذمت کی ہے۔ اور علماء نے اس کام کو مکروہ کہا ہے اور اس سے منع کیا ہے۔ اللہ کا تقرب گناہوں اور ممنوع کاموں پر عمل سے نہیں ہو سکتا اور جو اللہ سے تقرب کا دعویدار ہے تو اسے یہ کام کلیتاً چھوڑ دینا چاہیے اور جو شخص لہو و لعب کو ہی دین سمجھتا ہے تو ایسا شخص زمین میں فساد کا مرتکب اور داعی ہے۔ اور جو شخص سنت رسول کے بغیر اللہ تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔“

(الابداع فی مضار الابتداع: ص ۳۲۲)

دینی نظمیں

علماء اسے ”تغییر“ کہتے ہیں۔

ذکر کے حلقوں میں خوش الحانی اور آلات موسیقی وغیرہ سے اشعار پڑھنے کو ”تغییر“ کہا جاتا ہے۔ احمد ابن حنبل رحمہم اللہ سے تغیر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔“ (مسائل ابی القاسم البغوی عن الامام احمد: ۴۴)

امام شافعی رحمہم اللہ نے فرمایا کہ ”میں نے عراق میں اپنے پیچھے ایسی چیز چھوڑی ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے وہ اس کے ذریعے لوگوں کو قرآن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔“

(مناقب الشافعی لابن ابی حاتم: ص ۳۰۹-۳۱۰۔ و سندہ صحیح)

اسم مفرد (یعنی صرف اللہ اللہ) یا سریانی الفاظ ”ہوہو“ کے ساتھ ذکر

یہ گمراہ کن بدعات اور شریعت کے مخالف کاموں میں سے ہے جو طریقت پرستوں، غالی صوفیوں اور میلاد پرستوں وغیرہم کے درمیان مشہور ہے۔ عام طور پر وہ ایسے وظائف پڑھتے ہیں جو شرعی دلائل کے سراسر مخالف ہوتے ہیں۔ مثلاً شیخ زروق کا وظیفہ شاذلی کی ”حزب البحر“ اور دیگر اذکار و اوراد جو شریعت کے عموم اور مسنون و مستحب اذکار کے مخالف ہیں۔

بعض لوگ کثرت سے ”ہوہو“ اور ”حم حم حم“ وغیرہ کہتے ہیں شریعت میں ان الفاظ کے ذکر یا استجاب پر کوئی دلیل نہیں بلکہ جواز پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

شیخ العلامة عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

”اوپنی آواز کے ساتھ اجتماعی ذکر کے لیے اکٹھا ہونے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔“

اور اسی طرح ”اللہ اللہ“ یا ”ہوہو“ کے لیے اکٹھا ہونا صحیح نہیں ہے شرعی ذکر صرف ”لا الہ الا اللہ“ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا حول ولا قوۃ الا باللہ، استغفر اللہ اور اللھم اغفر لی (وغیرہ) کہنا ذکر ہے۔

ایک آواز کے ساتھ ”لا الہ الا اللہ“ یا ”اللہ اللہ“ یا ”ہوہو“ کہنے کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ بدعات میں سے ہے۔ (البدع والمحدثات ومالا اصل له: ۳۲۵) بات یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ والحمد للہ رب العالمین۔



حرف آخر

اس ترجمہ کے بعد جناب علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”بدعات اور ان کا تعارف“ پڑھنے کا موقع ملا۔ علامہ موصوف کو کراچی میں نامعلوم حملہ آوروں نے شہید کر دیا تھا۔

اس کتاب کو مد نظر رکھتے ہوئے چند بدعات کا تذکرہ درج ذیل ہے:

- ۱ کوٹھڑوں کی رسم جو رجب کی ۲۲ تاریخ کو میٹھی پوریاں پکا کر ادا کی جاتی ہے۔
- ۲ بدعات محرم مثلاً کالا لباس پہننا، سیاہ جھنڈے بلند کرنا، مجالس شہادت منعقد کرنا، ماتمی جلوس نکالنا، نوحہ اور مرثیے پڑھنا، تعزیے اور تابوت بنانا، شربت اور پانی وغیرہ کی سبلیس لگانا، زنجیروں اور چھریوں سے خود کو زخمی کرنا، سوگ منانا وغیرہ۔
- ۳ گیارہویں شریف کی بدعت یہ رسم ویسے تو ہر مہینہ میں ادا کی جاتی ہے لیکن ربیع الاول کی ۱۱ تاریخ کو جو یہ رسم منائی جاتی ہے تو اسے بڑی گیارہویں شریف کہا جاتا ہے۔
- ۴ مزارات پر عرس اور میلے۔
- ۵ ختم قرآن اور قرآن خوانی کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر کے قرآن پڑھوانا۔
- ۶ تیجہ، دسواں، بیسواں، تیسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ۔
- ۷ قبر میں عہد نامہ رکھنا۔
- ۸ قبر پر اذان۔
- ۹ شادی بیاہ میں سہرا باندھنا۔
- ۱۰ بی بی کی کہانی پڑھنا۔
- ۱۱ بی بی کی صحیفہ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نیاز کا کھانا یا فاتحہ۔
- ۱۲ امام ضامن باندھنا۔

- ۱۳ اذان سے پہلے صلاۃ و سلام پڑھنا
- ۱۴ اذان میں انگوٹھے چومنا، یہ عمل کسی صحابی یا تابعی سے بھی ثابت نہیں ہے۔
- ۱۵ خود ساختہ دعائیں اور وظائف مثلاً دعائے گنج العرش وغیرہ
- ۱۶ دعاؤں میں اضافے مثلاً ”والبک یرجع السلام“ وغیرہ۔
- ۱۷ سبز اور کتھی رنگ کا عمامہ باندھنا۔
- ۱۸ قوالیاں کرنا کروانا۔
- ۱۹ مختلف ختم مثلاً ختم بخاری شریف، ختم یاسین شریف، ختم آیت کریمہ وغیرہ۔
- ۲۰ رمضان المبارک وغیرہ میں شبینہ کے پروگرام (رمضان المبارک میں شب بیداریوں کے لیے اجتماعی طور پر مساجد میں باقاعدہ کھانوں وغیرہ کی ضیافت اور تقاریر وغیرہ کے ساتھ اور خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ایسے پروگرام کرنا جس سے کہ طاق راتوں کی فضیلت کھوجانے کا احتمال ہے)
- ۲۱ بچوں کی تعلیم قرآن کے وقت بسم اللہ اور آمین کی رسمیں۔
- ۲۲ مساجد میں تنکوں وغیرہ کی ٹوپیاں رکھنا۔
- ۲۳ مزارات پر گنبد۔
- ۲۴ قبروں کو غسل دینا۔
- ۲۵ قبروں پر چراغاں اور پھول چڑھانا وغیرہ۔
- ۲۶ خانقاہیں تعمیر کرنا۔
- ۲۷ مصیبت کے دور کرنے کے لیے اذانیں دینا۔ (چاہے وہ بارش کے لیے ہو یا حکمرانوں سے خلاصی کے لیے جیسا کہ ہمارے ملک میں یہ چیز مروج ہے)
- ۲۸ مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا۔
- ۲۹ خطبہ جمعہ سے پہلے سنتوں کے لیے وقفہ کرنا۔
- ۳۰ نماز جمعہ کے بعد بطور احتیاط نماز ظہر پڑھنا۔
- ۳۱ نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھنا۔

- ۳۱ چھ کلمے پڑھنا اور پڑھانا۔ (نکاح کے وقت خاص طور پر دولہا کو نکاح خواہ پڑھاتا ہے)
- ۳۲ نماز غوثیہ، نماز غائب وغیرہ (انتہی ملخصاً)
- ۳۳ جنازہ کے وقت حیلہ اسقاط۔
- ۳۴ جناے کے بعد دعا۔
- ۳۵ قبر پر پانی چھڑکنا۔
- ۳۶ جنازے میں ”جل ثناء ك“ کا اضافہ اور رحمت و ترحمۃ والا درود پڑھنا۔
- ۳۷ عورت کے جنازے کو غیر محرم کا کندھانہ دینا۔ (صحیح بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ غیر محرم فوت شدہ عورت کو قبر میں اتار سکتا ہے۔)
- ۳۸ تعزیت کی خود ساختہ دعائیں۔ مثلاً ”حق لارودہ“ (پشتو) یعنی حق کا راستہ ہے وغیرہ۔
- ۳۹ مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق کرنا۔
- ۴۰ نماز کے بعد سر پر یا ماتھے ہاتھ رکھ کر ”یا قوی“ وغیرہ دعائیں پڑھنا۔
- ۴۱ رائے ونڈ میں ہر سال اتوار کے دن اجتماعی دعا کرنا۔
- ۴۲ نماز میں قدم سے قدم نہ ملانا۔
- ۴۳ تشہد میں لا الہ الا اللہ پر انگلی اٹھا کر الہ اللہ پر رکھ دینا۔
- ۴۴ وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا اور انگلی اٹھا کر دعا پڑھنا۔
- ۴۵ تبلیغی جماعت کے چلے اور سہ روزے (اور سلسلہ بیعت) وغیرہ۔
- ۴۶ بارش کے لیے اللہ زاری کرنا۔
- ۴۷ مریضوں کی قمیص دیکھنا اور تعویذ گنڈے وغیرہ سے علاج کرنا۔
- ۴۸ کتاب دیکھنا تاکہ چوری وغیرہ معلوم ہو جائے اور ناخن دیکھ کر گمشدہ چیزوں کا سراغ لگانا۔
- ۴۹ کشف قبور اور مراقبہ قبور کرنا۔

فِيهَا كِتَابٌ قِيمَةٌ

اچھی کتب کے مطالعے سے
اپنے دل اور
زوج کی دنیا کو
آباد کریں



- آپ کی زندگی کا رخ بدل دینے والی کتب
- تحقیق و طباعت کے بہترین معیار کے ساتھ
- نامور مصنفین آپ کے قدم بقدم
- تفاسیر احادیث سیرۃ النبی
- فتاویٰ اور مختلف موضوعات پر بہت سی کتب

صرف کتاب نہیں بلکہ اعلیٰ معیار میں

مکتبہ پر قدوسیہ

Plot 66B-136C/2, 778006
Gurgaon, Haryana, India

